بہنوں کا اپنا ماہنامہ

# کرن

Feburary 1979

Pakistanipoint
Waqar
Azeem

امریکہ کی ایک حیرت انگیز ایجاد

# میجک اسٹون

ٹرانسپیرنٹ سلوشن

جس سے ٹوٹی ہوئی چیزیں مضبوطی سے جُڑ جاتی ہیں

ہر جگہ دستیاب ہے

تقسیم کنندگان

## اسپیس ایج کارپوریشن

نیو کلاتھ مارکیٹ ایم اے جناح روڈ، کراچی فون ۲۳۰۴۸۳

Waqar Azeem Pakistanipoint.Com

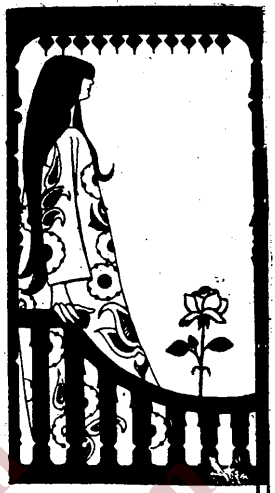

فروری ۱۹۷۹ء

جلد: ۱ شمارہ: ۱۱



نگران

محمود ریاض

مدیر اعلیٰ

محمود بابر فیصل

مدیرہ

نادرہ خاتون

نائب مدیرہ

نیلوفر رفیق

نفسیات

عدنان

منتظم

عامر محمود



سرورق کی خاتون: آنسہ نادرہ عکاس: کاشف

قیمت ۶ روپے — ٹیلی فون: ۲۱۶۶۰۶ — ماہنامہ اردو بازار — کراچی

محمود بابر فیصل نے جاوید پریس سے چھپوا کر شائع کیا

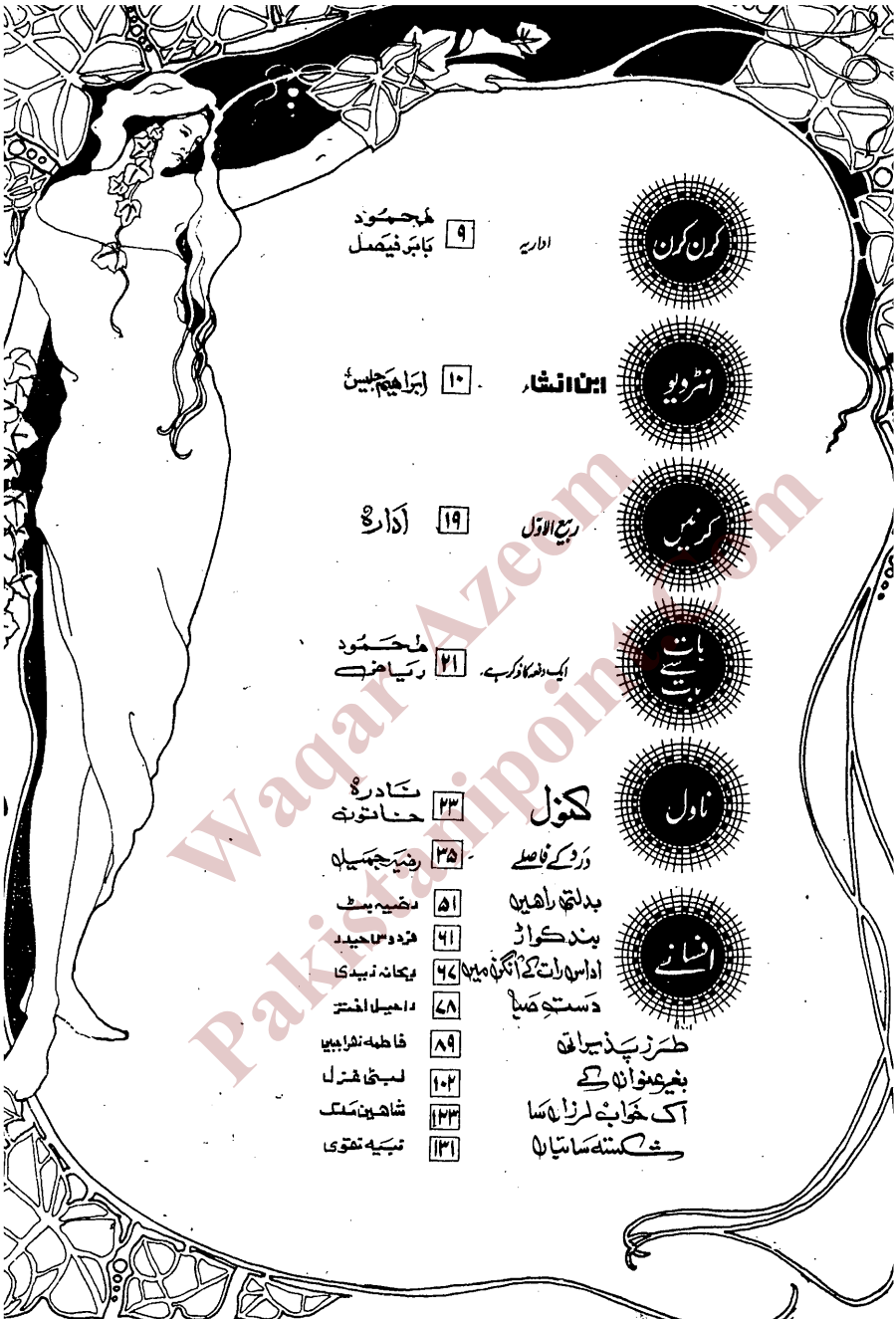

| | | | |
|---|---|---|---|
| کرن کرن | اداریہ | 9 | محمود بابر فیصل |
| انٹرویو | ابن انشاء | ۱۰ | ابراہیم جلیس |
| کرنیں | ربیع الاول | ۱۹ | ادارہ |
| بات سے بات | ایک دفعہ کا ذکر ہے | ۲۱ | محمود ریاض |
| ناول | کنول | ۲۳ | نادرہ خاتون |
| | درد کے فاصلے | ۳۵ | رضیہ جمیل |
| افسانے | بدلتی راہیں | ۵۱ | رضیہ بٹ |
| | بند کواڑ | ۶۱ | فردوس حیدر |
| | اداس رات کے آنگن میں | ۶۷ | یگانہ زیدی |
| | دستِ صبا | ۷۸ | راحیل اختر |
| | طرزِ پذیرائی | ۸۹ | فاطمہ ثریا بجیا |
| | بغیر عنوان کے | ۱۰۲ | لبنیٰ غزل |
| | اک خواب لرزاں سا | ۱۲۳ | شاہین ملک |
| | شکستہ سا تیا | ۱۳۱ | نبیہ نقوی |


Waqar Azeem Pakistanipoint.Com

## سچی کہانیاں


انور سبا نو | ۱۴۴ | کانٹوں کی سیج
خالدہ ادیب | ۱۴۹ | چوکیدار


## مستقل سلسلے


شیلو فوزرفیق | ۱۵۵ | ناقابلِ فراموش
کنول راحی | ۱۶۲ | خواتین کی بیماریاں
شیلو فوزرفیق | ۱۶۳ | کرن کرن خوشبو

نظمیں، غزلیں

سعیدہ عروج مظہر، سویرا ہی
مجو دابر فضیل، ذوالقرنین انشاء

۱۶۶

ترتیب ذوالقرنین | ۱۶۸ | مجھے یہ شعر پسند ہے
ذوالقرنین | ۱۶۹ | کرن کی محفل
ترتیب ملا رخ مغل | ۱۷۹ | کشیدہ کاری
شگفتہ محمود | ۱۷۶ | آپ کی میز پر
ادارہ | ۱۷۷ | نامے میرے نام
اُم کاشان | ۱۷۲ | حسن و صحت
ذوالقرنین | ۱۷۹ | سوشل ڈائری

بہنوں کا اپنا ماہنامہ

# کرن

اپنی پہلی سالگرہ پر

## سالگرہ نمبر پیش کر رہا ہے

ملک کی مشہور اور نئی لکھنے والی خواتین ادیبوں کے ۱۰ انعامی افسانے

- ۵ انعامی سچی کہانیاں
- نادرہ خاتون اور رضیہ جمیل کے ناول
- "خواتین کے دکھ" عذرا ن کی نفسیاتی کہانیاں
- خواتین کی بیماریوں کے لئے مستند طبیبہ کے مشورے
- محمود ریاض کے معاشرے پر نشتر "بات سے بات"
- ذوالقرنین انشا کا کالم "نہلے پہ دہلا"

اور ریڈیو پاکستان کے لئے

ابن انشا سے لیا ہوا ابراہیم جلیس کا یادگار انٹرویو

اس رنگا رنگ

سالگرہ نمبر

کی کاپی ابھی سے اپنے اخبار والے کے پاس محفوظ کروالیں

قیمت ۸ روپے

ماہنامہ کرن اردو بازار - کراچی

کرن کا انتساب
اپنے پیارے
بھائی جان
ابنِ انشا
کے نام ہے

# عرض

فروری کا شمارہ قدرے تاخیر سے آپ تک پہنچے گا وجہ تاخیر کوئی خاص نہیں۔ گیارہ ماہ میں شاید یہ پہلا موقع ہے کہ کرن کو چمکنے میں دیر ہو گئی۔

اا جنوری کو انشاء بھائی جان کی پہلی برسی تھی۔ اس سے قبل اور اس سے کئی دن بعد تک دماغ نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ انشاء بھائی جان کی باتیں بے طرح یاد آتی تھیں، دل بھر آتا تھا۔ آنکھیں نم ہو جاتی تھیں۔ یہ آنسو اس لئے نہیں تھے کہ کون، کون کس کی آنکھیں پونچھتا۔ جانے والے کو سال ہوا اور ہر سال اا جنوری یوں محسوس ہوا کرے گا۔ کہ ابھی پی۔ آئی۔ اے کا جہاز انشاء بھائی جان کو لے کر لینڈ کرنے والا ہے۔

کرن کا شمارہ گیارہواں شمارہ ہے۔ ان گیارہ ماہ کرن نے بے شمار روپ بدلے۔ نت نئے دلچسپ و انعامی سلسلے شروع کئے۔ قارئین کا مشوروں کا احترام کیا گیا۔ پرانی لکھنے والی خواتین کے علاوہ نئی لکھنے والی خواتین کو کرن نے جو اپنے وجود میں جگہ دی۔ اس سے قبل شاید کسی خواتین کے رسالے نے نہیں دی بے شمار نئے نام، نئے ناموں کی خوبصورت تخلیقات یہ سب کچھ آپ نے کرن میں پڑھا۔ کرن کا بارہواں شمارہ انشاء اللہ تعالیٰ "سالگرہ نمبر" ہو گا۔ اس نمبر میں نئی و پرانی لکھنے والی خواتین افسانہ نگاروں کے ١٠ انعامی افسانے، ٥ انعامی سچی کہانیاں ٣ انوکھے انعامی سلسلے۔ دو بہترین نظموں پر انعام اور دو بہترین غزلوں پر انعام

عدنان بھائی کی مرتب کردہ نفسیاتی کہانیاں "خواتین کے دکھ" کے عنوان سے شائع کی جائیں گی۔

کرن کا پہلا سالگرہ نمبر ایک یادگار ضخیم نمبر ہو گا۔ اس کے ساتھ ہی جو خواتین ماہنامہ کرن کی سالانہ خریدار بننا چاہیں وہ اگر ۲۴ مارچ ۹۷ء تک سالانہ خریدار بن جائیں تو ان سے ۷۲ روپے کی بجائے ۶۵/- روپے وصول کئے جائیں گے۔ اور ماہنامہ کرن کا کیلنڈر مفت ارسال کیا جائے گا۔

# ابنِ انشا

ابراہیم جلیس

ابنِ انشا صاحب کا یہ انٹرویو ابراہیم جلیس مرحوم نے ریڈیو پاکستان کے لئے ریکارڈ کروایا تھا۔ انشاجی کی پہلی برسی کے موقع پر یہ یادگار انٹرویو نذرِ قارئین ہے۔

جلیس:۔ اور اس میں دیکھئے کہ ایک طرح سے زمانے کے سیاسی اور . . . . .

انشاجی:۔ ہاں۔ اس میں سب آ گیا ہے۔ اس زمانے میں خاص طور پر جو مڈل ایسٹ کا حال تھا۔ اَب تو خدا کے فضل سے بہتر ہے۔

جلیس:۔ بڑا پختہ سیاسی شعور جسے کہنا چاہیئے۔

انشاجی:۔ بہرحال کہنا یہ ہے کہ ریکاگنشن (Recognition) جسے کہتے ہیں اس نظم سے Overnight جسے آپ کہہ سکتے ہیں (مل گیا) اور پھر وہ زمانہ تھا بھی ایسے یوں کہہ لیجئے۔

جلیس:۔ معاہدہ چھانگا مانگا جس کا آپ نے ذکر کیا وہاں سے آپ کے طنز و مزاح

کی راہ نکلی۔

انشاجی:۔ اچھا میں یہ عرض کروں کہ آج کل جو لوگ میرے کالم لکھنے کی وجہ سے کچھ مزاح نگار کی حیثیت سے بھی جانتے ہیں تو اس کا بھی عجیب اتفاق یہ بھی ہوا کہ وہ چھپا، لوگوں نے پسند کیا۔ ٹھیک ہے بھول بھال گیا چند سال کے بعد ہمارے اُستاد جن کو میں اُستاد کہتا ہوں، شاعری میں بھی نثر میں بھی۔ مولانا چراغ حسن حسرت جن سے ہم نے بہت کچھ سیکھا۔ اُن کا انتقال ہوا تو "امروز" جس سے ویسے بھی ہمارا تعلق رہا ہے ایک زمانے میں جذباتی بھی۔ کچھ مہینے ہم اس میں نوکر بھی رہے ہے۔ ۱۹۴۹ء میں ہم نے اسے مزاحیہ بھی کر لیا تھا۔ تو یہ سب چیزیں جلیس صاحب بہت بے ربط ہو رہی ہیں۔۔۔۔۔ ہوا یہ تھا۔۔۔

جلیس:۔ اچھا خیر ریکاگنشن (Recognition) کی بات ہو رہی ہے۔

انشاجی:۔ ہاں اس کے بعد جناب طفیل احمد خان "امروز" کے ایڈیٹر تھے۔ وہ میرے پاس آئے۔ انہوں نے کہا۔ بھائی وہ تم کالم لکھا کرو اس میں۔ میں نے کہا میں اور کالم بھئی ؟ تمہیں معلوم ہے کہ چھوٹی موٹی شاعری کرتا ہوں اور شاعری ہی کرتے تھے۔ "امروز" میں غزل چھپتی تھی۔ دس روپے اس کے ملتے تھے۔ اور ہمارے بہت کام آتے تھے اُس زمانے میں اس زمانے میں اور تو کوئی دس روپے نہیں دیتا تھا۔

جلیس:۔ انشاجی! آپ کا قطع کلام ہوتا ہے۔ یہاں ایک واقعہ سامعین کی دلچسپی کا ہوگا۔ آپ اور میں ایک بار جب ہماری جیب میں بالکل پیسہ نہیں تھا آپ نے کہا تھا کہ یار چلو "امروز" سے ہمیں تیس روپے ملیں گے تو وہ لینے ہی چلیں۔

انشاجی:۔ نہیں ہم نے یہ کہا کہ نہیں بھئی یہ جوتا جو ہے تین غزلوں میں آیا ہے۔

جلیس:۔ وہ واقعہ بڑی دلچسپی کا باعث ہوگا کہ بندر روڈ پر جیب میں ایک پیسہ نہیں تھا نہ آپ کے اور نہ میرے۔ ایک جوتا اُٹھا کے اس سے جو فٹ پاتھ پر بیٹھتے ہیں آپ نے پوچھا کہ کتنے میں دو گے۔ اس نے کہا کہ جی آٹھ روپے۔ جیب میں پیسے نہیں تھے۔ تم نے کہا کہ نہیں بھئی یہ تو چھ روپے میں اُس نے کہا کہ چلئے جی چھ میں لے لیں، تو ہماری پوزیشن بڑی (بری) ہو گئی تھی۔ آپ نے کہا کہ نہیں یہ تو چار روپے میں آسکتا ہے۔

انشاجی:۔ اس نے کہا کہ چار ہی میں لے لیجئے۔

اِس شخصیّت کا دحل ہے . . . .

انشاجی:۔ ویسے مَیں عرض کر دوں لبعض لوگوں کو خیال ہوتا ہے کہ شاید انشاء اللہ دہلوی سے مجھے کوئی ربط ہے۔ بالکل نہیں ہے۔ نہ مَیں دِلی کا ہوں، نہ مَیں سیّد ہوں، حالانکہ بن سکتا ہوں۔ یہاں کون پوچھتا ہے بہت لوگ بن گئے ہیں۔ لیکن خیر نہیں بنا اور اس رعایت سے لوگ سیّد ابنِ انشا لکھ دیتے ہیں تو اس میں ایسی کوئی ہرج کی بات نہیں ہے۔

لیکن جب ان کی بعض غزلیں ___ تو ہم چپُ رہتے ہیں جب وہ کہتے ہیں" کمر باندھے ہوئے چلنے پہ یاں" صاحب بہت اچھّی غزل ہے ہم نے کہا بھائی ہم کس لائق ہیں۔ ٹھیک ہے . . . لیکن اُس مرحوم نے اور بھی ایسے ایسے شعر لکھے ہیں۔ پھر ہمیں تردید کرنی پڑی کہ نہیں بھئی یہ ہمارا . . . . کچھ لوگ ہمارے کلام کو تو ان کا کلام زیادہ سمجھتے ہیں۔ ہمارا نقصان زیادہ ہے۔

جلیس:۔ اَب یہ ہُوا کہ آپ شاعری میں بنیادی طور اس دنیا میں داخل ہُوئے۔ آپ کی جو رگِ مزاح پھڑکی اور دوسرے مضمون کی شکل میں مضمون "معاہدہ چھانگا مانگا" سویرا میں چھپا اس کو پڑھنے کے بعد بے شمار لوگوں نے آپ سے یہی کہا۔ محض طفیل احمد خان نے نہیں بلکہ میرا خیال ہے کہ "قندیل" کے ایڈیٹر نے بھی . . . .

انشاجی:۔ ہاں، ہاں . . . دو چار مضمون ہی چھپے۔

جلیس:۔ اِس کے بعد آپ نے بڑا دلچسپ ایک اور مضمون لکھا تھا کرایہ دار اور مالک مکان کے متعلق۔ خیر بہر حال۔

انشاجی:۔ اچھّا یہ بتادوں کہ میری جو محبّت ہے وہ شاعری سے ہے اور میری شادی جو ہے وہ نثر سے ہے یہ مَیں بتادُوں۔

جلیس:۔ آپ نے اچھّا جملہ کہا اور آپ نے ایک بڑے گہرے راز کو بھی اِس میں فاش کر دیا۔

انشاجی:۔ خیر۔ خیر ایسا کوئی راز نہیں۔ اچھّا میں عرض کروں وہ جو آپ نے سن ون کا پُوچھا ہے۔ تو بھئی اس زمانے یہ کوئی حساب نسب تو رکھتے نہیں تھے۔ ہمارا بھی ہماری والدہ کو یاد تھا کہ ہاڑ کے مہینے کی ٹکران تھی یعنی پہلی تاریخ سے اور انہوں نے بتایا تھا۔ اس کے بعد انہیں کچھ یاد ہے کہ ۱۹۳۱ء میں چار سال کی عمر میں داخل ہُوئے پہلی جماعت میں۔ ۱۹۲۷ء - ۱۵ جون ۱۹۲۷ء جنتری کے حساب

سے وہ بنتی ہے۔ اس کے بعد پھر گاؤں میں رہے۔ میرے خیال میں
میں نکل آیا تھا گاؤں سے۔ کس عمر میں نکل آیا تھا۔ آپ اس میں چار
جمع کریں آٹھ۔

جلیس:۔ بارہ سال۔

انشاجی:۔ بارہ سال کی بات ہے یوں سمجھیے گیارہ بارہ سال کی عمر سے گھر سے
نکل آئے تھے اپنے دیہات سے۔ پھر ہم شہر میں رہے۔ پھر ہم
جابجا ٹھوکریں کھاتے رہے اور ۱۹۴۶ء میں جب ہم نے بی۔ اے
کیا ہے تو پھر لاہور میں پڑھا۔ یہ دو جگہ پڑھا۔ پھر ہم آل انڈیا ریڈیو
میں نوکر ہوئے۔ یہ تقسیم سے یعنی قیام پاکستان سے ایک مہینے
پہلے کی بات ہے۔ پھر ہم ریڈیو پاکستان آئے جہاں آپ
بیٹھے ہیں نا یہاں ہمارے قدم آئے یوں سمجھیے۔

جلیس:۔ یہاں میں آیا کرتا تھا۔ آپ کے پاس میں کینٹین میں آیا کرتا تھا۔ بلکہ یہ
قصہ ہے۔ آپ کے ساتھ ضیا محی الدین بھی تھے۔ شکیل احمد۔

انشاجی:۔ مختار صدیقی تھے مرحوم اور کئی لوگ۔

جلیس:۔ تابش دہلوی تھے اور بڑا اچھا گروپ تھا۔

انشاجی:۔ بہرحال Struggle کے دن تھے یہ ۱۹۴۹ء کی بات ہے۔

جلیس:۔ جی ہاں۔ ۵۰ ہو گی۔

انشاجی:۔ پھر ہم بھٹکتے رہے۔ کہاں کہاں پھرتے رہے۔ پھر یہاں آئے۔

جلیس:۔ اچھا ایک سوال اور بڑے ادبی لہجے میں . . .

انشاجی:۔ فرمائیے۔ فرمائیے آپ تو خطیب اتنے . . .

جلیس:۔ زندگی کے . . .

انشاجی:۔ آپ تحریر میں خطابت کرتے ہیں کہنا چاہیے۔

جلیس:۔ زندگی کے پہاڑ کے قدموں سے شہرت کے ایورسٹ تک پہنچنے
کے لئے آپ کے نہایت طویل اور مسلسل لانگ مارچ یعنی جدوجہد
سے شادکام آپ کی ساری کوہ پیمائی اور کوہ کنی ہماری نظروں کے
سامنے تو ہے لیکن آپ کے سارے دوسرے مداح بھی یہ جاننا
چاہیں گے کہ آپ کی زندگی کن درس گاہوں کن دفتروں کن خلوتوں
کن جلوتوں سے گزری۔

انشاجی:۔ بھئی خلوتوں کی تو آپ توقع نہ کریں۔ جلوتوں کا ہم نے ذکر کر ہی دیا۔
جو کہنے کی باتیں تھیں گفتنی درج گزٹ ہم نے کر دیا۔

جلیس:- نہیں۔ وہ جیسا کہ آپ نے کہا تھا کہ ماضیوں کی کھونٹیوں پر سے کچھ یادوں کے پیراہن لٹکے رہتے ہیں۔ یہ کب جملہ آپ نے لکھا تھا۔؟

انشاجی:- اصل میں زندگی آدمی کی گزرتی ہے Struggle میں۔ اب تو بہت آسانی کے زمانے ہیں۔ سب کے لئے اور ہمارے لئے بھی آپ نے ہم نے ایک زمانہ گزارا ہے۔

جلیس:- نہیں آپ کا کیا خیال ہے انشاجی کہ وہ زمانہ تخلیق کے لئے زیادہ انگیخت کا تھا۔

انشاجی:- نہیں۔ جو جرأت، ہمّت اور تخلیق کا جو کرب آپ کو ہمارے اس زمانے کی، آپ کے اس زمانے کی چیزوں میں ملے گا وہ اب نہیں ملتا۔

جلیس:- آسودہ حالی یا تن آسانی کا کچھ تخلیق پر اثر پڑتا ہے ...

انشاجی:- ہم تو یہ کہتے ہیں۔ 'It is better to have loved and lost than never to have loved.'

جلیس:- ہم نے اس کا ترجمہ آگے کیا ہے کہیں۔

انشاجی:- تو ہمیں یہ اطمینان ہے کہ ہم نے اس زندگی کے جو مسائل ہیں اُن سے عشق کیا۔

جلیس:- اچھا جیسا کہ لاقیمت ہیرے ہشت پہلو ہوتے ہیں آپ کی شخصیّت بھی ہشت پہلو ہے۔ یعنی آپ ایک نئے بالکل نئے اسلوب کے شاعر ہیں۔ میری نظر میں، ایک صاحب طرز مزاح نگار ہیں کیونکہ آپ کے طرز کی کوئی نقل نہیں کر سکتا۔ ایک سدا بہار کالم نویس ہیں۔

انشاجی:- خیر خیر۔

جلیس:- ایک جہانیاں جہاں گشت سیّاح ہیں۔ ننھے بچّوں کے بہت بڑے ادیب ہیں۔ ایک سُلجھے ہوئے نقّاد ہیں۔ عوام کے چہیتے دانشور اور علمی و ادبی اداروں کے کامیاب ناظم یعنی ایڈمنسٹریٹر بھی ہیں۔

انشاجی:- جی

جلیس:- ان آٹھ ابن انشاؤں میں سے آپ کو سب سے زیادہ کو سا ابنِ انشا پسند ہے۔؟

انشاجی:- بھئی وہ تو مَیں نے ... اس میں تو مجھے سوچنے کی ضرورت نہیں ہے وہ تو شاعر ہے۔ ہم چاہتے ہیں ہمارا حشر نشر اور عاقبت وہ تو شاعروں

کے ساتھ ہو گی۔ دوسرے یہ ہے کہ یہ حیثیتیں ہوتی ہی ہیں۔ آدمی کو کمانے کے لئے آج کل کوئی ادب سے تو گزارا نہیں کر سکتا۔ تو پھر نوکری کرتا ہے۔ میری خوش قسمتی یہ ہے کہ مجھے جو کام ملا ہے اس کا تعلق بھی کتابوں سے ہے۔ میں نے ایک زمانے میں خواہش کی تھی، خداوند سے دعا کی تھی کہ میں کتابوں کے درمیان ہوں۔ میرا اس زمانے میں یہ خیال تھا کہ شاید میں لائبریرین بن جاؤں گا تو وہ تو نہ ہوا۔ خیر وہ اچھا ہوا کہ نہ ہوا لکچرار کچھ دن رہا۔ لائبریرین کبھی نہیں بنا۔

لائبریری سے دلچسپی ضرور رہی۔ لیکن یہ نیشنل بک کونسل جو ہے اُس زمانے میں نیشنل بک سنٹر تھی۔ اس میں ایک موقع نکلا تو مجھے انہوں نے ڈائرکٹر منتخب کر لیا۔ تو وہ چلا آرہا ہے۔ کچھ بارہ چودہ برس سے یہ چیز چلی آرہی ہے اور اس کا تعلق چونکہ یونیسکو سے ہے سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ یونیسکو کی وجہ سے دوسرے مُلکوں میں جانا ہوا، کبھی ٹریننگ کے لئے، کبھی مشورت کے لئے، کبھی کسی کانفرنس میں نمائندگی کے لئے۔ تو وہ سلسلہ جو ہے وہ کھلا ہے اور جاری ہے اس سے ذہن کو بھی وُسعت ہوتی ہے۔ جیب کو تو نہیں ہوتی۔ ذہن کو زیادہ وسعت ہوتی ہے۔ اس سے پھر یہ کتابیں وجود میں آئیں۔ کالم کا فائدہ یہ ہوا۔ دیکھیئے میں آپ سے عرض کروں کہ کالم کے لوگ نقصان بھی بیان کرتے ہیں۔ ہوتے ہوں گے زیادہ لکھنے سے۔ لیکن۔ میں اپنی بات نہیں کسی کی بات کرتا ہوں۔ اگر کوئی زیادہ لکھتا ہے اور اچھا لکھتا ہے تو بجائے اس کے کہ وہ کم لکھے اور بُرا لکھے یہ بھی تو ہوتا ہے کہ کم لکھتے ہیں اور بُرا لکھتے ہیں۔ یہ اچھا بُرا کی کوئی چیز نہیں ہے یعنی کم زیادہ کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ اس میں کوالٹی اس کی دیکھی جاتی ہے۔ ہوا یہ کہ اس سے تحریر میں صفائی آئی ہے۔ چنانچہ کوئی مجھ سے اب کوئی چیز لکھنے کو کہے تو مجھے Confidence ہے کہ میں اس کو آخری لمحے پر لکھتا ہوں۔ کبھی اس کے لئے تیاری کرنے کی ضرورت نہیں آئی۔ تو عالمانہ گہرائی نہ ہم میں ہے نہ ہم چاہتے ہیں۔

جلیس۔ انشاجی! اس کے علاوہ اس سے جو آپ کا ایک mass con-tact ہوتا ہے، . . . . ایک عوامی رابطہ عوام سے اپنے ہوتا ہے اس کالم کے ذریعے۔ یعنی جو آپ کا ذہنی بن باس ختم ہوتا ہے وہ

بہت بڑی چیز ہے۔ میں آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں کہ میں چترال گیا تھا تو وہاں ایک چھوٹے سے گاؤں میں گاڑی ہماری خراب ہوگئی شوٹنگ ووٹنگ پر گئے تھے فلم کے تو وہاں کچھ لوگوں نے ہمیں دعوت وغیرہ دی۔ وہ اپنے مسائل کا ذکر کر رہے تھے۔ کوئی صاحب تھے پڑھے لکھے آدمی۔ کوئی وکیل وغیرہ ہوں گے تو وہ کہتے تھے کہ صاحب میں اپنے سارے مسائل ابنِ انشا صاحب کو لکھ بھیجوں گا۔ ورنہ یہاں تو نہ کوئی حکومت دیکھتی ہے نہ . . . . .

اب یہ بتایئے کہ اس نے یہ نہیں کہا کہ میں کسی بڑے افسر کو لکھوں گا یا یہ کروں گا۔ اس نے کہا کہ ابنِ انشا کو لکھ کر بھیجوں گا۔ اپنے مسائل ابنِ انشا صاحب کو لکھوں گا۔ اپنے علاقے کے لئے۔ یہ کتنی بڑی بات ہے۔

انشاجی، میں یہ عرض کروں گا کہ اب جو بھی اخباروں کا حال ہوگیا ہے اس میں لوگ کالم پڑھتے ہیں۔ باقی چیزیں یعنی ایڈیٹوریل متبرک ایک چیز ہوتی ہے اس میں رکھنا ہوتا ہے۔

جلیس، اداریہ نگار صاحبان۔

انشاجی، مجھے امید ہے کہ وہ سن نہیں رہے ہوں گے۔ وہ جی وہ نہیں سنتے۔ ان لوگوں کو کہاں فرصت ہے ریڈیو سننے کی۔ وہ اس وقت اپنے بیٹھے ہوں گے۔ یہ کہنا چاہیئے خبریں سب میں ایک جیسی ہوتی ہیں سوائے ایک آدھ خبر کے لوگ پڑھتے نہیں ہیں۔ اب رہتا ہے جو کالم لگا۔ اور فیچر نگار ہیں اس پر اخبار کے اچھے برے اور معقول غیر معقول ہونے کا انحصار ہوتا ہے۔

یہ انٹرویو جاری ہے۔

ادارہ

# ربیع الاول

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خدا کے نیک بندوں کو مبارک ہو کہ ربیع الاوّل کا مبارک مہینہ شروع ہو گیا ہے بلاشبہ یہ بھی رحمت کا مہینہ ہے۔ ہمارے اور دو جہان کے مالک و آقا جن کا نام نامی اس دُنیا میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ملاء اعلیٰ میں احمد مجتبیٰ ہے اس مہینے کی ۱۲ تاریخ کو ہماری ہدایت کے لئے تشریف لائے۔ آپ انبیاء کرام کے اُس طویل سلسلے کے آخری ہادی اور نبی برحق ہیں جس کی ابتدا حضرت آدم علیہ السّلام سے ہوئی تھی۔ اسی لئے آپ کو خاتم النبیّین کہا جاتا ہے۔ آپ کے بعد کوئی نبی یا رسول نہیں آیا اور نہ آئے گا۔ عقلاً بھی اب کسی نبی کے آنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ جلّ جلالہ کی طرف سے بنی نوع انسان کو جو احکام و ہدایات پہنچنی تھیں وہ سب کی سب بلا کم و کاست ہمارے نبی اکرم نے پہنچا دیں۔ مزید یہ کہ نہ صرف پہنچا دیں بلکہ ۲۳ سال تک ان پر بنفس نفیس عمل کر کے اہل دُنیا کو دکھا دیا تاکہ لوگ یہ کہنے کی جرأت نہ کر سکیں کہ اللہ تبارک تعالےٰ کے احکام ناقابلِ عمل ہیں یا معاذ اللہ بے فائدہ ہیں۔

کئی انبیاء علیہم السلام ایسے گزرے ہیں جن کی تعلیم صرف ان کی قوم تک محدود تھی۔ مگر عجیب بات ہے کہ پوری قوم بھی اُن پر ایمان نہیں لائی بلکہ بہت سے افراد نے انہیں ماننے سے انکار کر دیا۔ کئی انبیاء علیہم السلام نے بہت طویل عمریں پائیں اور ساری زندگی دینِ الٰہی کی تبلیغ میں گزار دی۔ مگر ان پر ایمان لانے والوں کی تعداد قلیل ہی رہی۔

اس کے برعکس ہمارے اور آپ کے ہادی برحق کو دین متین کی تبلیغ کے لئے کل ۲۳ سال ملے اس مدّت میں سے پہلے ۱۲ سال مکّے میں گزرے۔

ظہورِ اسلام سے پہلے آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال تجارت شام و فلسطین لے جاتے اور اسے فروخت کرنے کے بعد پوری رقم لا کر ان کے حوالے کر دیا کرتے تھے اس وقت بھی آپ عوام و خواص میں "امین" کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ اخلاق و مروّت، حق گوئی و بے باکی، امانت و دیانت غرضیکہ آپ کی تمام صفاتِ حسنہ کا سکّہ جہلائے عرب کے دلوں پر بیٹھا ہوا تھا۔

Waqar Azeem Pakistanipoint.Com

جھگڑا تو جب پیدا ہوا جب آپ نے بحکم الٰہی اپنی رسالت کا اعلان فرمایا اور ہدایت کی کہ خدائے وحدہٗ لاشریک لہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ مانو اور کسی کے سامنے اپنا سر نہ جھکاؤ۔ تین سو ساٹھ بتوں کو سجدہ کرنے والے یہ سنکر ششدر رہ گئے ان میں سے صرف چند خوش نصیبوں کو چھوڑ کر سب آپ کے برگشتہ اور آپ کے خون کے پیاسے ہو گئے۔

جہلائے عرب کفر و نفاق میں بہت شدید تھے انہوں نے آں حضرت صلعم کو کارِ حق کی تبلیغ سے روکنے کے لئے کوئی حربہ نہ چھوڑا۔ ہر طرح کی تکلیف دی۔ آپ کے ماننے والوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے اور بالآخر حضور اکرمؐ کو مجبور کر دیا کہ اپنا آبائی وطن مکہ چھوڑ کر مدینے میں پناہ لیں۔ حضورؐ کو یہاں کچھ چین نصیب ہوا۔ لوگ جوق در جوق اسلام قبول کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر کفارِ مکہ کے حسد کی آگ اور بھڑکی۔ مسلمانوں سے بلاوجہ جنگوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ بالآخر مسلمانوں کی قلیل جمعیت نے ترکی بہ ترکی جواب دینے کی ٹھان لی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سارے


◎ خواتین ڈائجسٹ
◎ عمران ڈائجسٹ
◎ ماہنامہ کرن
◎ ماہنامہ حنا

منگوانے کیلئے ہمارے اوورسیز ایجنٹ

ویلکم ٹریڈرز

۱/۴، بلاک ۶، پی ای سی ایچ ایس کراچی ۲۹ سے
رابطہ قائم کریں ——— فون ۴۳۵۵۱۳


میں سردار دو عالمؐ کی وفات کے وقت پورے جزیرہ نمائے عرب پر اسلام کا پرچم لہرا رہا تھا۔ حضورؐ کی وفات کے بعد کلمہ گویوں نے مغرب میں اسپین کے ساحل سے لے کر مشرق میں چین تک اسلام کی سرحدیں پہنچادیں۔

آج بھی رسولِ مقبولؐ کے صدقے میں دنیا کی بہت بڑی آبادی دینِ اسلام پر قائم ہے اور بحمداللہ دینوی اعتبار سے بھی کسی دوسری قوم سے کمتر نہیں۔ غور کیجیے کہ آخر اس کی وجہ کیا ہے؛ وجہ یہ ہے کہ دینِ اسلام ایک برحق دین اور مکمل طرزِ حیات ہے۔ دیگر مذاہب کے خلاف اسلام دین اور دنیا کو دو الگ الگ خانوں میں تقسیم نہیں کرتا۔ ہمارے مذہب میں دنیا کھیتی ہے آخرت کی اور اسلام دین اور دنیا دونوں کی کامیابی کا ضامن ہے۔ اس میں رہبانیت ترکِ دنیا یا گوشہ نشینی کو قناعت کا نام دے کر اختیار کرنے کی اجازت نہیں۔

کسی نے خوب کہا ہے

شیخ کعبے سے اُٹھ نکل باہر
گھر میں بیٹھے خدا نہیں ملتا۔

دُنیا کی زندگی ایک جہدِ مسلسل ہے اور اس جہد سے کامیابی کے ساتھ گزر جانا ہی اسلام کا مقصد ہے۔

آیئے درود و سلام بھیجیں اُس ذات پر جو ہمارے عقائد کے مطابق اس کائنات کی تخلیق کا باعث ہے۔ اللہ کی ذات ربّ العالمین ہے اور اس کے حبیب کی ذات رحمت اللعالمین ہے۔ آپ کی ولادت ۱۲ ربیع الاوّل کو مکّہ میں قریش کے ایک قبیلہ بنی ہاشم میں ہوئی۔ اپنے والد عبداللہ کی وفات کے بعد آپ پیدا ہوئے۔ گویا پیدا ہی یتیم ہوئے۔ جس گھر انے میں پرورش پائی وہ بھی کچھ مرفہ الحال نہ تھا۔ کسی سے پڑھنا لکھنا بھی نہ سیکھا۔ کامیاب زندگی گزارنے کے لیے جو جو ذرائع ضروری سمجھے جاتے ہیں وہ سب مفقود تھے۔ اب اسے محض تائیدِ الٰہی نہ کہیئے تو کیا کہیئے کہ ان حالات میں اس دُرِّ یتیم نے وہ کام کر دکھایا جو دنیا میں کسی دوسرے نے آج تک نہ کیا ہے اور نہ آئندہ کرے گا۔ خالقِ اکبر ہمیں سرتاجِ انبیاؐ کی تعلیم پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔

محمود ریاض

# بات سے بات

## ایک دفعہ کا ذکر ہے

وَنس اپون اے ٹائم
ایک دفعہ کا ذکر ہے۔

یہ انگریزی اور اردو میں ذکر پتہ نہیں ایک دفعہ ہی کیوں ہوتا ہے بہر حال دو دفعہ کا ذکر ہے کہ

ملیر کے ڈاکٹر فضل دین شاہی پیشن گو و دندان ساز نے جب ہم اخبار میں کالم نویسی کرتے تھے خط لکھ کر ہمیں اور ہمارے حاشیہ نشینوں کو بلایا تھا اور ساتھ ہی یہ بھی ہدایت کی تھی کہ آنے سے دو یوم قبل اطلاع دی جائے تاکہ عصرانے کا انتظام کیا جاسکے۔

جواب میں ہم نے شاہی پیشن گو کی خدمت میں عرض کیا۔

"کہ اے شاہی پیشن گو اس بات کی پیشن گوئی بھی کریں کہ ہم آئیں گے بھی یا نہیں اور آئیں گے تو کس دن اور ہمارے ساتھ حاشیہ نشین کون کون ہوں گے۔"

ہم نے یہ لکھنے کو تو لکھ دیا مگر ڈر بھی رہے تھے کہ کہیں واقعی پیشن گوئی نہ کریں اور ہم اور ہمارے حاشیہ نشین مارے جائیں مگر ڈاکٹر صاحب یعنی شاہی پیشن گو صاحب نے خط کے ذریعے ہمیں اطلاع دی کہ ہم نے ان سے بہت معمولی قسم کا سوال کیا ہے۔ ہمارا خیال تھا کہ اس کے بعد ہمارے بارے میں پیشن گوئی ہوگی۔ مگر شاہی پیشن گو صاحب اصل بات کو گول کر گئے اور صرف اتنا کہا کہ اس کا جواب ایک بہترین تقریب میں دوں گا۔ اور آگے چل کر ہمارے لئے اپنے ہاں کا تیار کردہ خضاب کا ذکر کیا ہے۔

شاہی پیشن گو صاحب کی خدمت میں عرض ہے کہ ہم ایسے سادہ لوح نہیں ہیں خضاب کے تجربے کے لئے کسی اور کا انتخاب کریں کیونکہ ہمارے نہ صرف یہ کہ بال کالے ہیں بلکہ دل بھی کالا ہے

دوسری بار کا ذکر ہے۔

کہ شاہی پیشن گو صاحب نے ہمارے بارے میں چند اختصاری نوٹ لکھ بھیجے ہیں جن کو پڑھ کر ہمیں اس بات کا بہت دُکھ پہنچا کہ ہم اخبار نویس کیوں بنے۔ شاہی پیشن گو کیوں نہ ہوئے بہر حال نوٹ ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ آپ کا کوئی قلبی دوست نہیں۔
۲۔ آپ کے دِل کی گہرائی تک کوئی بھی نہیں پہنچ سکتا
۳۔ آپ کی ولادت کے بعد نقلِ مکانی ضروری تھی۔
۴۔ آپ ادیب ہیں، صحافی ہیں اور بہت خوب لکھتے ہیں۔
۵۔ خودداری کے زیور سے مزین ہیں۔

یہ واقعی ایسے انکشاف ہیں کہ جن پر ہم ہی کیا پوری دُنیا کو چونک اٹھنا چاہیئے۔

شاہی پیشنگو صاحب ہماری اصل بات تو ہضم کر گئے اور پانچ انکشافات ہمارے بارے میں کر گئے۔ ہمارے قارئین کو اس بات کی اجازت ہے کہ نمبر ۴ والا انکشاف چھوڑ کر باقی چار کو اپنے لئے سمجھیں۔ ہمیں سو فیصد یقین ہے چاروں باتیں تقریباً ہر قاری کے بارے میں کہی جاسکتی ہیں۔ اب رہی ادیب یا صحافی والی بات تو ہمارے لکھنے سے اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ہم کیا بیچتے ہیں۔

اب ہم آخر میں اس شاہی پیشن گو کے بارے میں چند انکشافات کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

۱۔ آپ کا کوئی قلبی دوست نہیں۔
۲۔ آپ کے دِل کی گہرائی تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔
۳۔ آپ کی ولادت کے بعد نقلِ مکانی ضروری تھی۔
۴۔ آپ کو دندان سازی سے دلچسپی ہے۔
۵۔ آپ کو پیشن گوئی کرنے کا عارضہ ہے۔
۶۔ آپ کو لوگوں کو عصرانے پر بلانے کا خبط ہے۔
۷۔ آپ نے ملیر سٹی میں مطب کھول رکھا ہے۔
۸۔ آپکو چائے، دودھ یا لسی پسند ہے۔
۹۔ آپ خضاب کے تجربے مجھ پر کرنا چاہتے ہیں۔
۱۰۔ آپ کو اصل باتوں کا جواب گول کرنا خوب آتا ہے۔ سردست ہم ان دس انکشافات پر اکتفا کئے لیتے ہیں کیونکہ اس کام میں فضولیات کے علاوہ کچھ کام کی باتیں بھی ہونی چاہئیں۔

WaqarAzeem Pakistanipoint.Com

# شمعِ غزل

اُردو شاعری کے انتخاب کے سلسلے میں ہمیں بہت سی بہنوں کے خطوط موصول ہوتے ہیں سمن آباد کی محترمہ رفعت وحید صاحبہ کا مشورہ ہمیں سب سے زیادہ پسند آیا کہ ولی دکنی سے شروع کر کے تبدریج فیض اور ندیم تک اُردو شعراُ کا مختصر تعارف اور نمائندہ غزل شائع کی جائے اِس سلسلے کی پہلی کڑی ولی دکنی کا تعارف اور غزل پیش خدمت ہے.

آئندہ شمارے میں خدائے سخن میر تقی میر کا تعارف اور نمائندہ غزل شائع کی جائے گی. آپ اپنی پسند کے مطابق میر کی خوبصورت غزل بھجوایئے. جس غزل کے بارے میں سب سے زیادہ اتفاق رائے ہو گا وہ آپ کے نام اور شکریئے کے ساتھ شریکِ اشاعت ہو گی.

اِس بار شمعِ سخن اردو ادب کے منفرد اور پہلے صاحب طرز شاعر ولی دکنی کے سامنے ہے.

## ولی دکنی

پورا نام سیّد ولی محمد ولی اورنگ آبادی. اور ولی دکنی کے نام سے معروف ہیں. ولی عہدِ اورنگ زیب کے ایک سچے نمائندے تھے خود اورنگ زیب اپنے وطن دلی اور آگرہ سے دور تمام عمر دکن کے کوہساروں میں سرگرداں رہے اور ان کے ساتھ ہندوستان کی فوجیں اور اربابِ کمال متحرک رہے اِس لئے ولی کا بھی ایک جگہ بیٹھا رہنا اقتضائے وقت کے خلاف تھا. یہ دور دراصل ایک دورِ انتشار اُٹھا چنانچہ اس عہد کے اکثر دکنی شعرا بحری، آزاد، فراقی، وجدی، نوری، امامی رحمٰن وغیرہ برابر حرکت میں رہے اور اُن میں سے اکثر نے دلی کی بھی سیر و سیاحت کی چنانچہ ولی نے بھی دلّی کا سفر کیا اور وہاں کے مشاعروں میں اپنا دکنی کلام سنا کر شاعروں کو اتنا مسحور کیا کہ وہ اُردو میں لکھنے کی طرف مائل ہو گئے. اِس وقت یہ زبان صرف بازاری سمجھی جاتی تھی. اور علمی و ادبی محفلوں میں اس کو جگہ نہ مل سکی تھی ولی کی شخصیت اور ان کے کلام کی مقبولیت کا یہ اثر ہُوا کہ شعرائے دِلّی نے فارسی کو ہمیشہ کے لئے خیر آباد کہہ کر اُردو میں لکھنا شروع کر دیا. اس طرح اِس زمانہ میں اگرچہ شمالی فوجوں نے دکن کو فتح کیا تھا لیکن دکن کے شعرا نے شمال کو فتح کر لیا.

اکثر تذکرہ نگاروں نے ولی کو اُردو کا پہلا صاحبِ دیوان شاعر سمجھ لیا ہے حالانکہ دکن میں ولی سے بہت پہلے متعدد شاعر مثلاً محمد علی قطب شاہ، غواصی، وجہی، عبداللہ قطب شاہ سلطان، علی عادل شاہ، ہاشمی، نصرتی، وغیرہ صاحب دیوان گزر چکے ہیں اور انہی کی زمینوں میں ولی نے اپنی غزلیں لکھیں وہ اِس قدیم سلسلۂ شعرا کی ایک ایسی کڑی تھے جن سے شمال میں ایک جدید سلسلۂ منسلک ہو گیا.

ولی دراصل ایک غزل گو شاعر تھے انہوں نے مثنویاں اور قصیدے بھی لکھے ہیں لیکن ان پر ان کی شہرت اور عظمت کا دارومدار نہیں ہے ۱۷۰۷ء میں ولی نے اورنگ آباد ہی میں وفات پائی. اور وہیں حضرت سید احمد گجراتی کے تکیہ میں دفن کئے گئے.

ولی ایک آوارہ مزاج قلندر منش اور بے باک شاعر تھے. اِن کے کلام میں مضامین کی رنگینی خیالات کی وسعت اور طرزِ ادا کی بے باکی پائی جاتی ہے.

وُہ اُردو کے ان چند شعرا میں سے ایک ہیں جن کی غزل کو پڑھ کر غم کی کیفیت پیدا ہونے کی بجائے طبیعت پر شگفتگی طاری ہو جاتی ہے. اِن کے عاشقانہ اشعار میں جذب و سرور اور شوق و انبساط کی لہر دوڑ رہی ہے. ولی اُردو زبان کی بین الصوبائیت کا پہلا داعی ہے اور اس کا دیوان اِس مقصد کی تکمیل کی طرف پہلا قدم

## غزل

دیکھنا ہر صبح تجھ رُخسار کا
ہے مطالعہ مطلعِ انوار کا

آرزوئے چشمۂ کوثر نہیں
تشنہ لب ہوں شربتِ دیدار کا

گر ہوا ہے طالبِ آزادگی
بندہ مت ہو سبحہ و زنّار کا

مسندِ گل منزلِ شبنم ہوئی
دیکھ رُتبہ دیدۂ بیدار کا

دل کوں دیتا ہے ہمارے پیچ و تاب
پیچ تیرے طرۂ طرّار کا

صبح تیرا درس پایا تھا صنم
شوقِ دل محتاج ہے تکرار کا

اے ولی ہونا سری جن پہ نثار
مدّعا ہے چشمِ گوہر بار کا

ناول

# کنول

نادرہ خاتون

قسط نمبر ۳

پر نومان نے کنول کا بیگ تھام لیا اور کنول سے چلنے کو کہا۔ کنول نے اقبال صاحب کی طرف دیکھا جیسے اجازت لے رہی ہو۔ اقبال صاحب نے کہا "ضرور جاؤ۔" سلمےٰ بیگم شوہر کی دانشمندی کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکی۔

اور نومان کنول کو لئے ہوئے گاڑی کی طرف بڑھا ——— اور دروازہ کھول کر کہا۔

"آیئے تشریف رکھیے۔"

اور کنول بیٹھ گئی۔

نومان نے کار اسٹارٹ کی اور کار روانہ ہوگئی

کار چل رہی تھی۔

چوک آئے اور چلے گئے۔ موڑ آئے اور گزر گئے۔ گاڑی چلتی رہی اور دونوں خاموش تھے۔

دونوں طرف خاموشی تھی

ایک طویل خاموشی

جہاں تک کہ

نومان چاہ رہا تھا کہ کنول کچھ بولے۔ لیکن کنول اردگرد کے ماحول سے بے نیاز، سوچ کی دنیا میں غرق تھی۔

"انکل تو بہت اچھے ہیں۔ لیکن پتہ نہیں باقی لوگ کیسے ہوں۔ پتہ نہیں گھر کا ماحول کیسا ہو؟ میں انکل کے گھر میں رہ بھی سکوں گی یا نہیں ——— آنٹی تو نیک لگتی ہیں لیکن عائشی اچھی معلوم ہوتی ہے۔ اور خورید صاحبزادے نومان بھی شکل و صورت سے تو معقول لگتے ہیں۔ لیکن معصوم شکل لوگ اکثر دھوکا ہوتے ہیں۔

پھر اُس نے ذہن کو ایک جھٹکا دیا۔

دھوکا ہوں یا محبت

مجھے کیا لینا

مجھے کیا سروکار

اور پھر زندگی تو خود ایک دھوکہ ہے۔

ایک فریب ہے

ایک حسین فریب

جس نے اپنے گرد ایک حسین جال بُن رکھا ہے

ایک خوب صورت جال

ایک ایسا خوبصورت جال

جس میں سے کسی کا نکلنے کو جی نہیں چاہتا۔

اتنے میں نومان نے خاموشی کو توڑا

"مجھے معلوم ہے آپ کیا سوچ رہی ہیں۔"

کنول نے چونک کر کہا

"جی"

"ہاں میں جانتا ہوں۔"

"کیا جانتے ہیں آپ؟"

"میں جانتا ہوں کہ آپ کیا سوچ رہی ہیں۔"

کنول نے پوچھا۔

"کیا سوچ رہی ہوں۔"
"آپ سوچ رہی ہیں کہ میں بہت خوبصورت ہوں۔"
کنول نے کہا
"لاحول ولا قوۃ کیا مجھے اور کوئی کام نہیں۔"
نومان نے کہا
"یہ تو میں نے از راہِ مذاق کہا تھا۔ اصل میں آپ سوچ رہی ہیں کہ جن کے گھر جا رہی ہوں وہ کیسے لوگ ہیں۔"
کنول نے پوچھا۔
"یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟"
نومان نے کہا
"مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ آپ یہ سوچ رہی ہیں کہ شکل وصورت سے یہ صاحبزادے معقول معلوم ہوتے ہیں اندر سے پتہ نہیں کیسے ہوں — کہہ دیجئے آپ یہ نہیں سوچ رہیں۔
کنول نے مسکرا کر کہا
"ہاں سوچ تو یہی رہی ہوں۔"
نومان نے کہا
"تو میں ایک بات بتا دوں کہ میں بہت اچھا ہوں۔"
کنول نے پوچھا
"آپ اچھے ہوں یا بُرے میرے لئے کیا فرق پڑتا ہے۔"
"کیوں نہیں پڑتا۔؟"
"تو آپ بتا کیوں نہیں دیتے کہ کیا فرق ہے؟"
"یہ تو آپ کو ہمارے گھر چل کر پتہ چلے گا۔
"کیا مطلب؟"
"مطلب یہ کہ وہاں میں اکیلا تھوڑی ہوں۔"
"تو ——؟"
"آپ کو اور لوگ بھی ملیں گے۔"
"اور کون۔؟"
"دراصل میری امی نے ایک چڑیا گھر کھول رکھا ہے۔"
کیسا چڑیا گھر۔؟"
"اس چڑیا گھر میں ڈبو ہے' لواز ہے۔"
کنول نے بات کاٹی
"یہ جانوروں کے نام ہیں۔"
جانوروں کا چڑیا گھر بھی ہمارے ہاں ہے۔"
"میں سمجھی نہیں۔"
"مگر آپ راستے میں ہی یہ سب کچھ کیوں سمجھ لینا چاہتی ہیں۔؟"
"مجھے تو ڈر لگتا ہے۔"
اسی لئے تو میں کہتا ہوں کہ میں ایسا بُرا نہیں ہوں۔"



Waqar Azeem Pakistanipoint.Com

کنول نے کہا۔
"ایسے گھر میں میری حفاظت کون کرے گا۔؟"
نومان نے کہا۔
"اجازت ہو تو یہ خادم یہ خدمت انجام دے سکتا ہے۔"
"معاف کیجئے مجھے اس کی ضرورت نہیں۔"
"آپ تو امریکہ میں رہی ہیں نا۔؟"
"بے شک۔"
"بہت بہادر ہیں نا۔"
"اس میں کیا شک ہے؟"
"ساری بہادری نکل جائے گی ہمارے ہاں رہ کر۔"
"میں انکل سے کہہ دوں گی کہ میں وہاں نہیں رہ سکتی۔"
نومان ہنسا۔
"آپ تو ایسی کہہ رہی ہیں جیسے ان کی وہاں بہت چلتی ہے۔ کنول صاحبہ! ہمارے گھر پر امی جان اور نانی جان کا راج ہے پپا تو بیچارے پپا ہیں اللہ میاں کی گائے ——— حالانکہ مذکر ہونے کی وجہ سے اللہ میاں کے بیل کہنا چاہیئے۔"
کنول پریشان ہو گئی مگر پھر بھی زبردستی کی ہنسی ہنس کر کہا۔
"مگر بیل تو سینگ بھی مارتا ہے۔"
"ہمارے ابا کے سینگ شادی کے دن ہی کاٹ لئے گئے تھے۔"
"نومان صاحب! آپ نے تو مجھے سخت پریشان کر دیا ہے۔"
"آپ پریشان نہ ہوں، میری خدمات حاضر ہیں۔"
"آخر آپ کیا کر لیں گے۔؟"
"میں ——— میں کیا نہیں کر سکتا۔"
کنول نے کہا۔
"کہہ دو کہ آسمان سے ستارے توڑ کر لا سکتا ہوں، دودھ کی نہر میں لا سکتا ہوں اور آپ کو اپنی آنکھوں میں چھپا لوں گا تو مسٹر نومان! کان کھول کر سن لیں کہ میں کوئی چھوئی موئی نہیں لڑکی ہوں لڑکی ——— چٹان کی طرح سخت، لوہے کی طرح مضبوط ——— امریکہ میں بڑھی پلی ہوں۔ مجھے آپ کے گھر اور گھر والوں سے اور خود آپ سے نمٹنا خوب آتا ہے۔ وہ تو اب تک انکل کی وجہ سے خاموش تھی اور آپ لگے تھے مجھ پر رعب جمانے ——— آپ نے سوچا ہو گا کہ ڈرا دھمکا کر اپنے قابو میں کر لوں گا۔ میں صاف صاف بتا دینا چاہتی ہوں کہ گھر اور گھر کی چیزیں سلامت چاہئیں تو ذرا میرے ساتھ ہوش سے چلئے گا۔"
نومان سوچنے لگا۔
"باپ رے باپ لڑکی ہے یا آفت۔"
بہر حال نومان کے دل میں خدانخواستہ کوئی ایسی بات نہ تھی جس سے کنول کو متاثر کرنا مقصود تھا۔ بس وہ تفریح کی خاطر یہ سب باتیں کر رہا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ کنول اس کی باتوں کو سنجیدگی سے لے رہی ہے تو اس نے پھر کہا۔
"آپ نے ابھی ہماری ممی کو نہیں دیکھا۔"
کنول نے کہا۔
"انہیں ایئرپورٹ پر دیکھ چکی ہوں۔"
Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

نومان نے کہا۔
"اور عاشی کو۔"
کنول نے کہا۔
"عاشی تو چہرے مہرے سے ایک گڑیا لگتی ہے۔"
نومان نے کہا۔
"مگر اندر سے ایسی نہیں۔"
کنول نے پوچھا
"اندر سے کیسی ہے۔؟"
نومان نے کہا۔
"دراصل اس کا دماغی توازن ٹھیک نہیں۔ پپا نے اسے مصروف کرنے کے لئے ایک چڑیا گھر کھول دیا ہے۔"
"واقعی ___ ؟"
"تو کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں۔"
"یقین نہیں آ رہا۔"
چند منٹ کا فاصلہ رہ گیا ہے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا۔"
اور
پھر
نومان خاموشی سے کار چلاتا رہا اور کنول ایک بار پھر خیالات اور مستقبل میں آنے والے خدشات کا سوچ سوچ کر پریشان ہوتی رہی۔

o

چلتے چلتے کار آہستہ ہوئی اور بنگلے کے ایک خوبصورت گیٹ کے سامنے جا رکی۔ پورا گھر جھنڈیوں سے آراستہ تھا اور گیٹ کے بالکل ساتھ ڈرائیور، باورچی، خانساماں اپنی اپنی وردیوں میں کھڑے تھے۔ اقبال صاحب باقی گھر والوں کے ساتھ پہلے پہنچ چکے تھے۔ کنول کے کار سے اترتے ہی ڈنڈا پھوپھو نے زور سے اٹینشن کہا اور پھر سلوٹ کرنے کا حکم صادر کیا۔ بیرے نے آگے بڑھ کر کہا۔
"بی بی جی سلام میں آپ کا بیرا ہوں۔"
خانساماں نے کہا۔
"میں آپ کا خانساماں ہوں۔"
"اور جی میں ڈرائیور۔"
"بیٹا میں مالی بابا ہوں۔"
"میں ڈبو۔"
"میں نواز۔"
اور سلمیٰ بیگم کی والدہ نے بلائیں لیں۔
"میں عاشی کی نانی ہوں۔ ایسے تم فکر نہ کرنا جیسی عاشی کی نانی ایسی تمہاری ___ اور پھر اس گھر پر میرا راج چلتا ہے تمہیں کوئی تکلیف نہ ہونے دوں گی۔"
ڈنڈا پھوپھو نے پھولوں کا ایک موٹا سا ہار کنول کے گلے میں ڈال کر کان کے قریب منہ لے جا کر آہستہ سے کہا۔
"کنول اس گھر پر میرا راج ہے ___ تم کوئی فکر نہ کرنا۔"

Waqar Azeem
Pakistanipoint.Com

ڈبلو نے ہار ڈالتے ہوئے کہا۔
"گڈ مارننگ! مجھے آپ اپنا خادم سمجھیں، میں آپ کے لئے ستارے تو ر لاؤں گا۔"
نواز نے ہار ڈالتے ہوئے کہا۔
"اوجی! میں آپ کا پرانا خادم ہوں، قسم اللہ کی دودھ کی نہر تو نہیں بالٹی ضرور بھر کر لادوں گا۔"
سب سے آخر میں آذر نے پھولوں کا گلدستہ پیش کیا۔
"مجھے آذر کہتے ہیں اور مستقل ٹھکانے کی تلاش میں چند یوم کے لئے یہاں ہوں۔"
عاشی نے کہا
"سب سے پہلے میں آپ کو اپنا چڑیا گھر دکھاؤں گی۔"
سلمٰی بیگم کی والدہ نے کہا۔
"اب بیٹیا کو آرام بھی کرنے دو گے یا یونہی اس کی جان ہلکان کر دو گے۔"
کنول نے اقبال صاحب کی طرف اس طرح دیکھا جیسے کہہ رہی ہو۔
"انکل یہ آپ مجھے کہاں لے آئے۔؟"
اقبال انکل نے قریب آکر سر پر ہاتھ پھیرا۔
"کنول بیٹی! تم فکر نہ کرو، بس میں تو تمہیں اس گھر میں لانا چاہتا تھا۔"
کنول نے کہا۔
"مگر میں تو یہاں پاگل ہو جاؤں گی۔"
اقبال صاحب نے کہا۔
"نہیں بیٹے! تم فکر نہ کرو۔"
کنول نے کہا۔
"مگر یہاں تو ہر شخص یہی کہہ رہا ہے۔"
اقبال صاحب نے کہا۔
"تم تماشہ دیکھتی رہو، میں خود پچھلے پچیس سالوں سے تماشا دیکھ رہا ہوں۔ اب اس تماشے میں تم بھی میرے ساتھ شامل ہو جاؤ۔"
اتنے میں سلمٰی بیگم نے آکر کنول کا ہاتھ تھاما۔
"اب آپ سب اسے آرام کرنے دیں ـــــ تھک گئی ہو گی۔"
اور
سلمٰی بیگم اسے لئے ہوئے اس کے لئے سجائے ہوئے کمرے میں چلی گئیں۔

○

کمرے میں پہنچ کر کنول نے ادھر ادھر کا جائزہ لیا۔ کمرے میں ایک بہت خوبصورت مہری تھی جس پر نہایت قیمتی اور خوبصورت گاؤ تکیے لگے تھے ایک طرف ایک کپڑوں کی الماری تھی۔ ایک بہت قیمتی صوفہ سیٹ تھا۔ سنگار میز تھی اور فرش پر نیلے رنگ کا قیمتی قالین بچھا تھا۔ چھت میں خوبصورت فانوس ٹنگے تھے کھڑکیوں پر نیلے رنگ کے ریشمی پردے لگے تھے۔
سلمٰی بیگم نے کمرے میں پہنچ کر کنول سے کہا۔
"بیٹی! یہ کمرہ تمہارے لائق، تمہاری حیثیت کا تو نہیں ہے۔ ویسے اس کے لئے میں نے اور آپی جان نے بیس ہزار کی خریداری کی ہے۔"
کنول نے کہا۔

"آپ لوگوں نے میری خاطر اتنی تکلیف کیوں کی"
سلمیٰ بیگم نے کہا۔
"بیس ہزار کیا تم سے بڑھ کر ہیں۔ ابھی تو میں نے ہاروں کے ڈیڑھ سو لگائے ہی نہیں، وہ ڈیڑھ سو اس کے علاوہ ہیں۔
خیر اب تم نہا دھو کر کپڑے پہن لو کھانے کا وقت ہوا جا رہا ہے اقبال صاحب نے کہا تھا کہ بیٹیا کو گھڑی دیکھ کر کھانا ملنا چاہیئے۔ تو بس تم تیار ہو جاؤ میں جا کر گھڑی دیکھتی ہوں۔"
سلمیٰ بیگم تو تقریر کر کے کمرے کے باہر چلی گئیں اور کنول دھپ سے بستر پر جا گری۔
اقبال انکل نے مجھے کہاں لا پھنسایا، اچھی خاصی نوکری کر رہی تھی اور آرام کی زندگی کاٹ رہی تھی کہ انکل کو پتہ نہیں کیا مذاق سوجھا وہ مجھے اس گھر میں اٹھا لائے ہیں اس سے بہتر تھا کہ چڑیا گھر لے جاتے۔
پھر ایک دم اس کا دھیان نومان کی طرف چلا گیا۔
نومان صاحب ٹھیک کہہ رہے تھے اس وقت میری ہی عقل ماری گئی تھی۔
پھر وہ خیالات کی دنیا میں پہنچ گئی۔
میرے خیال میں مجھے یہاں سے بھاگ جانا چاہیئے۔ بھلا اس گھر میں میرا کس طرح گزارہ ہو سکتا ہے۔
اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی اور دوسرے لمحے عاشی کمرے میں داخل ہوئی۔
عاشی نے قہقہہ لگا کر کہا۔
"ہمارا گھر پسند آیا۔"
کنول نے اٹھ کر عاشی کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔
"عاشی! عاشی!! میں یہاں نہیں رہ سکتی، ایک منٹ کے لئے بھی نہیں، ایک پل کے لئے بھی نہیں"
عاشی نے کہا۔
"کنول! تم پریشان نہ ہو، مجھے اپنی بہن سمجھو میں ہر طرح تمہارا خیال رکھوں گی"
کنول نے کہا۔
"یہ بات تو ہر آدمی کہہ رہا ہے، اصل پریشانی تو اس بات کی ہے۔"
اور آنسو کنول کی آنکھوں میں امڈ آئے۔ کنول نے ان آنسوؤں کو پینے کی کوشش کی مگر وہ رخساروں پر پگڈنڈیاں بناتے ہوئے بہنے لگے۔
عاشی نے کنول کے آنسو پونچھے۔
میری اچھی بہن تم بالکل فکر نہ کرو۔
کنول نے کہا
کاش! کوئی یہ بھی تو کہہ دے کہ اسے میری فکر نہیں ہے ہر شخص میری ہی فکر میں گھلا جا رہا ہے۔
عاشی نے کہا۔
"کہتی تو تم ٹھیک ہو مگر اس وقت میرے پاس تمہاری باتوں کا جواب نہیں۔ ہاں آنے والا وقت ضرور اس کا جواب دے سکے۔ اچھا اب تم ایسا کرو کہ نہا کر کپڑے پہن لو کھانے کا وقت نکلا جا رہا ہے۔

○

کنول بے دلی کے ساتھ باتھ روم میں گئی اور نہانے کے بعد کپڑے بدل ہی رہی تھی کہ دروازے پر کسی نے دستک دی۔
کنول نے پوچھا۔

"کون ہے"

"جی میں بیرا ہوں ننھے میاں"

کنول نے دروازہ کھول دیا۔

"کیا بات ہے"؟

"بیگم صاحبہ نے کہا ہے کہ دو بجنے میں پانچ منٹ رہ گئے ہیں۔"

"تو ___؟"

"کھانے کا ٹائم دو بجے مقرر ہے۔"

"کس نے کہا ہے مقرر کیا ہے ٹائم"؟

بیرے نے کہا۔

"جی یہ ٹائم ٹیبل میری جیب میں ہے ___ بڑی صبح پانچ بجے۔
ہلکا ناشتہ چھ بجے ___ پورا ناشتہ آٹھ بجے۔ لنچ دو بجے۔
شام کی چائے چار بجے ___ شام کا ناشتہ چھ بجے، ڈنر آٹھ بجے۔
اور رات کی کافی دس بجے ___ اس کے بعد سافٹ ڈرنکس۔

کنول نے کہا۔

"بھاگ جاؤ یہاں سے"

بیرے نے کہا۔

"بیگم صاحبہ گھڑی کے سامنے بیٹھی ہیں اور کھانا میز پر لگ چکا ہے۔"

کنول نے کہا۔

"ان سے کہہ دو میں کھانا نہیں کھاؤں گی۔"

بیرے نے کہا۔

"اور ڈنڈا پھوپھو جو ڈنڈا لئے کھڑی ہیں۔"






Waqar Azeem Pakistanipoint.com

کنول نے کہا
"تو میں کیا کروں۔"
بیرے نے کہا۔
"کچھ میری کمر کا خیال کریں جس پر ڈنڈوں کے زخم بن چکے ہیں۔ چھوٹے بہن بھائی نہ ہوتے تو میں کبھی کا یہ نوکری چھوڑ کر جا چکا ہوتا۔"
کنول کو رحم آ گیا۔
"اچھا ننھے میں چلتی ہوں لیکن کیا اس گھر میں کوئی صحیح الدماغ آدمی بھی ہے۔"
بیرے نے کہا۔
"جی ہاں ہے۔"
کنول نے پوچھا
"کون ؟"
بیرے نے کہا۔
"جی ایک بڑے صاحب 'ایک عاشی بٹیا' اور اپنے نومان میاں اور ان کے دوست آذر صاحب۔"
کنول کو ہنسی آ گئی۔
"اور باقی لوگ۔ ؟"
بیرے نے کہا۔
"بہن جی! باقی لوگ تو چڑیا گھر میں رہنے کے قابل ہیں۔"
کنول نے کہا۔
"ماشاء اللہ تم آدمی سمجھ دار لگتے ہو ——— شاید ہمیں کبھی تمہاری ضرورت پڑے۔"
بیرے نے کہا۔
"آپ فکر نہ کریں بی بی جی! میں آپ کا خادم ہوں۔"

اتنے میں بگل کی کان پھاڑتی آواز آئی ——— اور ہر طرف ایک بھگدڑ مچ گئی۔ کنول نے جلدی سے باہر نکل کر پوچھا کہ ماجرا کیا ہے۔ مالی بابا نے کہا کہ دو بجے کا بگل ہے کھانے کا وقت ہو گیا ہے۔

کنول اور نیلی ساڑھی باندھے بالوں میں سرخ پھول لگائے کمرے سے باہر نکلی تو جلدی سے سلمے بیگم کی والدہ نے سو آرٹ بچھا ور کیا۔
"خدا نظر بد سے بچائے۔"
سلمے بیگم نے کہا۔
"دو بج کر سات منٹ ہو گئے۔ اف خدایا! پہلے ہی دن لنچ اتنا لیٹ ہو گیا۔"
ڈنڈا پھوپھو نے کہا۔
"میں ان سب کی کھال میں بھس بھر دوں گی اس ڈنڈے سے۔"
سلمے بیگم نے ڈنڈا پھوپھو کے قریب جا کر کہا۔
"اس ڈنڈے کو چھپا دیں ——— لڑکی دیکھے گی تو کیا کہے گی۔"
ڈنڈا پھوپھو نے کہا۔

"اسی ڈنڈے کی وجہ سے میرا اس گھر پر راج ہے۔ ڈنڈا چلا گیا تو راج ختم ہو جائے گا۔"
سلمٰی بیگم نے کہا۔
"لڑکی دیکھے گی تو کیا کہے گی۔"
ڈنڈا پھوپھو نے کہا۔
"آپ چاہتی ہیں کہ میرا راج ختم ہو جائے اگر اسے اس گھر میں رہنا ہے تو میری رعایا بن کر رہنا پڑے گا۔"
سلمٰی بیگم نے کہا۔
"میں تو تمہاری بھلائی کے لئے کہہ رہی تھی۔ باقی تمہاری مرضی ہے۔"
ڈنڈا پھوپھو نے کہا۔
"اپنی بھلائی برائی میں خود سمجھتی ہوں۔ میں اس گھر پر اس ڈنڈے سے راج کروں گی۔"

کھانے کی میز پر پورا گھر جمع تھا۔ بیرے اور خانساماں بے شکن بے داغ وردیاں پہنے مستعد کھڑے تھے۔ میز پر طرح طرح کے کھانے چنے تھے۔
سلمٰی بیگم نے کہا۔
"پہلے چکن کارن سوپ پیا جائے گا۔"
ڈبو نے کہا۔
"مجھے نہیں اچھا لگتا یہ آپ کا چکن کارن سوپ، میں تو مرغی کی ٹانگ لوں گا۔"
سلمٰی بیگم نے کہا۔
"نہیں بیٹے! پہلے یہ سوپ پیتے ہیں۔ بڑے آدمیوں کے ہاں یہی رواج ہے۔"
نواز نے کہا۔
"خالہ! میں دو ٹانگیں لوں گا۔"
سلمٰی بیگم نے کہا۔
"پہلے نیپ کن باندھو۔"
ڈبو نے کہا۔
"میں نہیں باندھوں گا۔"
"کیوں نہیں باندھو گے۔"
ڈبو نے ہنس کر کہا۔
"جب میں گلے میں نیپ کن باندھتا ہوں تو ایسا لگتا ہے جیسے نائی کے ہاں شیو کروا رہا ہوں۔"
سلمٰی بیگم کو غصہ آ گیا۔
"سب کو پہلے سوپ پینا پڑے گا۔"
عاشی کی ہنسی نکل گئی۔ نوما بھی ہنسنے لگا۔ البتہ اقبال صاحب اور آذر خاموشی سے یہ تماشہ دیکھ رہے تھے۔
نوما نے کنول کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہا ہو۔
دیکھا میں نہ کہتا تھا کہ آپ کو اس گھر میں میری ضرورت پڑے گی۔"
کنول نے بھی شکر گزار نگاہوں سے نوما کی طرف دیکھ کر آنکھیں جھکا لیں۔
اور
اس نے فیصلہ کر لیا کہ اسے اس گھر میں رہنا ہی نہیں ہے۔ جونہی موقع ملا وہ اس گھر سے چلی جائے گی۔

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

اقبال صاحب بہت سمجھ دار تھے وہ فوراً تاڑ گئے۔
"مجھے معلوم ہے تم کیا سوچ رہی ہو۔؟"
سلمےٰ بیگم نے جلدی سے پوچھا۔
"کیا سوچ رہی ہے کنول بٹیا۔؟"
اقبال صاحب نے کہا۔
"کنول سوچ رہی ہے کہ آپ نے کس فراخ دلی سے ڈیڑھ سو کے ہار خرید لئے۔"
سلمےٰ بیگم خوش ہوگئیں۔
"کنول سے ہار اچھے ہیں میں تو ہر روز اس کے لئے ڈیڑھ سو کے ہار خرید کر لا سکتی ہوں۔"
سلمےٰ بیگم کی والدہ نے سلمےٰ کو گھور کر دیکھا اور سلمےٰ بیگم نے فوراً رُخ بدلا۔
"ہار تو بے معنی چیز ہیں۔ اصل چیز تو محبّت ہے محبّت اور محبت کی اس گھر میں کمی نہیں ہے۔"
ڈبو نے کہا۔
"میں کنول سے محبّت کرتا ہوں۔"
نواز نے جلدی سے کہا
"میں بھی کنول سے محبّت کرتا ہوں۔"
ڈبو نے کہا۔


عمران ڈائجسٹ

کے فروری کے شمارے میں

ایشیا کے عظیم مصنّف

اسلم راہی

کی تاریخی کہانی

ایم اے راحت ◎ ش۔م۔ جمیل اور اظہار اثر کی مزیدار کہانیاں

دو خوبصورت انگریزی ناولوں کے ترجمے اور قسطوار مہاراجہ

فروری کا شمارہ شائع ہو گیا ہے

"میں کنول سے شادی کروں گا۔"
نواز نے کہا۔
"اور میں بھی کنول سے شادی کروں گا۔"
سلمٰی بیگم نے چلّا کر کہا۔
"احمقو! مرغی کی ٹانگ کھاؤ۔"
ڈبو نے کہا۔
"میں سب جانتا ہوں۔"
نواز نے کہا۔
"اور میں بھی سب جانتا ہوں۔"
سلمٰی بیگم نے کہا۔
"تم لوگ کیا جانتے ہو۔"
ڈبو نے کہا۔
"کہ آپ کنول کی شادی نومان سے کریں گی۔"
نواز نے کہا۔
"کہ اتنی دولت مند لڑکی اور کہاں سے ملے گی۔"
سلمٰی بیگم کی والدہ نے کہا۔
"اور لاؤ تم اپنے بھانجے بھتیجوں کو۔"
سلمٰی بیگم نے کہا۔
"آپ کے بھی تو رشتہ دار ہیں۔"
اقبال صاحب نے کہا۔
"بھئی ہمیں تو وہ پالک گوشت دے دو۔ زیادہ کی تمنّا نہیں۔"

ناول کنول جاری ہے۔ اِس انسانوں کے چڑیا گھر میں آکر کنول کی کیا گت بنی اِس کے لئے مارچ ۱۹۷۹ء کے شمارے میں چوتھی قسط ملاحظہ فرمائیں۔

## نبیہ — بغیر عنوان

گذشتہ ماہ نبیہ نقوی کا افسانہ "بغیر عنوان کے" شائع کیا گیا تھا۔ اور بہنوں کو اس کا عنوان تجویز کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ بہنوں کی ایک بڑی تعداد نے اُس افسانے کے عنوانات تجویز کئے۔

مندرجہ ذیل عنوانات انعامی قرار دیئے گئے ہیں۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| پہلا انعام | رقصِ بسمل | آنسہ ناہدہ پروین نجمی | کراچی |
| دوسرا انعام | دُکھ کا ساگر | شمائلہ یاسمین | کراچی |
| تیسرا انعام | برگِ خزاں | صابرہ صبا | کراچی |

انعام پانے والی بہنوں کو بالترتیب ایک سال، چھ ماہ اور تین ماہ کرن ارسال کئے جائیں گے۔

# درد کے فاصلے

رضیہ جمیل

قسط ۱۱

دو، تین روز گزر گئے۔ مینا کوئی فیصلہ نہ کر سکی۔
وہ پریشان ہو کر سوچتی
میری زندگی بھی کیا زندگی ہے۔
ایک الجھن کے بعد دوسری الجھن۔
چند قدم چلتی ہوں تو ایک نیا موڑ نظر آجاتا ہے۔
ابھی زندگی میں اور کتنے موڑ آنے باقی ہیں۔
کیا میری زندگی کا سفر انہی الجھی الجھی راہوں پر چلتے چلتے تمام ہو جائے گا؟
یہ میری پریشان سوچیں۔
یہ میرے منتشر خیالات۔
محرومی کا چبھتا ہوا سا احساس
زندگی بس اسی کو کہتے ہیں۔
امّی!
میری امّی!
یہ آپ کیا کر بیٹھی تھیں؟
لغزش آپ سے سرزد ہوئی تھی
لیکن اس کا خمیازہ کون بھگتے گا؟
میں ـــــ اشعر ـــــ اور
اور نہ جانے کون کون
میں سوچ سوچ کر تھک چکی ہوں
مگر پھر بھی فیصلہ نہ کر سکی
اپنے نام کے ساتھ کس نام کو منتخب کروں؟
اشعر ـــــ فیصل ـــــ ؟
فیصل ـــــ اشعر ـــــ ؟
بھابھی نے اس سے پوچھا۔
"مینا! تم نے جواب نہیں دیا۔"
مینا نے انجان بن کر پوچھا
"کس بات کا جواب؟"
"کس بات کا جواب!!" بھابھی حیرانی سے اس کی طرف دیکھنے لگیں۔
مینا کا سر اس طرح جھک گیا جیسے اس نے کوئی جرم کیا ہو۔
بھابھی نے کہا
"میں نے تم سے فیصل کے سلسلے میں بات کی تھی۔"
مینا نے مدھم آواز میں جواب دیا۔
"جی۔"
"پھر تم نے کیا فیصلہ کیا؟"
"میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکی۔"

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

"کیوں؟"
"معلوم نہیں۔"
"فیصل تمھیں ناپسند ہیں؟"
"ناپسند تو نہیں۔"
"پھر؟"
"بھابھی وہ ۔۔۔۔۔"
مینا کچھ کہتے کہتے رک گئی۔
"ہاں! کہو نا، رک کیوں گئیں؟"
"ایسا نہیں ہو سکتا کہ فی الحال اس سلسلے کو یہیں ختم کر دیا جائے۔"
"آخر کیوں؟"
"ابھی تو میں پڑھ رہی ہوں۔"
"پڑھنے سے کون منع کر رہا ہے تمھیں؟"
"لیکن ۔۔۔۔۔"
"بھئی طے یہ ہوا ہے کہ فی الحال تمھاری منگنی کر دی جائے گی، شادی ایم۔اے کے بعد ہوگی۔"
"سبھی کام ایم۔اے کرنے کے بعد کیوں نہ ہوں۔"
"نہیں، ابھی منگنی ہو جانا ضروری ہے۔"
"اس میں کیا مصلحت ہے؟"
"مصلحت یہ ہے کہ فیصل کی پھوپھی اپنی بیٹی کے لئے زور دے رہی ہیں۔"
"تو کیا ہوا؟"
"پھوپھی اماں کو ڈر یہ ہے کہ کہیں پھوپھا جان اپنی بہن کی باتوں میں آ کر حامی نہ بھر لیں۔"
"اس میں حرج ہی کیا ہے اگر ایسا ہو جائے تو؟"
"فیصل اپنے چچا اور پھوپھی کی لڑکیوں میں سے کسی کو پسند نہیں کرتے۔"
"یہ تو فیصل بھائی کی زیادتی ہے۔"
بھابھی اس کی بات سن کر مسکرائیں اور بولیں۔
"اور تم جو زیادتی کر رہی ہو فیصل کے ساتھ۔"
"میں کیا زیادتی کر رہی ہوں؟"
"فیصل تو تمھیں پسند کرتے ہیں۔"
مینا کچھ خجل سی ہو گئی۔
بھابھی نے کہا
"آخر تم کیوں فیصل سے دامن بچانا چاہتی ہو؟"
مینا نے سوچا۔
"بھابھی! اب میں آپ کو کیا بتاؤں کہ میں کس مشکل مقام پر کھڑی ہوں ـــــ میرے سامنے ایک دوراہا ہے ـــــ ایک راہ پر فیصل کھڑے ہیں اور دوسری پر اشعر ـــــ میرا سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کس راہ کی طرف اپنے قدم بڑھاؤں؟ اگر میں پہلی راہ کا انتخاب کرتی ہوں تو دوسری راہ پر کھڑا ہوا انسان میرے قدموں سے اڑتی ہوئی دھول کے پیچھے چھپ کر رہ جائے گا۔
مجھے ڈر ہے کہ اڑتی ہوئی دھول کے بگولوں میں بھٹک بھٹک کر اس کا وجود کہیں ہمیشہ کے لئے خود بھی مٹی نہ ہو جائے۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

اور اگر دوسرے راستے کو منتخب کرتی ہوں تو پہلی راہ پہ کھڑی ہوئی ہستی پامال ہو جائے گی۔
میں ایک کی زندگی میں مسرّتوں کی کلیاں بکھیر کر دوسرے کی زندگی میں کانٹے نہیں بھر سکتی۔
فیصل کو اپنا کر اشعر کے دل کو زخموں سے چور چور کرنے کی ہمّت مجھ میں نہیں ہے۔
اور اشعر کا ہاتھ تھام کر فیصل کے دل کو مجروح کرنا ـــــــ یہ بھی کس قدر دشوار ہے۔
میں آپ کو کیسے بتاؤں بھابھی ؟
کیسے بتاؤں ؟
مینا سر جھکائے گہری سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔
بھابھی اس کے چہرے پر نگاہیں جمائے اس کا جواب سننے کی منتظر تھیں۔
اس کی خاموشی سے تنگ آ کر بھابھی نے پوچھا
"کیا سوچنے لگیں تم ؟"
مینا نے چونک کر سر اُٹھایا
"جی !!"
"بتاؤ۔ میں عرفان اور سب لوگوں کو کیا جواب دوں؟"
مینا نے کہا
"بھابھی آپ ایسا کریں کہ - - - - - - -
ہُوں"
آن سے کہہ دیں کہ میں ابھی نہ منگنی کرنا چاہتی ہوں نہ شادی"
"کہہ تو دوں مگر وہ لوگ تمھاری بات مانیں گے نہیں"
"آپ پہلے کہہ کر تو دیکھیں"
"اچھا کہہ دوں گی۔ لیکن اگر وہ لوگ اپنی بات پر بضد رہے"
"ٹھیک ہے، پھر میں اس مسئلے پر از سرِ نو غور کروں گی
"اچھی بات ہے"
بھابھی اسے تنہا چھوڑ کر چلی گئیں تو اس کا ذہن پھر بھٹک گیا۔
اگلے روز وہ آسیہ کے ساتھ اس کے گھر گئی تو عالیہ نے بتایا۔
"آسیہ باجی کی منگنی ہونے والی ہے"
عالیہ کے چہرے سے مسرت پھوٹی پڑ رہی تھی۔
مینا نے پوچھا
"اچھا! کب ؟"
"خالہ جان اور ظفر بھائی عنقریب ہی آنے والے ہیں"
مینا نے مسکرا کر کہا۔
"اچھا! یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے اور آسیہ نے مجھ سے ذکر تک نہیں کیا"
اسی وقت آسیہ کمرے میں داخل ہوئی۔ عالیہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے شوخی سے بولی
"شرم کے مارے نہیں بتایا ہوگا"
مینا نے کہا۔
"کیوں آسیہ بیگم! چپکے چپکے منگنی کی تیاری کر لی اور مجھے بتایا بھی نہیں"



Waqar Azeem
Pakistanipoint.Com

آسیہ چپ چاپ اس کی طرف دیکھتی رہی۔
اس کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔
اور آنکھیں سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھیں
مینا کی نگاہوں میں حیرت سمٹ آئی۔
عالیہ کمرے سے باہر گئی تو مینا اٹھ کر آسیہ کے قریب آگئی۔
"خیریت تو ہے، تم اس قدر سنجیدہ کیوں ہو؟"
آسیہ خاموش بیٹھی رہی۔
مینا نے کہا
"کیا بات ہے تمھیں اپنی منگنی کی خبر سن کر خوشی نہیں ہوئی؟"
"نہیں۔"
"کیوں؟"
"یہ تو زبردستی کا سودا ہے مینا!"
"کیا مطلب؟"
"میں نے تم سے کہا تھا نا کہ ظفر تمھیں پسند کرتے ہیں۔"
مینا چڑ کر بولی
"تمھارا تو دماغ خراب ہو گیا ہے۔"
"نہیں، میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔"
"کیا ٹھیک کہہ رہی ہو؟"
"خالہ امی اور دوسرے لوگوں کی خواہش ہے، اس لئے ظفر مجبور ہو کر۔۔۔۔۔"
مینا جل کر بولی
"ہاں، ورنہ ظفر بھائی کی اپنی کوئی مرضی اور خوشی نہیں۔"
"میرا تو یہی خیال ہے۔"
"تمھارا خیال سو فی صد غلط ہے۔ ظفر بھائی آئیں گے تو میں تمھارے سامنے ان سے پوچھوں گی۔"
"نہیں، یہ حرکت مت کرنا۔"
"یہ حرکت تو میں ضرور کروں گی تاکہ تمھاری غلط فہمی دور ہو۔"
اور جب کچھ دنوں بعد آسیہ کی خالہ امی آئیں تو آسیہ اپنے دل کی بات زبان پر لائے بغیر نہ رہ سکی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ ظفر کی مرضی کے بغیر وہ ساری عمر کے لئے ان پر مسلط کر دی جائے۔ آسیہ نے بڑے خلوص سے اس بات کی پیش کش کی کہ اگر ظفر مینا کو پسند کرتے ہیں تو وہ بڑی خوشی کے ساتھ اُن کے راستے سے ہٹ سکتی ہے۔ ظفر آسیہ کی اس سوچ پر حیران رہ گئے۔
"تم پاگل تو نہیں ہو گئی ہو آسیہ!"
"نہیں۔"
"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اتنی بڑی غلط فہمی کو دل میں جگہ دیئے بیٹھی ہو۔"
"یہ غلط فہمی ہے۔؟"
"پھر اور کیا ہے؟"
"نہیں ظفر! میں اتنی۔۔۔۔۔"
"بس! خاموش ہو جاؤ۔ میں کوئی فضول بات سننے کے لئے تیار نہیں ہوں۔"

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

"لیکن ظفر۔۔۔۔۔"
"میں نے کہا نا! چپ ہو جاؤ۔"
"آسیہ آگے کچھ نہ بول سکی۔
ظفر نے کہا۔
"ہوش سنبھالنے کے بعد اگر کسی لڑکی کو دل و دماغ میں جگہ دی ہے تو وہ صرف تم ہو آسیہ اور تم ۔۔۔ میں کیا کہوں، مجھے تو اپنا سر پیٹ لینا چاہیئے۔"
اور مینا جو دروازے کے پیچھے چھپی کھڑی تھی، خواہ مخواہ ہی گلا صاف کرتی ہوئی سامنے آگئی ۔۔ آسیہ تو اس کی موجودگی سے باخبر تھی لیکن ظفر اس بات سے قطعی لاعلم تھے۔
انھوں نے چونک کر پیچھے دیکھا اور مینا کو دیکھ کر خجل سے ہو گئے۔
آسیہ کے دل کی خلش تو دور ہو گئی لیکن مینا کی ذہنی الجھن اب بھی نہ سلجھ سکی تھی۔ شائستہ بھابھی دو تین بار اس سے کہہ چکی تھیں کہ فیصل کے بارے میں کوئی فیصلہ کر کے جواب دے تاکہ بات آگے بڑھائی جا سکے۔ مینا نے یہ کہہ کر بات ٹال دی تھی کہ میں دس پندرہ روز بعد سوچ کر جواب دوں گی۔ ویسے وہ فکرمند ضرور تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو فیصل خود کسی روز آجائیں اور خود اس سے جواب طلب کرنے بیٹھ جائیں۔ لیکن فیصل ان دنوں شاید کچھ زیادہ ہی مصروف تھے۔ یا پھر وہ قصداً نہیں آرہے تھے۔ پھوپھی اماں اس دوران دو دفعہ آچکی تھیں اور شائستہ بھابھی سے پوچھ چکی تھیں کہ آخر بات کیا ہے؟ مینا کس الجھن میں ہے جو اتنے دنوں میں بھی کوئی فیصلہ نہیں کر سکی۔ شائستہ بھابھی کیا بتاتیں، وہ بیچاری خود ہی اصل بات سے لاعلم تھیں، لیکن انھوں نے یہ کہہ کر پھوپھی اماں کی تسلی کر دی کہ مینا اس بات سے خوفزدہ ہے کہ کہیں اس کی پڑھائی ادھوری نہ رہ جائے۔
فیصل اور مینا کا مسئلہ تو جوں کا توں رہا لیکن مینا کے ابو نے چھوٹے بھیا کی مرضی معلوم کر کے پھوپھی اماں کی بڑی بیٹی کے لئے ان کا پیغام دیدیا۔ مینا اس خوشی میں اپنی پریشانی بھول گئی۔ اس کی کتنی خواہش تھی کہ اس کے بھائیوں میں سے کسی کا رشتہ پھوپھی اماں کی کسی بیٹی کے ساتھ ہو جائے۔ بڑے بھیا کی شادی کے وقت پھوپھی اماں کے دلی جذبات کا احساس کر کے وہ نہ صرف شرمندہ تھی، بلکہ بہت افسردہ بھی ہو گئی تھی۔
اسے چھوٹے بھیا کے اوپر بے پناہ پیار آیا۔
پھوپھی اماں بھی خوشی سے پھولی نہیں سما رہی تھیں۔
نجمہ آپا سے ملے ہوئے مینا کو بہت دن ہو گئے تھے اور اپنی امی سے ملنے کی راہ تو بند ہی ہو چکی تھی۔
ایک روز صدر میں آسیہ کے ساتھ شاپنگ کرتے ہوئے اسے عاصم نظر آیا۔ مینا نے کترا کر نکل جانا چاہا لیکن وہ اس کے قریب چلا آیا۔
"سلام علیکم مینا باجی!"
عاصم کے چہرے پر مسرت تھی۔
مینا نے آہستہ سے سر ہلایا۔
آسیہ پر نظر پڑتے ہی عاصم نے اسے بھی سلام کیا۔
پھر اس نے مینا سے کہا۔
"باجی! آپ بہت دنوں سے نہیں آئیں۔"
"ہاں! بہت دن ہو گئے۔"
مینا کی آنکھوں میں بڑی گہری سوچیں تھیں۔
"امی آپ کو بہت یاد کرتی ہیں۔"
"اچھا۔"
"کب آئیں گی آپ؟"
"میں کب آؤں گی؟"

"جی!"
"عاصم!"
"جی!"
"امّی سے میرا سلام کہنا۔"
"اچھا"
"اور کہنا کہ ....."
مینا نے ایک لمحے کے لئے رک کر بڑی گہری سانس لی۔
"کیا کہوں باجی؟"
"کہنا کہ اب میں کبھی نہیں آؤں گی۔"
"جی!!"
عاصم نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔
"ہاں عاصم! اب میں کبھی نہیں آؤں گی۔"
"کیوں باجی؟"
عاصم نے بے چین ہو کر پوچھا۔
اصل میں بات یہ ہے عاصم! کہ اس روز جب تم اور امّی مجھے رکشہ میں سوار کرانے کے لئے سڑک کے کنارے کھڑے تھے تو بڑے بھیّا نے مجھے تم دونوں کے ساتھ دیکھ لیا تھا۔"
ایک لمحے کے لئے عاصم کے چہرے کا رنگ بدلا۔
اس نے پوچھا
"تو کیا ان لوگوں نے آپ کو ہمارے گھر آنے سے منع کر دیا ہے؟"
"منع تو نہیں کیا لیکن -----"
"لیکن؟"
"میں پھر بھی نہیں آ سکتی، اب میں تم لوگوں سے نہیں مل سکتی۔"
مینا کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں
عاصم چند سیکنڈ تک افسردہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر بجھے بجھے سے لہجے میں خدا حافظ کہہ کر چلا گیا۔
مینا بازار سے واپس آئی تو منہ لپیٹ کر پڑ گئی۔ آسیہ واپسی میں اپنے گھر آ گئی تھی۔ بوا چائے بنا کر مینا کو بلانے آئیں تو مینا نے کہا۔
"میری چائے یہیں لا دیجئے۔"
"کیا بات ہے بیٹا؟ بہت تھک گئی ہو۔"
"ہاں! بس یہی سمجھ لیجئے۔"
"تو پھر تم چائے پی کر آرام کرو۔"
مینا سر جھکائے بیٹھی رہی۔
بوا اس کے لئے چائے لیکر آئیں تو شائستہ بھابھی کرن کو گود میں لئے اس کے پاس چلی آئیں
"کیا بات ہے مینا؟"
انھوں نے پیار سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔
"کوئی بات نہیں ہے بھابھی!"
مینا نے اپنی آنکھوں میں چمکتے ہوئے آنسوؤں کو چھپانے کی کوشش کی۔
"کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے۔"
"کوئی بات نہیں۔"

"تو پھر اس قدر الجھی الجھی کیوں نظر آ رہی ہو؟"
بُوا چائے رکھ کر چلی گئیں۔
مینا بڑی بددلی سے چائے پیتی رہی۔ بھابھی اس کی چائے ختم ہونے کے انتظار میں بیٹھی رہیں۔ مینا نے چائے ختم کر کے کرن کو اپنی گود میں لے لیا اور اسے پیار کرتے ہوئے اپنے آپ کو نارمل رکھنے کی کوشش کی۔
بھابھی نے پھر پوچھا
"ہاں، بتایا نہیں تم نے کیا بات ہے؟"
"کوئی بات نہیں۔"
جب بھابھی کا اصرار بہت بڑھا تو مینا نے عاصم سے اپنی ملاقات کے بارے میں انھیں بتا دیا۔
بھابھی کچھ دیر سر جھکائے سوچتی رہیں، پھر پوچھنے لگیں۔
"تم اپنی امّی سے ملنا چاہتی ہو؟"
مینا نے ایک دبی ہوئی سانس لے کر کہا
"کیا بتاؤں بھابھی! میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔"
بھابھی کرن کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے اس کی طرف دیکھتی رہیں۔
مینا نے کہا۔
"ایک کا خیال کرتی ہوں تو دوسرے کے دُکھ کا خیال مجھے خود اپنی ہی نگاہوں میں مجرم بنا دیتا ہے۔"
بھابھی نے کہا۔
"تم فکر نہ کرو۔ میں عرفان اور ابّو سے بات کروں گی۔"
مینا نے کہا۔
"مسئلہ تو پھر بھی حل نہیں ہو سکے گا۔"
"کیوں؟"
"مجھے یقین ہے کہ ابّو اور بڑے بھیّا دونوں ہی مجھے امّی سے ملنے کی اجازت دیدیں گے۔"
"پھر کیا پریشانی ہے؟"
"میں تو ان کے جذبات و احساسات کی تکلیف کا خیال کر کے شرمندہ ہو جاتی ہوں۔"
بھابھی نے کہا۔
"دیکھو مینا! ہم تمام لوگوں کو تو خوش نہیں رکھ سکتے نا!"
"یہ بہت مشکل کام ہے۔"
"تو پھر وہ کرو جس سے تمھارا ضمیر مطمئن ہوتا ہو۔"
"یہ دل اور ضمیر کتنے مسائل پیدا کر دیتے ہیں ہمارے لئے۔"
مینا نے اپنے آپ سے کہا۔
بھابھی نے کہا
"تم نے فیصل کے بارے میں بھی مجھے ابھی تک کچھ نہیں بتایا۔"
"ہاں بھابھی! کیا کروں؟ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔"
"تم اپنے ذہن کو اس قدر اُلجھاتی کیوں ہو؟"
"بہت سی باتیں اپنے اختیار میں نہیں ہوتیں۔"
"وہ تو ٹھیک ہے لیکن بہرحال فیصلہ تو تمھیں کرنا ہے۔"
"ہوں، فیصلہ تو ایک نہ ایک دن کرنا ہے۔"
بھابھی نے کہا۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

"اب رہ گیا تمھارا وہ مسئلہ۔"
"کون سا مسئلہ؟"
"اپنی امّی سے ملنے والا۔"
"جی۔"
"تو اگر تمھارا ضمیر اور دل اس بات پر مطمئن ہیں کہ تم اپنی امّی سے ملنے میں حق بجانب ہو تو تم ان سے ملو اور اس کے لئے تم کسی دوسرے کی پرواہ بالکل مت کرو۔"
مینا سوچوں میں ڈوبی بیٹھی رہ گئی اور بھابھی اُٹھ کر چلی گئیں۔
کچھ لگے روز وہ نجمہ آپا سے ملنے جا رہی تھی۔ تبھی فیصل آ گئے۔ مینا انھیں دیکھ کر نروس سی ہو گئی۔
"کہاں کی تیاری ہے؟"
فیصل اس کے قریب رُک کر بولے۔
"نجمہ آپا سے ملنے جا رہی ہوں۔"
"کوئی خاص کام ہے؟"
"نہیں۔"
"پھر کسی اور دن چلی جانا۔"
مینا سوچ میں پڑ گئی۔
"آج ہی جانا ضروری ہے؟"
"انھوں نے ٹیلیفون کیا تھا۔"
"تو تم بھی انھیں ٹیلیفون کر کے اطلاع کر دو کہ آج نہیں آ سکتی۔"
"بُرا معلوم ہوتا ہے؟"
"کیوں؟"
"دو روز پہلے بھی میں انھیں اسی طرح ٹال چکی ہوں۔"
"آج اور ٹال دو۔"
"اچھا نہیں لگتا اور پھر ویسے بھی میں بہت دنوں سے ان لوگوں سے ملنے نہیں گئی ہوں۔"
"تو یوں کہو نا، کہ ملنے کے لئے بہت بے قرار ہو رہی ہو۔"
فیصل نے مسکرا کر کہا۔
"نہیں، یہ بات نہیں ہے۔"
مینا سنجیدہ ہو گئی۔
"ارے تم اس قدر سنجیدہ کیوں ہو گئیں؟ میں تو مذاق کر رہا تھا۔"
مینا نے کوئی جواب نہیں دیا۔
فیصل نے کہا
"اچھا! پھر میں بھی چلتا ہوں۔"
"کیوں؟ آپ بیٹھئے۔ گھر میں اور لوگ تو ہیں۔"
"میں تو تم سے ملنے آیا تھا۔"
"کوئی خاص کام ہے؟"
"ہاں۔"
"اچھا! تو پھر میں نہیں جاتی۔"
"نہیں، تم جاؤ۔ میں پھر کسی روز آ جاؤں گا۔"

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

مینا نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔ اسے اندازہ تھا کہ فیصل اُس سے کون سی خاص بات کرنا چاہتے ہیں۔
فیصل نے کہا۔
"میں چھوڑ آؤں تمھیں؟"
"نہیں، میں چلی جاؤں گی۔"
"کیسے جاؤ گی؟"
"رکشہ سے، گاڑی تو بڑے بھیّا لے گئے ہیں۔"
"تو پھر میں چھوڑ آؤں گا تمھیں۔"
"نہیں، آپ رہنے دیجیے۔"
"کیوں؟"
"ابھی ابھی تو آئے ہیں آپ۔"
"تو کیا ہوا؟"
"تھکے ہوئے ہوں گے، مزید تھکن ہو جائے گی۔"
"گاڑی میں لے جاؤں گا تمھیں کندھوں پر تو بٹھا کر نہیں لے جاؤں گا۔"
فیصل مسکرائے۔
وہ جھینپ کر رہ گئی۔
گاڑی جب خالہ اتی کے گھر کے سامنے رکی تو فیصل اور مینا کی نگاہیں بیک وقت سامنے اٹھیں۔ کھلے ہوئے گیٹ کے اس پار برآمدے کی سیڑھیوں پر ثمر کھڑے تھے۔
مینا نے کنکھیوں سے فیصل کی طرف دیکھا۔
فیصل اسی کی طرف دیکھ رہے تھے۔
مینا کا دل بڑی زور سے دھڑک اٹھا۔
فیصل کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔
مینا نے گاڑی کا دروازہ بند کرتے ہوئے خدا حافظ کہا تو فیصل نے زبان سے کچھ کہنے کے بجائے آہستہ سے سر ہلایا
پھر وہ کچھ سوچ کر بولے
"لینے کے لئے آؤں؟"
"نہیں، میں آجاؤں گی۔"
"واپسی کب تک ہو گی؟"
مینا نے مجرموں کی طرح سر جھکا کر کہا
"جی! معلوم نہیں۔"
مینا نے پلٹ کر دیکھا۔
ثمر برآمدے میں کھڑے اسی طرف دیکھ رہے تھے۔
مینا نے قریب پہنچ کر انھیں سلام کیا تو انھوں نے اپنے مخصوص انداز سے سر ہلاتے ہوئے کہا
"آج کیسے راستہ بھول گئیں؟"
مینا کو ان کے جملے سے تکلیف تو بہت پہنچی لیکن وہ برداشت کرتے ہوئے بولی
"میں آج پہلی دفعہ آئی ہوں یہاں۔؟"
"پہلی دفعہ تو نہیں آئیں۔"
"پھر؟"
"اصل میں تمھارے جانے اور دوبارہ آنے کے درمیان وقفہ بہت طویل ہوتا ہے۔"
"اچھا؟"



Waqar Azeem Pakistanipoint.com

"ہاں، یوں محسوس ہوتا ہے جیسے تم سے ملے ہوئے برسوں گزر گئے ہوں۔"
"اور جو آپ برسوں باہر رہے ہے؟"
"ان برسوں کی بات نہ پوچھو۔"
"کیوں؟"
"بس! جو کچھ گزری اس کا احساس کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔"
اسی وقت خالہ امّی کی آواز سنائی دی
"اشعر! کس سے باتیں کر رہے ہو؟"
اس کے ساتھ ہی وہ برآمدے میں نکل آئیں۔
اشعر نے کہا
"ایک لڑکی راستہ بھول کر ادھر آگئی امّی۔"
مینا نے شکایت آمیز نگاہوں سے اشعر کی طرف دیکھا۔
اشعر سنجیدہ تھے۔
خالہ امّی نے مینا کو دیکھ کر گلے سے لگا لیا
مینا نے کہا
"آداب خالہ امّی!"
"جیتی رہو۔"
مینا کی پیشانی چوم کر بولیں
"بڑے دنوں میں آئیں بیٹی۔"
"مینا کے جواب دینے سے پہلے اشعر بولے
"آپ ناحق ہی اتنا انتظار کرتی ہیں امّی
"کیوں؟ کیوں نہ کروں انتظار؟"
"کسی دن آپ راہ ہی دیکھتی رہ جائیں گی اور....."
اشعر نے ایک لمحے کے لئے رک کر مینا کی طرف دیکھا اور بولے۔
"اور یہ نہیں آئے گی، یہ نہیں آسکے گی امّی!"
"کیسی باتیں کر رہے ہو اشعر؟"
"آپ دیکھ لیجئے گا، وہ دن بہت جلد آنے والا ہے۔"
"اچھا! تم بیکار باتیں مت کرو۔"
اشعر اندر چلے گئے۔
مینا بھی خالہ امّی کے ساتھ اندر آگئی۔
نجمہ آپا اپنے کمرے میں تھیں۔ مینا دروازے تک ہی پہنچی تھی، نجمہ آپا اٹھ کر والہانہ انداز سے اس سے ملیں۔
مینا کے ہونٹوں پر افسردہ سی مسکراہٹ تھی۔
اس کا چہرہ بجھا بجھا سا تھا۔
اشعر اس کے دل و دماغ سے بے خبر کتنی تکلیف دہ باتیں کر گئے تھے۔
نجمہ آپا حیرت زدہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔
"کیا بات ہے مینا؟ اتنی چپ چپ کیوں ہو؟"
"کچھ نہیں نجمہ آپا۔"
"میں نہیں مان سکتی، کوئی بات ضرور ہے۔"
مینا نے ٹالنے کی بہت کوشش کی لیکن نجمہ آپا کا اصرار بڑھتا ہی گیا۔

جب خالہ امی اٹھ کر چلی گئیں تو مینا نے کہا۔
"ایک بات پوچھوں نجمہ آپا؟"
"ہاں، پوچھو۔"
"اشعر بھائی اتنی تکلیف دہ باتیں کیوں کرتے ہیں؟"
نجمہ آپا ایک دم سنجیدہ ہو گئیں۔
مینا نے پوچھا
"آپ کیا سوچنے لگیں؟"
"ایک بات کہوں مینا؟"
"کہیئے۔"
"برا تو نہیں مانو گی؟"
"نہیں۔"
"اصل میں بات یہ ہے مینا کہ اشعر بھائی تمہیں بے پناہ چاہتے ہیں۔"
مینا کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا۔
لیکن وہ اپنے آپ کو سنبھال کر بولی
"کسی کو چاہنے کا یہ مطلب تو نہیں ہوتا کہ اس کے دل کو تکلیف پہنچائی جائے۔"
"جب انسان کو اپنے مقصد میں کامیابی کی کوئی امید نظر نہیں آتی تو اکثر اوقات اس کے لہجے میں بہت تلخی آجاتی ہے۔"
مینا سر جھکائے بیٹھی رہی۔
نجمہ آپا نے کہا
"ہمارے خاندانی حالات جو کچھ بھی ہیں، ہم سب کے سامنے ہیں۔ اشعر بھائی سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی اپنے آپ کو سمجھا نہیں سکے۔ جذبات کے آگے تو انسان بے بس ہو ہی جاتا ہے۔"
"لیکن ان تمام باتوں میں میرا تو کوئی قصور نہیں۔"
"اشعر بھائی کہتے ہیں کہ اگر تم چاہو تو سب کچھ ہو سکتا ہے۔"
"میرے چاہنے سے کچھ نہیں ہو گا نجمہ آپا! میں آپ کو کیسے بتاؤں کہ میں ذہنی طور پر کس قدر پریشان ہوں۔"
"کوئی خاص بات؟"
مینا نے اپنے دل و دماغ کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے نجمہ آپا کو سب کچھ بتا دیا
نجمہ آپا نے کہا
"تو اب خالہ جان سے نہیں ملا کرو گی؟"
"میری سمجھ میں نہیں آتا نجمہ آپا! میں ابو اور اپنے بھائیوں کے احساسات کا خیال کروں یا اپنے جذبات کا؟"
نجمہ آپا گہری سوچوں میں ڈوب گئیں۔
مینا نے کہا
"یا تو خدا نے میری جان کے ساتھ اتنے مسائل نہ رکھے ہوتے یا پھر مجھے اتنا سخت دل بنایا ہوتا کہ میں دوسروں کی پرواہ کرنے کے بجائے اپنے جذبات و احساسات کا خیال رکھتی۔"
نجمہ آپا نے پوچھا۔
"فیصل تمہیں کیسے لگتے ہیں؟"
"مجھے نہیں معلوم، مجھ سے کچھ مت پوچھیے۔"
مینا نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا۔ اس کے دماغ پر ہتھوڑے برس رہے تھے۔
نجمہ آپا جانے کس وقت اٹھ کر چلی گئیں۔
مینا نے اپنے چہرے سے ہاتھ ہٹائے تو وہ تنہا تھی۔

وہ اٹھ کر دریچے کے قریب آگئی۔
پھر معلوم نہیں اسے کھڑے ہوئے کتنی دیر ہوئی تھی۔
دروازے کے قریب قدموں کی آہٹ ہوئی تو اس نے پلٹ کر دیکھا۔
اشعر اندر آرہے تھے۔
وہ سیدھی ہو کر کھڑی ہوگئی اور دریچے سے ٹیک لگائے اشعر کی طرف دیکھنے لگی۔
اشعر اس کے بالکل قریب آکر مسکرائے۔
وہی مخصوص دلآویز تبسم تھا ان کے ہونٹوں پر۔
مینا نے سوچا۔
پھر کوئی تکلیف دہ بات سننے کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے مجھے۔
اشعر نے کہا
"کیا بات ہے مینا؟"
"کچھ نہیں۔"
"بہت شاکی ہو مجھ سے؟"
مینا خاموش رہی۔
"بہت نالاں ہو نا؟"
مینا پھر بھی چپ رہی۔
"بہت تکلیف پہنچاتا ہوں تمہارے دل کو؟"
مینا نے کہا
"کیا حقیقت یہ نہیں ہے؟"
"میں دانستہ ایسا کرتا ہوں؟"
"مجھے نہیں معلوم۔"
"مینا!"
"جی۔"
"کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ میں ناحق یہاں واپس آگیا۔"
"آپ واپس نہیں آنا چاہتے تھے؟"
اشعر نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا
"تم تو مجھے بے موت مار دو گی مینا۔"
"پھر وہی بیکار بات۔"
مینا کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں
"اچھا بھئی! اب میں کچھ نہیں کہوں گا، تم ناراض مت ہو۔"
اشعر اس قدر والہانہ انداز سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے، وہ جھینپ گئی۔
"تم نے مجھ سے میری شکایت کی تھی۔؟"
"کب؟" مینا انجان بن کر بولی۔
"ابھی کچھ دیر پہلے۔"
"آپ اسے شکایت کہتے ہیں؟"
"پھر کیا کہوں؟"
مینا پلٹ کر دریچے سے باہر دیکھنے لگی۔
اشعر نے پوچھا

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

"کس کے ساتھ آئیں تھیں؟"
"فیصل بھائی کے ساتھ۔"
"فیصل بھائی! یہ کون ہیں؟"
"پھوپھی اماں کے بیٹے ہیں، آپ نہیں جانتے انہیں۔"
اشعر قدرے تلخی سے بولے
"آپ کے گھر کے دروازے ہمارے لئے بند ہیں۔"
مینا نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔
"جی!!"
اشعر اپنی کہے گئے
"ظاہر ہے جب میں آپ کے گھر نہیں جاتا تو آپ کے رشتہ داروں کو کیا جانوں؟"
"نام بھی نہیں سنا آپ نے؟"
اشعر لاپرواہی سے بولے
"غالباً واپسی بھی انہی کے ساتھ ہوگی۔"
مینا ایک دم سلگ اٹھی۔
"کیجئے، جی بھر کر طنز کیجئے۔"
"طنز نہ کروں تو کیا کروں؟"
مینا نے کوئی جواب نہیں دیا۔
"غالباً تمہیں یاد ہوگا، اس روز یونیورسٹی سے میرے ساتھ واپس آنا تمہیں ناگوار گزرا تھا۔"
"اچھا! اور کچھ؟"
"اور آج فیصل کے ساتھ آنا غالباً باعث خوشی ہوا ہوگا۔"
مینا نے افسردگی سے ان کی طرف دیکھا
"اشعر بھائی!"
"جی فرمائیے۔"
"اس قسم کی باتیں آپ کو زیب نہیں دیتیں۔"
اور اشعر کو بھی شاید احساس ہوا کہ وہ اتنے پڑھے لکھے اور سمجھدار آدمی ہو کر اتنی گھٹیا قسم کی باتیں کر رہے تھے۔
انہوں نے نادم ہو کر کہا۔
"سوری مینا! معلوم نہیں مجھے کیا ہو جاتا ہے۔"
اشعر یہ کہہ کر کمرے سے باہر چلے گئے۔
پھر مینا جب تک وہاں رہی اشعر سامنے نہیں آئے۔ گھر جانے سے پہلے مینا نے نجمہ آپا سے پوچھا
"اشعر بھائی گھر میں نہیں ہیں؟"
"ہیں، اپنے کمرے میں ہوں گے۔"
"نظر نہیں آئے بڑی دیر سے۔"
"ملنا ہے ان سے؟"
"ہاں! خدا حافظ کہہ دوں۔"
نجمہ آپا اسے اشعر کے کمرے کے باہر چھوڑ کر چلی گئیں۔
اشعر بستر پر لیٹے ہوئے کوئی کتاب پڑھ رہے تھے۔ دستک کی آواز سن کر اٹھ بیٹھے۔
"آؤ مینا!"
وہ اس کی طرف دیکھے بغیر بولے۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

مینا ان کے قریب چلی آئی۔

"بیٹھو۔"

"میں گھر جا رہی ہوں۔"

"اچھا! اب کب آؤ گی؟"

"معلوم نہیں۔"

"اگر تمہارا دل نہیں چاہتا تو مت آیا کرو مینا!"

اور مینا جو بہت دیر سے اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی اشعر کا یہ جملہ سن کر ہمت ہار بیٹھی۔

اس نے بڑی کوشش کی

اس نے بہت چاہا

کہ اس کی آنکھوں میں آنسو نہ چمکنے پائیں

لیکن اتنی بہت ساری تکلیف دہ باتوں کے بعد اب یہ ممکن نہیں رہا تھا۔

اشعر نے جو کتاب پر نگاہیں جمائے بیٹھے تھے، مینا کو خاموش پا کر نگاہیں اٹھائے بغیر نہ رہ سکے۔

مینا کی آنکھوں میں چمکتے ہوئے آنسو دیکھ کر وہ بیقرار سے ہو گئے۔ کتاب تکیے پر رکھ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"مینا!"

انھوں نے آہستہ سے اس کے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھے۔

مینا نے اپنی آنکھوں میں ٹھہرے ہوئے ڈھیر سارے آنسوؤں کی نمی کو حلق میں اتارنے کی کوشش کی

لیکن آنسوؤں کے آگے باندھا ہوا بند آہستگی سے ٹوٹ گیا۔

آنسو چپ چاپ رخساروں پر پھسلنے لگے۔

اشعر نے آہستہ سے اس کا سر اپنے شانے پر رکھ لیا۔

"میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں مینا! تم مجھے اور پریشان مت کرو۔"

مینا کی آنکھوں سے ٹپکتے ہوئے گرم گرم آنسو اشعر کی قمیض میں جذب ہو رہے تھے۔

اشعر نے مدھم آواز میں کہا

"مینا! تم میری باتوں کا برا مت مانا کرو۔"

مینا نے اشعر کے شانے سے سر اٹھا کر شبنمی نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔

"آپ کو ذرا بھی اندازہ نہیں میں خود آپ سے کہیں زیادہ پریشان ہوں۔"

"شاید تم اس بات کا اندازہ نہ کر سکو کہ میں جب کبھی یہ سوچتا ہوں کہ میں جسے اپنے اس قدر قریب محسوس کرتا ہوں، اسے اپنا نہیں سکتا تو میرا دماغ خراب ہونے لگتا ہے۔"

مینا بالکل بچوں کے سے انداز میں بولی

"آپ مجھے کیوں چاہتے ہیں، مجھے مت چاہا کریئے، مجھ سے نفرت کیجئے۔"

اشعر نے والہانہ انداز سے کہا

"کیسی باتیں کر رہی ہو مینا! یہ کوئی اپنے بس کی بات ہے؟"

مینا سر جھکائے سوچتی رہی۔

اشعر نے پیار سے اس کا سر تھپتھپاتے ہوئے کہا

"بس اب تم اپنے آپ کو پریشان مت کرو۔ میں تم سے کچھ نہیں کہا کروں گا۔"

مینا نے پوچھا

"میں یہاں نہ آیا کروں؟"

"تمہاری مرضی ہے لیکن ۔۔۔۔"

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

"لیکن ؟"

"تم آتی ہو چلی جاتی ہو اور میرے لئے کیا چھوڑ جاتی ہو۔ یہ کبھی سوچا تم نے ؟"

مینا نے کوئی جواب نہیں دیا۔

اشعر نے پوچھا

"کیسے جاؤ گی ؟ کس کے ساتھ جاؤ گی ؟"

"گھر سے کوئی لینے آئے گا۔"

"میں چھوڑ آؤں ؟"

"نہیں۔ کوئی نہ کوئی آتا ہی ہوگا۔"

مینا اشعر کے کمرے سے نکلی تو نجمہ آپا سے سامنا ہو گیا۔ نجمہ آپا اس کی بھیگی پلکوں کی طرف دیکھتی رہیں لیکن بولیں کچھ نہیں۔

اس رات مینا بڑی دیر تک فیصل اور اشعر کے بارے میں سوچتی رہی، بھابھی نے شام ہی اس سے کہہ دیا تھا کہ پھوپھی اماں کل پھر جواب لینے آئیں گی۔ تم کل صبح تک مجھے ضرور اپنے فیصلے سے آگاہ کر دینا۔

صبح یونیورسٹی جانے سے پہلے اس نے بھابھی سے کہا

"بھابھی! ابو سے کہئے مجھے فیصل کا رشتہ منظور ہے۔"

اس نے دیکھا بھابھی کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا۔ وہ بڑی بد دلی سے یونیورسٹی چلی گئی۔

دوپہر کو واپسی پر نجمہ آپا کا ٹیلیفون آیا

نجمہ آپا نے کہا

"مینا! اشعر بھائی تم سے بات کرنا چاہتے ہیں۔"

مینا کا دل دھک سے ہو گیا

اگلے ہی لمحے اشعر کی آواز سنائی دی۔

"مینا! تم نے کل کیوں نہیں بتایا ؟"

"کیا ؟"

"وہی سب کچھ جو تم نے نجمہ کو بتایا تھا

"دل و دماغ پر ایک بوجھ تھا، ان سے کہہ کر اس بوجھ کو ہلکا کر لیا۔"

"مجھ سے کہہ کر اس بوجھ کو ہلکا نہیں کر سکتی تھیں ؟"

"آپ سے کہہ کر کیا حاصل ہوتا مجھے ؟"

اشعر نے کہا

"میں تم سے ملنا چاہتا ہوں مینا!"

"کیا کریں گے مل کر ؟"

مینا نے ایک دبی ہوئی سانس لی۔

"یہ تو مجھے نہیں معلوم لیکن ------"

وہ کچھ کہتے کہتے رک گئے۔

"ایک بات کہوں مینا ؟"

"کہیئے۔"

اگلی قسط آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

Waqar Azeem
Pakistanipoint.Com

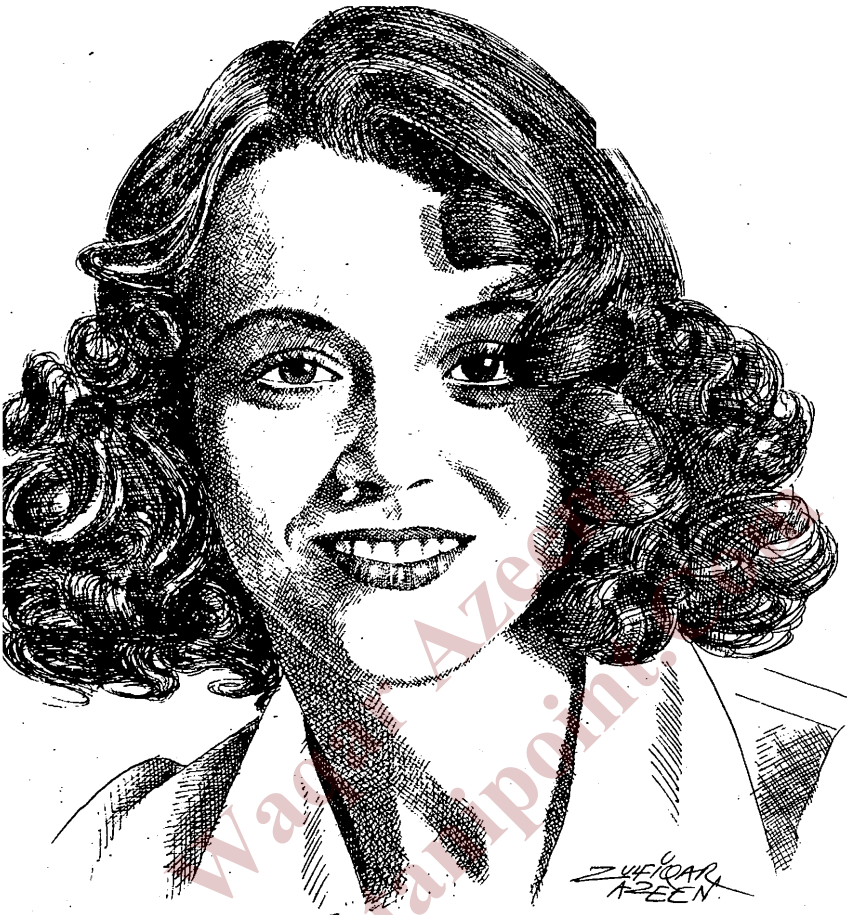

# بدلی راہیں

رضیہ بٹ

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

# لبنیٰ

اور لُبنیٰ دو جڑواں بہنیں تھیں۔ شکل و صورت تو ایک سی نہ تھی، لیکن آواز دونوں کی ایک سی تھی بس پردہ بات کر رہی ہوں ورنہ کسی کے لئے بھی ممکن نہ تھا کہ لبنیٰ یا لُبنیٰ کی شناخت کر سکے۔ مزاج میں بھی زمین و آسمان کا فرق تھا۔ لبنیٰ کے مزاج میں ٹھہراؤ اور سنجیدگی اور سادگی رچی بسی تھی، اس کے برعکس لُبنیٰ شوخ و شنگ اور کسی حد تک بیباک تھی۔ اس کی وجہ عیاں تھی۔ دونوں بہنوں کی پرورش اور تربیت الگ الگ ماحول میں ہوئی تھی۔

دونوں بہنیں ابھی بمشکل عمر کے تیسرے سال میں داخل ہو پائی تھیں کہ والدین ایک حادثے کا شکار ہو کر چل بسے اور پرورش کی ساری ذمہ داری بوڑھی دادی پر آن پڑی ــــ روپے پیسے کی کمی نہ تھی، دولت و دنیا سبھی کچھ تھا، لیکن ایک تو اچانک حادثہ اس پر دو بچیوں کی ذمہ داری، بوڑھی دادی بھلا کہاں سہار سکتی تھی۔ چنانچہ طے پایا کہ لبنیٰ تو دادی کے پاس رہے اور لُبنیٰ اپنی پھوپی سیما کے پاس۔ دادی کے کندھوں پر اسد کا بھی تو بوجھ تھا۔

سیما کی شادی کو دس گیارہ برس گذر چکے تھے۔ اولاد سے محروم تھی، کراچی میں رہتی تھی۔ بڑی ماڈرن عورت تھی۔ خاوند کے پاس اسمگلنگ اور بلیک مارکیٹنگ سے بیشمار پیسہ تھا۔ شاندار بنگلہ تھا، نوکر چاکر، موٹریں، گاڑیاں اور اسکے ساتھ فیشن ایبل ماحول۔ اولاد کی کمی کلبوں میں ڈانس کر کے پوری ہوتی تھی یا پھر گھر پر بھاری بھاری پارٹیاں دے کر۔ لُبنیٰ نے اس ماحول میں پرورش پائی تھی تو یقینی تھا کہ وہی رنگ اختیار کرے۔ طبیعت میں شوخی کچھ فطری تھی کچھ آگئی۔ ناچ گانے میں ماہر ہو گئی دل لبھانے اور فریفتہ کرنے کے انداز سیکھ لئے۔ دوستوں سے بلا روک ٹوک ملنا سیکھ لیا۔ الغرض وہ دورِ جدید کی حسین و رنگین تتلی بن گئی۔

لیکن

اس کے برعکس لبنیٰ، جس کی تربیت دادی کے بوڑھے ہاتھوں ہوئی، سادگی اور وقار کا مرقع تھی۔ روپے پیسے کی کمی اس گھر میں بھی نہ تھی۔ لیکن دادی روایت پسند تھی ــــ نئے زمانے کے نئے انداز اسے ایک آنکھ نہ بھاتے تھے۔ شرم و حیا اور سادگی عورت کی معراج تصور کرتی تھیں۔ بچی کو اس نے انہیں خطوط پر پالا۔

اسد، دادی کا دُور پار کا یتیم بھتیجا تھا۔ آٹھ سال کی عمر میں اس حویلی میں آیا تھا۔ لڑکا تھا اس لئے دادی نے اپنی گرفت پر اتنی زیادہ نہ رکھی۔ گو آداب ضرور سکھائے۔

لُبنیٰ اور اسد کا بچپن ہی سے ساتھ تھا۔ بس دونوں کی اکثر کسی نہ کسی بات پر ٹھن جاتی۔ لبنیٰ اور اسد کے ... میں تضاد تھا۔ اس کے باوجود دونوں ایک دوسرے سے پیار بھی کرتے تھے۔ ایک کی تکلیف سے دوسرا تڑپ اُٹھتا۔

میٹرک کے بعد اسد کو کالج میں داخل کروا دیا گیا۔ ا... جگہ کوئی اچھا کالج نہ تھا اس لئے اسد لاہور چلا گیا۔ ہوسٹل ... رہنے لگا چھٹیوں میں گھر آجاتا۔ تو لُبنیٰ اس کی چاہت ... ہوتی۔ یہی جذبات اسد کے بھی ہوتے لیکن بڑے شہر کی رنگی... اور حسن کی بے حجابیوں نے جلد ہی اسد کو متاثر کرنا شروع ک... ذہن پر جو بوڑھی دادی کا دباؤ تھا، اب آزادی کے باعث ڈ... پڑنے لگا۔

طبیعت اور رجحان میں تبدیلی آہستہ آہستہ وارد ہو... لُبنیٰ اسد کی مورتی کو من کے مندر میں لبائے خالص مش... لڑکی کی طرح خاموشی سے پوجے گئی۔ اسد اب بھی چھٹیوں میں گ... آتا لیکن طبیعت اکھڑی اکھڑی سی رہتی ــــ بہت جلد وا... لوٹ جانے کی کوشش کرتا۔

لبنیٰ جوان ہو گئی تھی۔ اسد کا سامنا کرتے ہوئے اسے بڑ... جھجک آتی۔ دوپٹے سے اپنے آپ کو اچھی طرح ڈھانپ کر ا... کے سامنے آتی کھل کر بات نہ کر سکتی۔ ہاں اس کے آنے پر د... اس کی من پسند چیزیں اپنے ہاتھوں سے پکاتی۔ اس کا کمرہ نوکر... کی فوج کے باوجود اپنے ہاتھوں سے صاف رکھتی۔

اسد کو لبنیٰ کے یہ انداز ناگوار گذرنے لگے تھے۔ وہ ا... گرل فرینڈز کی طرح لبنیٰ کو بھی دیکھنے کا متمنی تھا۔ وہ گھر آتا تو یہی چاہتا... لبنیٰ رنگین تتلی کی طرح نظر آئے، چست لباس پہنے جب... سے اس کے جسم کی حسین ساخت اپنی قیامت سامانیوں سے... نظر آئے۔ لمبے لمبے سیدھے بالوں کی جگہ ہلکے پھلکے ترشے ہوئے... بال رکھے۔

ــــ زبان سے زیادہ آنکھوں اور جسم کی اداؤں سے بات کرنا... لیکن اسد کو مایوسی کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ وہ لبنیٰ کو الٹرا ماڈرن لڑ... کے روپ میں دیکھنے کا خواہش مند تھا لیکن لبنیٰ تو خالص مشر... لڑکی تھی۔ جس کی آنکھوں میں حیا کا تقدس تھا جو اپنے آبائی ورثے... کو عزت و قدر کی نگاہ سے دیکھتی تھی۔ اس نے تعلیم پانے کے... باوجود غلط روش نہ اپنائی تھی، اسے اپنے مذہب، اپنی قوم اور...

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

... سے روحانی لگاؤ تھا۔

محبت کا پاکیزہ جذبہ بھی سینے میں پرورش پا چکا تھا لیکن ...ندں پیار اور جذباتی لگاؤ میں جو فرق ہے وہ اس سے پوری طرح آگاہ تھی۔

اسد چھٹیوں میں گھر آیا ہوا تھا۔ ان دنوں اسکی دوستی اپنی کلاس فیلو مس درانی سے تھی۔ مس درانی کالج کی حسین اور متمول ترین لڑکی تھی۔ فیشن ایبل بھی حد سے زیادہ تھی۔ کالج کے علاوہ کلب بھی اس کی زندگی کا محور تھا۔ کئی لڑکوں سے دوستانہ ...ام تھے۔ اسد کچھ زیادہ ہی اس سے گھل مل گیا تھا۔ گو تعلقات ...دوستی کی حد سے آگے نہیں بڑھے، تاہم یہ اسد کی کمزوری تھی۔ ...شعوری طور پر وہ لبنیٰ کو اس رنگ میں دیکھنے کا متمنی تھا۔

انہی دنوں اسد کو موسمی بخار نے آن لیا۔ لبنیٰ نے آج کھانا ...بڑے اہتمام سے خود پکایا تھا۔ اور اسد کی من پسند ڈش ...شوق سے بنائی تھی۔ وہ کھانے کی میز پر نہ آیا تو لبنیٰ بے چین ہو گئی۔

نوکر نے بتایا کہ اسد کو بخار ہے اور وہ اپنے کمرے میں ...ہے۔ لبنیٰ بیتاب ہو گئی۔ لیکن اسد کے کمرے میں اکیلے جانے کا ...مرحلہ درپیش تھا۔ گھبرا گھبرا کر رہ گئی۔ ہمت نہ کر پائی کہ اسد کے ...کمرے میں جا کر اسے پوچھ ہی لے۔ گو اس کی صحت و سلامتی کی دعائیں اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھیں۔

اسد اس وقت لبنیٰ کی قربت کو شدت سے محسوس کر رہا تھا۔ اسے آج سے کئی سال پہلے کا واقعہ یاد آ رہا تھا جب وہ ...دونوں چھوٹے تھے۔ اسے بخار نے آلیا تھا اور لبنیٰ اس کے سرہانے ...بیٹھی بے تکلفی سے اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے اس کا سر دبا ...رہی تھی۔ کتنی اپنائیت سے اپنا گال اس کے ماتھے پر رکھ کر بخار ...کی حدت محسوس کرتی تھی۔ وہ آج بھی چاہتا تھا۔ لبنیٰ اپنے نرم نرم ...ہاتھوں سے اس کا سر دبائے۔ اس کی چھاتی پر سر رکھ کر بخار کی ...حدت محسوس کرے۔ اپنے گال اس کے ماتھے سے لگا کر کہے ...اُف کتنا تیز بخار ہے۔ لیکن لبنیٰ تو اس کے کمرے میں بھی ...نہ آئی۔ اسد کے جذبات میں ہلکی سی نفرت کا ریلا تند ہو گیا۔ لبنیٰ ...نہیں، لبنیٰ کی عادات، سادگی اور ٹھہراؤ سے وہ متنفر سا ہوتا ...جا رہا تھا۔ لبنیٰ عیادت کو کمرے میں آئی بھی تو دادی اماں ...کے ساتھ ——— اسد کا بس چلتا تو لبنیٰ کو پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالتا۔

دن یونہی گذرتے گئے۔ اسد ایم۔ اے میں پہنچ گیا۔ اب وہ اپنا مفہوم اشاروں کنایوں کے بجائے دُو بدُو باتوں سے لبنیٰ پر عیاں کرنے لگا تھا۔

بیوی کا تصور آج کل بدل چکا ہے۔

خدمت تو نوکر بھی کر سکتا ہے۔

سلائی کڑھائی تو اجرت پر بھی کروائی جا سکتی ہے۔

بیوی ایسی ہونی چاہیئے جو خاوند کی صحیح جیون ساتھی ہو۔ لڑکی ایسی قابلِ توجہ ہوتی ہے جس میں ماڈرن زمانے کے تقاضے پورے کرنے کی اہلیت و صلاحیت ہو!!

اور پھر اسد ان جملوں کی مزید وضاحتیں بھی کرنے لگا۔

لبنیٰ سب کچھ سمجھتی تھی، لیکن نہ تو وہ اسد کے ایما پر بال کٹوا سکتی تھی، نہ ہی نیم عریاں لباس پہن سکتی تھی اور نہ ہی کلبوں میں اسد اور اس کے دوستوں کے ساتھ جذباتی وابستگی پیدا کر کے ناچ سکتی تھی۔

بات بات پر اسد اور لبنیٰ کا ٹکراؤ ہونے لگا۔ لبنیٰ باشعور لڑکی تھی، خاموشی سے سن لیتی۔ کبھی کسی بات پر اسد تکرار کی نوبت بھی لے آتا تو وہ آہستگی سے بڑے ٹھوس طریقے سے اپنے خیالات کا اظہار کر دیتی۔

تعلیم سے فارغ ہو کر اسد گھر آیا تو لبنیٰ کی قربت کے زیادہ مواقع میسر تھے، لیکن لبنیٰ نے اپنے اور اس کے درمیان ایک حدِ فاصل رکھی تھی۔ وہ اب بھی اسے ایک دیوتا کی طرح پوجتی تھی۔ اس کی حسین شخصیت اس کے خیالات کا محور تھی لیکن اس کے خیالات سے اختلاف تھا۔

لبنیٰ کی محبت شعلہ نہ تھی، جو ایکدم بھڑک اٹھتا ہے اور پھر بجھ جاتا ہے۔ اس کی محبت چنگاری تھی جو راکھ میں بھی سلگتی رہتی ہے۔

اسد ان دنوں فارغ تھا، لبنیٰ اسکے اعصاب پر سوار تھی۔ وہ اسے شدت سے پیار کرتا تھا، لیکن لبنیٰ کی سادگی اور فرسودگی سے متنفر تھا۔ جوں جوں وقت گذرتا رہا وہ شدید قسم کے ذہنی نزاع میں مبتلا ہو رہا تھا۔ وہ لبنیٰ کو کھانے پکانے، کاڑھتے پروتے یا ایسے ہی گھریلو کام کرتے دیکھتا تو اس پر جنون سی کیفیت طاری ہو جاتی "خدمت گزاری اور خدمت گزاری" بس ——— وہ اسے بے طرح کوسنے لگتا، لیکن لبنیٰ کو کچھ تو فطری اور کچھ تربیتی ورثہ ملا تھا، وہ موجودہ دور کی کھوکھلی زندگی اور بے راہ روی کو اپنانے کے لیئے قطعاً تیار نہ تھی۔

دونوں اپنی اپنی جگہ اٹل تھے۔ لبنیٰ کو اپنی بھرپور محبت اور جاں سوزِ عشق پر بھروسہ تھا وہ اسد کو صحیح راہ پر لے آئے گی۔



Waqar Azeem Pakistanipoint.Com

لجنیٰ کے شب و روز بڑے حسین تھے۔ وہ سوسائٹی کی روحِ رواں تھی پھوپی کی جگہ اس نے دو چار ہاتھ بڑھ کر ہی لی تھی۔ اپنے آبائی پہاڑی قصبے میں وہ کبھی کبھار آتی تھی۔ یہاں بھلا اس کا دل کیوں لگ سکتا تھا۔ اسد سے بھی کبھی کبھار جب وہ چھٹیوں میں آیا ہوتا ملنا ہو جاتا۔ لبنیٰ اس کی بہن تھی۔ لیکن مزاجوں میں زمین و آسمان کا فرق۔ لجنیٰ جب بھی یہاں آتی، لبنیٰ کو اس کی سادگی اور خیالات کی فرسودگی پر اچھا خاصا لیکچر دے ڈالتی۔ لبنیٰ صرف مسکرا کر رہ جاتی، اور حتی الوسع لجنیٰ کو زمانے کے نشیب و فراز سمجھاتے اور زندگی کی حقیقتوں سے روشناس کرانے کی کوشش کرتی۔ جواب میں لجنیٰ کا استہزائیہ قہقہہ بلند ہوتا اور اسے "بی مولوانی" کے خطاب سے نواز ڈالتی۔

لبنیٰ برا نہ مانتی۔ دونوں بہنوں کا برسوں میں چند روز کا ساتھ ہوتا۔ کبھی خوشی غمی کے موقع پر پھوپی کے ساتھ لجنیٰ بھی آجاتی۔ بہن کی دل شکنی اسے گوارا نہ تھی۔

دادی اماں اب کافی بوڑھی ہوگئی تھیں۔ اسد کے تعلیم سے فارغ ہونے کا انہیں انتظار تھا۔ شروع ہی سے انہوں نے اسد کو لبنیٰ کے لئے منتخب کر لیا تھا۔ اب وہ چاہتی تھیں باقاعدہ طور پر انکی منگنی کا اعلان کر دیں۔ عمر کا کچھ پتہ نہ تھا۔ جائداد کے قصے کو بھی نبٹانا تھا اس لئے سیما کو بلا بھیجا۔

سیما سے دادی کی کبھی نہ بنی۔ سیما بھی اپنے حالات میں مگن رہتی تھی۔ بہت کم ماں کے پاس آتی۔ اب چونکہ جائداد کا فیصلہ کرنا تھا اس لئے اپنی شاندار مصروفیتوں کو چند دنوں کے لئے ترک کر کے یہاں آنا پڑا۔ لجنیٰ بھی اس کے ساتھ تیار ہوگئی۔

لجنیٰ کیا آئی زندگی کے انداز ہی بدل گئے۔

یہ پہلا موقع تھا جب اسد، لجنیٰ اور لبنیٰ ایک خاصے عرصے کے لئے اکٹھے ہوئے۔

لجنیٰ حسین بھی تھی، شوخ و شنگ بھی، ماڈرن بھی اور بے باک بھی۔ جسم میں بجلیوں کی سی تڑپ تھی، بات بات پر قہقہہ لگانے کی عادی۔

لجنیٰ کے آنے سے پہلے ہی لبنیٰ کو خوشی ہوتی تھی۔ لیکن جانے کیا بات تھی کہ اب کے لجنیٰ کی آمد نے اسے کسی آنیوالے خدشے سے خبردار کر دیا تھا۔ پہلے ہی دن کھانے کی میز پر لجنیٰ اور اسد کی بے تکلف گفتگو سے وہ کچھ ٹھٹھکی۔ لیکن اپنی محبت کی تپش کا اسے احساس تھا اور پھر لجنیٰ اس کی بہن تھی۔ اس نے وسوسہ ذہن سے نکال دیا۔

رات دیر تک لجنیٰ اور اسد تاش کھیلتے رہے۔ لبنیٰ اپنے کمرے میں کروٹیں بدلتی رہی، لجنیٰ اور اسد بہت جلد یوں گھل مل گئے جیسے برسوں اکٹھے رہے ہوں۔ لجنیٰ اپنی اور اسد کی محفل میں لبنیٰ کو بھی شریک کرتی اور اکثر اسے "بی مولوانی صاحبہ" کہہ کر چھیڑتی بھی۔ لیکن یہ شرکت لبنیٰ کو ذہنی طور پر گراں گذرتی۔

اسد کو لجنیٰ بے حد پسند تھی، وہ لبنیٰ کو بھی اسی رنگ میں دیکھنا چاہتا تھا۔ لجنیٰ اس کا آئیڈیل تھی وہ لاشعوری اور شعوری طور پر اس کی جانب کھنچتا چلا گیا۔ لجنیٰ بھی اسد کی شخصیت اور بھرپور جوانی سے اپنے آپ کو دور نہ رکھ سکی۔ یوں بھی اس پر کوئی حد بندی عائد ہوتی تھی۔ صبح شام کی یکجائی نے جذبات کو برانگیختہ کر ہی دیا۔

اب اسے اپنی محفل میں لبنیٰ کو شامل کرنے کا احساس و خیال ہی نہ رہا۔ ادھر اسد بھی لجنیٰ کے دامِ حسن میں اپنے آپ کو بری طرح جکڑا پانے لگا۔ ذہنی نزاع جس سے وہ ایک خاصی مدت سے پریشان تھا، رفع ہوگئی۔ اسے یوں لگتا جیسے لجنیٰ ہی کی تلاش میں اس کی روح برسوں سے بھٹکتی پھر رہی تھی۔

دونوں سارا دن اکٹھے گزارتے۔ کبھی کسی کنج میں، کبھی کمرے میں اور کبھی باہر کی دلفریب فضاؤں میں، تو کبھی ہوٹلوں کی گہما گہمیوں میں۔

لبنیٰ کی دنیا خاموشی سے ہی پروان چڑھی تھی، خاموشی سے ہی اجڑ گئی۔ وہ اپنا غم اندر ہی اندر گھٹ گھٹ کر کھلنے لگی۔ لجنیٰ نے بساط ہی پلٹ دی تھی۔ ورنہ لبنیٰ کو تو اپنی گرمیِ عشق پر بڑا اعتماد تھا۔ وہ اسد کو سیدھی راہیں دکھانے کے جانے کیا کیا منصوبے بناتی رہتی تھی۔ لجنیٰ اس کی بہن تھی، کوئی دوسری لڑکی ہوتی تو شاید انتقام کی آگ اسے جھلسنے کا حیلہ ہوتی۔ لیکن لبنیٰ اتنی کم ظرف نہ تھی۔ بہن کا اسے بڑا احساس و خیال تھا۔

لجنیٰ اور اسد رنگ رلیوں میں مصروف تھے اور لبنیٰ سوزوں کی تپش سے اذیت پا رہی تھی۔ وہ جب دونوں کو ایک ساتھ دیکھتی تو سامنا کرنے سے کترا جاتی اپنے کمرے میں آکر پہروں بستر پر اوندھی پڑی رہتی۔ خاموشی سے اشک بہا کر اپنی محبت کا ماتم کر لیتی، لیکن زبان پر ایک ہی چپ تھی۔

اسد اپنی مسرتوں کے ہنڈولے میں جھول رہا تھا، پھر بھی جانے کیا بات تھی۔ لبنیٰ کو دیکھ کر اسے کچھ ندامت کا احساس ضرور ہونے لگتا۔ شاید یہ لبنیٰ کے جذبۂ عشق کی کشش

تھی۔ اسد اسکا سامنا کرنے سے حتی الوسیع گریز کرتا۔ کبھی کبھی راتوں کی تنہائی میں بے چینی چین نہ لینے دیتی۔ لبنیٰ کی متورم آنکھیں خاموش سا اضطراب بپا کر دیتیں۔

لبنیٰ کمرے میں تھی۔ اپنے دیرینہ ملازم خان بابا سے کچھ گھریلو امور پر باتیں کر رہی تھی۔ اسد آواز کا دھوکہ کھا کر اندر آیا اور بے ساختگی سے پکارا۔

"لبنیٰ!"

لبنیٰ نے سر گھما کر دیکھا۔ اس کی سوگوار آنکھوں میں قبرستانوں کا سناٹا تھا۔

"اوہ!" وہ کچھ خجل سا ہوا۔ "میں سمجھا لبنیٰ بول رہی ہے۔"

"لبنیٰ اس طرف باغ میں ہے۔" لبنیٰ نے دل کی آہ روک لی۔

اسد بغیر اس کی طرف دیکھے چل دیا۔ اور لبنیٰ کو یوں محسوس ہوا جیسے اسد کے وزنی وزنی پاؤں اس کے دل کی دھرتی پر پڑ رہے ہوں۔ دل کچلا گیا۔

اسد نے لبنیٰ کو باغ میں جا لیا۔

"تم دونوں کی آواز کس قدر ملتی ہے۔ شکر ہے میں نے بے ساختگی میں کوئی اول فول جملہ نہیں بک دیا۔ تمہیں سمجھ کر اندر لپکا۔ وہاں لبنیٰ بول رہی تھی۔"

لبنیٰ اندازِ دلربائی سے مسکرائی "ہاں ہماری آواز حیرتناک طور سے ایک ہے۔ سبھی دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ لیکن ایک بات ضرور ہے۔"

"کیا؟"

"لبنیٰ گاتی مجھ سے بہت اچھا ہے۔"

"اوں ہوں۔ ہمیں تو صرف تمہارا گانا پسند ہے شوخی تو ہوتی ہے، افسردگی تو نہیں ہوتی۔"

دونوں ہنس کر ایک دوسرے کے اور قریب ہو گئے۔

کھڑکی میں کھڑی لبنیٰ پیچھے ہٹ گئی۔ جذبات پر کہاں تک پھر کے سہے جاتی۔

یوں کئی واقعات آئے اور گزر گئے۔

دادی اماں نے اپنے سر کا بوجھ ہلکا کر لیا۔ وکیل کو بلا کر ساری جائداد کے حصے بخرے کر دیئے۔ نقدی اور زیورات بھی تقسیم ہوئے لبنیٰ اور لبنیٰ کے مساوی حصے ہوئے۔ لاکھوں روپے نقدی اور جائداد کی صورت میں دونوں کو ملے۔

سیما بھی اب اس کام سے فارغ ہو چکی تھی۔ اب اسے واپس جانا تھا لیکن لبنیٰ کو تو یہاں کی فضا ایسی بھائی کہ کراچی کی گہما گہمیوں کو نظر انداز کر دیا۔ سیما کو اکیلے واپس آنا پڑا۔ اسد اور لبنیٰ کا پروگرام چند دن اور ٹھہر کر کراچی جانے کا طے ہوا۔

سیما کے جانے کے بعد تو لبنیٰ جیسے ہر پابندی سے آزاد ہو گئی۔ رات گئے اسد کے ساتھ گھر واپس آنا معمول بن گیا۔ بے روک ٹوک، بے دھڑک دونوں اکٹھے گھومتے پھرتے۔

ایک دن دونوں موٹر میں پہاڑی راستوں پر جا رہے تھے دونوں ایک دوسرے کی قربت کے جذباتی اثر سے بہکے جا رہے تھے محبت کے نغمے زبان پر تھرک رہے تھے، چھیڑ چھاڑ سے لطف اٹھایا جا رہا تھا۔ لبنیٰ نے جانے کیا فسوں پھونکا کہ اسد بیتاب ہو کر اس کی جانب جھکا۔ جذبات میں راستے کے پیچ و خم کا احساس رہا نہ اسٹیئرنگ پر پوری گرفت رکھنے کا خیال۔ وہ پوری طرح لبنیٰ پر جھک بھی نہ پایا تھا کہ گاڑی سڑک سے ڈھلوان کی طرف لڑھکی۔

اور

پھر

پچاس ساٹھ فٹ نیچے لڑھکتی چلی گئی۔ چیخیں گاڑی کی گڑگڑاہٹ میں ہی مدغم ہو کر رہ گئیں۔

لبنیٰ نے حادثے کی خبر سنی تو آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ وہ سجدے میں گر گئی اور اس کی زبان سے اسد اور لبنیٰ کی زندگی کے لئے بے اختیار دعائیں نکلنے لگیں۔

ہسپتال پہنچنے پر پتہ چلا کہ دونوں بے ہوش ہیں۔ سیما کو اطلاع دی گئی۔

ایک افراتفری اور بھاگ دوڑ شروع ہو گئی۔ لبنیٰ کو بازو پر چوٹ آئی تھی، کچھ خراشیں کمر پر تھیں۔ حادثے کی خوفناکی حواس پر مسلط تھی۔ اس لئے ہوش میں نہ آ رہی تھی۔ اسد کو بہت زیادہ چوٹیں آئی تھیں۔ سر کا پچھلا حصہ زخمی ہوا تھا، دائیں ٹانگ کی ہڈی بھی ٹوٹ گئی تھی۔ پسلیوں پر بھی زخم آئے تھے۔

لبنیٰ کو دوسرے دن ہوش آ گیا۔ لیکن اسد کی حالت مخدوش تھی۔ لبنیٰ کی تو جیسے جان پر بن گئی تھی۔ اس بے وفا محبوب کے لئے وہ اب بھی جان کا نذرانہ پیش کر سکتی تھی۔

چار دن کی مسلسل بے ہوشی کے بعد اسد کے لبوں کو حرکت ہوئی۔ ہسپتال کا پورا عملہ حرکت میں آیا ہوا تھا۔ ڈاکٹر جھک کر اس کا معائنہ کر رہے تھے۔ وہ کچھ بڑبڑایا۔ ڈاکٹروں نے سمجھنے کی کوشش کی۔ وہ تو کچھ سمجھ نہ سکے، لیکن سرہانے کھڑی لبنیٰ نے اس کے الفاظ پا لئے۔ وہ "لبنیٰ لبنیٰ" کہہ رہا تھا۔

Wadar Azeem
pakistanipoint.Com

لبنیٰ کے سینے میں ایک ہوک اٹھی۔ اتنی گہری غنودگی اور مسلسل بے ہوشی کے بعد بھی لجنیٰ کا نام ہونٹوں پر تھا۔ فطری طور پر اسے بے حد دکھ ہوا۔ لیکن دکھ ایک تھوڑا ہی تھا پوری زندگی دکھ بن گئی تھی۔

اسد پوری طرح ہوش میں آیا تو وہ تیزی سے چیخا۔

"بتی جلاؤ۔ اندھیرا کیوں کر رکھا ہے؟"

ڈاکٹروں نے ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا لبنیٰ اور سیما نے بھی وحشت سے ایک دوسرے پر نظر ڈالی۔

اسد کی آنکھوں کی روشنی گل ہو چکی تھی۔

لبنیٰ کے لیے یہ صدمہ جانکاہ تھا۔ وہ تڑپ تڑپ گئی۔ اسد تو پاگل سا ہو کر چیخنے لگا۔ اس کی جگمگاتی دنیا اندھیری ہو گئی تھی۔

اور دوسرے کمرے میں بیڈ پر پڑی لجنیٰ کو جب اس حادثے کی خبر ملی تو اس کے حواس پر بجلی سی گر پڑی۔

گھر کا ہر فرد اور ہسپتال کا پورا عملہ اسد کی بینائی زائل ہونے پر بے چین و پریشان تھا۔

اسد بستر پر زندہ لاش کی طرح پڑا رہتا۔ ٹانگ پر پلستر اور سر پر پٹیاں۔ اب اسے ہمدرد و مونس کی ضرورت تھی۔ لجنیٰ صحت یاب ہو چکی تھی۔ زیادہ وقت اسد کے کمرے میں ہی گزارتی۔ کبھی کبھی اسے یہ کام بہت بور لگتا۔

لبنیٰ بے لوث خدمت کر رہی تھی۔ وہ چپ چاپ اسد کا ہر کام کیے جاتی۔ وہی کام تھے خدمت اور عبادت۔ خدا کے حضور وہ رو رو کر اسد کی آنکھوں کی روشنی لوٹ آنے کی دعائیں مانگا کرتی۔

لجنیٰ اسد کو دلاسہ دیتی تو وہ اس کا ہاتھ تھام کر کہتا۔

"میرا ساتھ چھوڑ تو نہ دو گی لجنیٰ؟"

تو لجنیٰ ملامت سے جواب دیتی "تم ایسا کیوں سوچتے ہو اسد؟"

مہینہ بھر بعد اسد گھر آیا۔ اسد کی ٹانگ پر ابھی تک پلستر تھا۔ یوں بھی اب وہ اس بچے کی طرح تھا جس کی ہر کام پر انگلی پکڑ کر رہنمائی کی جاتی ہے۔ اس نے لجنیٰ کی انگلی تھام رکھی تھی۔ وہ ذرا بھی ادھر ادھر ہوتی تو وہ گھبرا جاتا۔ وہ اس کی صرف آواز سن سکتا تھا۔ یہی آواز اب اس کی زندگی تھی۔

لیکن سیماب صفت لجنیٰ مہینہ بھر ہی میں اکتا چکی تھی۔ اب اسد اسے پکارتا تو اس کی آواز میں جھنجلاہٹ خود بخود پیدا ہو جاتی وہ انسان تھی، مشین تو نہ تھی۔ یہ بات شاید اسد کے ذہن میں آئی ہی نہ تھی۔

سیما کراچی واپس چلی گئی تھی۔ دادی کی طبیعت اب بہت خراب رہنے لگی تھی۔ وہ اپنے ہی کمرے میں رہتیں۔ لجنیٰ کی دلچسپی کے تمام سامان ختم ہو چکے تھے۔ ایک اندھے محبوب کی خدمت میں کوئی کشش نہ تھی۔ خدمت لبنیٰ کر رہی تھی، لیکن اسد اسکے احسان تلے دبا جا رہا تھا۔

اس دن لبنیٰ نے اسد کا کمرہ صاف کیا۔ وہ گلدان کے باسی پھول ملازمہ کو دیتے ہوئے بولی "یہ باہر پھینک دو اور تازہ پھول لے آؤ۔"

"لجنیٰ" اسد جسے لبنیٰ سوتا سمجھ رہی تھی کروٹ بدل کر بولا۔ "بس کرو لجنیٰ، میں محسوس کر رہا ہوں تم بڑی دیر سے صفائی میں مشغول ہو۔ اتنا تردد نہ کیا کرو۔ یہ کام ہوتے رہیں گے۔ مجھے تو صرف تمہاری قربت کی ضرورت ہے۔"

اس نے یہ الفاظ اتنے والہانہ انداز میں کہے کہ لبنیٰ تڑپ کر رہ گئی۔

"لجنیٰ" اسد نے پھر پکارا۔

لبنیٰ خاموش رہی۔

"لجنیٰ" اسد بے چارگی سے بولا "کیا کمرے سے چلی گئی ہو۔ میرے قریب آؤ نا۔ دور دور کیوں بھاگتی ہو۔ کیا تیمارداری سے گھبرا گئی ہو؟"

لبنیٰ سمجھ گئی تھی کہ وہ آواز کا دھوکہ کھا کر لبنیٰ کو لجنیٰ سمجھ رہا ہے۔

"بولتی کیوں نہیں لجنیٰ۔ میں کئی دنوں سے محسوس کر رہا ہوں کہ تم مجھ سے دور ہوتی جا رہی ہو۔"

"یہ سب آپکا وہم ہے" وہ وہیں سے بولی۔ اسد کی بیچارگی اور کسمپرسی کے پیش نظر اسے تسلی دینا ضروری تھا اس کے دل کی جو حالت تھی وہی جانتی تھی۔

"سچ کہتی ہو؟"

"آپ جھوٹ کیوں سمجھتے ہیں؟"

"میرے قریب آؤ۔"

لبنیٰ پر گھبراہٹ طاری تھی۔ لیکن حواس پر قابو پا کر بولی۔ "تھوڑا سا کام کر لوں پھر سارا دن آپکے پاس بیٹھی رہوں گی؟"

"وعدہ؟"

"پکا؟"

اسد مطمئن ہو گیا۔ لبنیٰ کمرے سے نکل کر سیدھی لجنیٰ کے پاس

Waqar Azeem
Pakistanipoint.Com

گئی۔ وہ اپنا سامان درست کر رہی تھی۔ لبنیٰ نے اسد کی غلط فہمی کا واقعہ سناتے ہوئے زور دیا کہ لجنیٰ اسد کے پاس جائے۔

"مجھے کام ہے اس وقت۔"

"لیکن وہ تمہیں بلا رہے ہیں۔"

"تم وہیں رہتیں۔"

"میں ——— میں ———"

"کیا ہوا۔ وہ کون سا دیکھ سکتا ہے۔ باتیں ہی تو سننا ہے نا، سو تمہاری اور میری آواز ایک سی ہے۔" لجنیٰ کے کٹھورپن سے لبنیٰ کو صدمہ ہوا۔

اسی طرح کئی دفعہ لبنیٰ کو لجنیٰ بن کر اسد کو بہلانا پڑا۔ دوسرے لجنیٰ کراچی جانے کو تیار تھی۔

"اسد کا کیا ہوگا۔" اس کے اظہارِ خیال پر لبنیٰ نے پوچھا۔

"تم جو ہو۔"

"لجنیٰ ———"

"میں ایک اندھے کے لئے اپنا سنہری مستقبل قربان نہیں کرسکتی۔"

"لجنیٰ یہ تم کہہ رہی ہو!"

"عقل کا تقاضا یہی ہے۔"

"اندھے اسد کو تمہاری ضرورت ہے، وہ تمہیں پیار کرتا ہے لجنیٰ۔"

"ہونہہ۔" لجنیٰ نے منہ بنایا۔ "میں ایسے پیار کی قائل نہیں، عمر بھر ایک اندھے کا ہاتھ تھام کر خود کو ختم کرلوں۔ یہ میرے بس کی بات نہیں۔"

"لجنیٰ تمہارے خیالات کتنے آزردہ ہیں۔ اسد کو معلوم ہوگیا تو ——— تو وہ ———"

"بڑا خیال ہے اسد کا۔" لجنیٰ نے شرارت سے کہا۔ "لبنیٰ کی جگہ تم لجنیٰ بن جانا۔ کیا مضائقہ ہے، وہ دیکھ تو سکتا نہیں، آواز سن سکتا ہے سو ———"

"لجنیٰ۔" لبنیٰ چیخی۔

"تمہاری مرضی۔" لجنیٰ ڈھٹائی سے بولی۔ "میں تو اب یہاں ٹھہر نہیں سکتی۔ امی بھی اکیلی ہیں اور میں بھی خود بور ہوتی رہتی ہوں۔"

"تم نے اسد کو چھوڑ دینے کا فیصلہ کرلیا ہے؟"

لجنیٰ ہنس پڑی۔ "اسد کو میں نے ضرور پسند کیا۔ لیکن پسند اس حد تک نہیں کیا کہ اس کے لئے جگمگاتی زندگی سے منہ موڑ لوں۔"

لبنیٰ نے بہتیرا قائل کیا۔ لیکن لجنیٰ اپنی ضد پر قائم رہی۔ وہ بار بار یہی کہتی۔

"اتنا ہی اسد کا خیال ہے تو اس کے لئے لجنیٰ بن جاؤ۔"

اسد کے دکھ کے پیش نظر لبنیٰ کو لجنیٰ کی اس پیش کش پر سنجیدگی سے غور کرنا پڑا۔

لجنیٰ چلی گئی۔

لبنیٰ نے لجنیٰ بن کر اسد کی خدمت اور قربت کا فیصلہ کرلیا اور اس نے اپنی زندگی اسد کے لئے وقف کردی۔ اس کی خاموش محبت اور صادق عشق نے اظہار کا یہ وسیلہ پالیا۔

وہ اب اسد کے لئے لجنیٰ تھی۔ دادی اور گھر کے متعلقہ افراد کو بھی بتا دیا تاکہ کوئی یہ راز غلطی سے اسد پر فاش نہ کردے۔

دن گذرنے لگے۔ لبنیٰ تن من سے اس کی خدمت کرنے لگی، گرد و پیش کا جیسے اسے ہوش ہی نہ تھا، وہ اسد کے کھانے پینے، پہننے کا خود اہتمام کرتی۔ اس کا دل بہلانے کو روزانہ اخبار اور رسائل سے کہانیاں، نظمیں اور مضامین پڑھ کر سناتی۔ چمن میں ہاتھ تھام کر چہل قدمی کرواتی۔ غرض اس کی زندگی کا سارا بار اٹھا لیا۔

اسد بے نور آنکھوں سے جی رہا تھا۔ طبیعت کبھی الجھتی، کبھی پژمردہ ہو جاتی۔ بے چارگی پر کبھی چیخ اٹھتا کبھی مشیت ایزدی پر سر جھکا کر سمجھوتہ کرنے کی کوشش کرتا۔

"لجنیٰ، تم نہ ہوتیں تو کیا ہوتا، یہ زندگی موت سے کم نہیں، لیکن میں تمہارا شکر گزار ہوں، تم نے موت کو بھی میرے لئے اتنا حسین بنا دیا ہے۔"

کبھی کبھی اسد کا والہانہ انداز جذباتی ہوتا۔ لبنیٰ کے مزاج کے ٹھہراؤ میں بھی ہلچل مچ جاتی۔ اس کا دل چاہتا چیخ چیخ کر کہے "میں لبنیٰ ہوں اسد لبنیٰ۔ مجھے لجنیٰ نہیں لبنیٰ کہہ کر پکارو، لجنیٰ تو زندگی کی روشنیوں کے لئے تمہیں چھوڑ کر چلی گئی۔ لیکن لبنیٰ نے تمہاری خاطر حیات کے ان اندھیروں کو بھی گلے لگا لیا ہے۔"

لیکن وہ تڑپ کر رہ جاتی۔ زبان پر کبھی بھی یہ الفاظ نہ آتے۔ اپنا فرض جیسے خود اس نے اپنے آپ کو سونپا تھا خوبصورتی سے نبھائی گئی۔ ہاں اس کی افسردگی اسد کی اندھی آنکھوں سے مستور نہ رہ سکی۔ وہ اکثر اس سے سوال کرتا۔

"لجنیٰ تم افسردہ رہتی ہو۔"

"تمہاری آواز میں غم کی کسک محسوس کرتا ہوں۔"

Wahar Azeem
Pakistanipoint.Com

"تم بجھی بجھی رہتی ہو۔"

"تمہاری شوخیاں کہاں گئیں؟"

وہ اکثر ادھر ادھر کی باتیں کر کے اس کا دھیان دوسری طرف لگا دیتی۔ لیکن اس دن اسد نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے قریب بٹھا کر پوچھا۔

"لجبنیٰ تم اتنی افسردہ کیوں رہتی ہو؟ تمہاری شوخی کہاں گئی؟ میں نے تمہارے قہقہے نہیں سنے؟"

لبنیٰ دل تھام کر بولی "اسد تمہاری زندگی پہ یوں اندھیرے مسلط ہو جائیں اور میں یوں ہنستی مسکراتی پھروں، میں کیسے قہقہے لگاؤں، کس دل سے ہنسوں؟"

اسد چپ ہو گیا، اس کے تجسس کو اطمینان مل گیا۔ لبنیٰ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ یہ آنسو اسد کے ہاتھوں میں جذب ہوتے رہے۔

اسد اب اکثر خاموش رہتا۔ لبنیٰ اس سے باتیں کرتی، دل بہلاتی اور اپنا فرض ادا کرتی۔ اس فرض کی ادائیگی میں عشق کی گرمی ہوتی۔

ایک دن اسد نے لبنیٰ سے گانا سنانے کی فرمائش کی۔ لبنیٰ چند لمحے سوچ میں ڈوب گئی۔ لجبنیٰ اوٹ پٹانگ گانے گا کر اسد کو بہلایا کرتی تھی۔ لیکن لبنیٰ کا حسنِ انتخاب اور تھا بہرحال مجبوری تھی۔ اسد کی فرمائش میں شدت تھی۔

لبنیٰ نے گانا گایا۔ اسد مسحور ہو کر سنتا رہا۔ لبنیٰ رو رو کر گا رہی تھی، سوزِ دروں پھٹ کر باہر نکل رہا تھا۔

"لجبنیٰ، تمہاری آواز میں اتنا سوز کیسے بھر گیا؟"

"تمہاری آنکھوں کی محرومی سے۔" لبنیٰ نے جواب دیا۔ اسد ایک بار پھر مطمئن ہو گیا۔ اور یوں دن گذرتے گئے۔ لجبنیٰ لوٹ کر نہ آئی۔ لبنیٰ لجبنیٰ بن کر اسد کی قربت میں وقت گزارتی رہی۔

اسد کی آنکھوں کے متعلق جہاں جہاں ممکن ہو سکا ڈاکٹروں کو دکھایا گیا۔ علاج کارگر نہ تھا۔ مایوسیاں بڑھتی ہی گئیں۔ لبنیٰ کی خدمت گذاری میں اور شدت آتی گئی۔ اسد اکثر سوچ میں ڈوبا رہتا۔

"آپ کیا سوچتے رہتے ہیں؟" ایک دن ہمت کر کے لبنیٰ نے سوال کر ہی ڈالا۔

اسد چونکا پھر مسکرایا "کچھ نہیں کچھ بھی تو نہیں۔"

"پھر بھی" وہ عالمِ بے اختیاری میں اصرار کرنے لگی۔

"سوچتا ہوں تمہیں لبنیٰ ہی بننا تھا، تو پھر لبنیٰ میں کیا برائی تھی۔"

"جی؟" وہ گھبرا گئی۔

"یہ خدمت گزاری، یہ ٹھہراؤ، یہ سنجیدگی لبنیٰ کا شیوہ تھا لجبنیٰ کا نہیں۔"

"میں..... میں......" وہ کچھ نہ کہہ سکی۔

"میری آنکھوں کی محرومی نے تمہاری زندگی کی شگفتگی بھی چھین لی۔ تم میں اب وہ شوخی رہی ہے نہ وہ جوش و ولولہ۔"

لبنیٰ کی جان میں جان آئی بڑے پیار سے بولی "میری زندگی آپ ہیں اسد، آپ شگفتہ ہوں گے تو میری زندگی بھی شگفتہ۔ آپ محروم و مایوس تو میں بھی وہی، یہ ہمارے پیار کا تقاضا ہے۔"

"تمہیں لجبنیٰ سے لبنیٰ بننے پر کوئی افسوس تو نہیں؟" اسد نے اچانک اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔

"ہرگز نہیں۔" وہ جرأت سے بولی۔

"تو پھر تمہیں لبنیٰ کیوں نہ کہا کروں۔" وہ ہنس کر بولا۔

لبنیٰ ایک بار پھر گھبرائی۔ لیکن ہمت کر کے بولی "آپکو اختیار ہے۔"

وقت ایسے کئی واقعات کو اپنی لپیٹ میں لئے گزرتا رہا۔ دادی فوت ہو گئیں۔ سیما اور لجبنیٰ بھی کراچی سے آئیں۔ لبنیٰ نے جس خوبصورتی سے لجبنیٰ کا روپ اسد کے لئے نبھایا تھا اس کے پیشِ نظر اس نے لجبنیٰ کو محتاط رہنے کی ہدایت کی۔ لیکن لجبنیٰ ان دنوں فارق سے شادی کی تیاریاں کر رہی تھی اس لئے اسے اسد کی پروا کیا تھی۔ ہاں وہ لبنیٰ کو خوب چھیڑتی رہی کہ اسد کو اپنا گرویدہ تو بنا لیا۔ اسے کیا علم تھا کہ اس کی محبت کی جڑیں بچپن سے پھیلی ہوئی ہیں۔

سیما کو اسد اور لبنیٰ پر بے طرح رحم آیا۔ کراچی میں آئے ہوئے ایک مشہور غیر ملکی ماہرِ چشم سے اس کے علاج کی تجویز پیش کی۔ طے پایا کہ اس ماہر سے رابطہ قائم کر کے اسد کو کراچی لے جایا جائے اور وہاں علاج ممکن نہ ہو تو ملک سے باہر لے جائیں گے۔

سیما اور لجبنیٰ واپس چلی گئیں۔ لبنیٰ انکے خط کا انتظار روز کرنے لگی۔ لیکن اسد کو جیسے کوئی خواہش نہ تھی نہ شوق۔ شاید مایوسی کی آخری حد تھی۔

ایک دن اس نے موقع پا کر لبنیٰ کو ایک انوکھی بات کہہ ڈالی۔ لبنیٰ کا دماغ پہیئے کی طرح گھوم گیا۔

"کیا مجھ سے شادی کر سکتی ہو لجبنیٰ؟" یہ اس کا اچانک سوال تھا۔

لبنیٰ بوکھلا گئی۔ اس کی خاموشی سے اسد مایوس ہو کر گھبرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"مجھے معاف کر دو۔ شاید میری پیشکش میں خود غرضی ہے ایک

اندھے کو کون عمر بھر گلے کا ہار بنا سکتا ہے۔"

اس کا لہجہ بڑا دل آزار اور دل گرفتہ تھا۔ لیکن لبنیٰ کی مجبوری اور تھی خدمت کے لئے تو وہ لبنیٰ بن گئی تھی۔ لیکن شادی؟ کیا یہ دھوکہ نہ ہوگا، عمر بھر کا دھوکہ اور پھر کبھی اس کی آنکھیں ٹھیک ہوگئیں تو۔۔۔ لبنیٰ کا چکراتا ہوا دماغ یہی سوچ رہا تھا۔ وہ کچھ بھی تو نہ بولی۔

"اونہہ" اسد بڑے ہی دکھی انداز میں مسکرایا اور پھر گہری دلدوز آہ بھر کر بولا "شاید مجھے اس حد تک بڑھنے کا حق نہ تھا۔ مجھے معاف کر دو۔"

"نہیں اسد" لبنیٰ کو جانے کیا ہوا۔ بیقرار ہو کر اس کے بازوؤں میں گر گئی۔ اور بے اختیار آنسو بہاتے ہوئے "اسد اسد" کہے گئی۔

"میں کیا سمجھوں؟" کچھ توقف کے بعد اسد بولا۔ اور لبنیٰ نے اسی توقف میں اسد کی خواہش پوری کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا، وہ اسد کی خواہش پر قربان ہونے کو تیار تھی۔ گو زبان سے اعتراف نہ کر سکی۔

دونوں خاموش ہو گئے۔

کئی دنوں بعد سیما کا خط آگیا۔ فاروق اور لبنیٰ کی شادی کا بلاوا۔ اور ساتھ ہی ماہر چشم کو دکھانے کا لکھا تھا۔

لبنیٰ نے خط لکھ دیا، معذوری ظاہر کر دی۔ وہ شادی میں شرکت نہ کر سکتی تھی۔ بہن کا خیال ضرور تھا۔ لیکن کیسے جا سکتی تھی۔ تفصیل سے سیما کو سب کچھ لکھ دیا۔ ہاں شادی کے ہنگامے کے بعد وہ اسد کو کراچی ضرور لے جانے کو تیار تھی۔

لیکن اسد نے کسی ماہر کو آنکھیں دکھانے سے انکار کر دیا۔ لبنیٰ نے وجہ پوچھی تو اس نے شوخی سے جواب دیا "تم نے اس دن میری خواہش کا کوئی جواب نہ دیا تھا۔ میں احتجاجاً آنکھیں نہیں دکھاؤں گا۔"

دریں اثنا لبنیٰ بھی اس کی خواہش پوری کرنے کیلئے اپنے آپ کو ذہنی طور پر تیار کر چکی تھی۔ چنانچہ اس نے اسد کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ گو تذبذب، انتشار اور پریشانی نے گھیر لیا۔ اسد کی خوشیوں کا ٹھکانہ نہ تھا۔

شادی خاموشی سے ہو گئی۔ اسد کو جیسے آنکھوں کا نور مل گیا۔ لیکن لبنیٰ کے دکھ کو کوئی نہ جانتا تھا۔ اس نے اسد کو پا لیا۔ اس کی محبت، اس کی زندگی کو اپنا لیا۔ لیکن لبنیٰ بن کر نہیں لجنیٰ بن کر۔ مستقبل وسوسہ بن کر ذہن میں ہر وقت رینگنے لگا۔ شادی کی حقیقی اور سچی خوشی اس سے کوسوں دور تھی۔ اعصاب پر ہر وقت گھبراہٹ مسلط تھی، ہر لمحہ یہی دھڑکا رہتا کہ اگر اسد کو حقیقت معلوم ہو گئی تو اس کا کیا بنے گا۔

لجنیٰ شادی کر کے پوکے چلی گئی تھی۔ سیما بار بار اسد کو کراچی بلا رہی تھی۔ لبنیٰ ہچکچا رہی تھی۔ اسد کی آنکھیں ٹھیک ہو گئیں تو یہ سارے خواب کچھ جائیں گے۔ سوچ سوچ کر وہ جیسے پاگل سی ہو جاتی۔ جی میں آتا کہ ابھی سے اسد کو حقیقت سے باخبر کر دے۔ لیکن حوصلہ نہ پڑتا تھا۔

اور ادھر اسد دنیا و مافیہا سے بیگانہ سا ہو گیا تھا اس نے اپنا منتہائے مقصود پا لیا تھا، اس کا زاویۂ نگاہ بدل چکا تھا۔ عورت کا اصلی مقام کیا تھا اب وہ سمجھ چکا تھا۔

سیما کا اصرار بڑھا تو لبنیٰ اسد کو لے کر کراچی چلی گئی۔ یہ مرحلہ جان لیوا تھا۔ ہزاروں خوف اور وسوسے ذہن پر سوار تھے۔ لیکن اسد کا علاج کروانا بھی بہت ضروری تھا۔ ایسا نہ کرنا بھی تو ظلم تھا۔ لبنیٰ نے اپنے آپ کو تقدیر کے حوالے کر دیا۔

ماہر چشم نے بڑی امید دلائی۔ آنکھوں کا آپریشن ہونا تھا اسد کو ہسپتال داخل کروا دیا گیا۔

لبنیٰ تذبذب میں ڈوبتی چلی گئی۔ اسد کی آنکھوں کی روشنی اس کی زندگی کا ہر چراغ بجھا دے گی۔ دکھ اور صدمے سے وہ مضمحل اور مضطرب رہنے لگی۔

آپریشن ہوا۔ لبنیٰ دن رات ایک کر کے خدمت کرتی رہی۔ اس کی کشتی کنارے پر پہنچ کر ڈوبنے کو تھی۔ لیکن اس کی محبت اور اس کا عشق اب اس قربانی کو بھی تیار تھا۔

جس دن اسد کی آنکھوں کی پٹی کھلنا تھی لبنیٰ کی بُری حالت تھی۔ اسد کی روشنی لوٹ آنے کی قوی امید تھی لیکن اسکی بربادی کی آخری تاریخ تھی۔ سیما اسے بڑا دلاسہ دیتی۔ لیکن حوصلہ چھوٹتا ہی جا رہا تھا۔

لبنیٰ کی جان پر پہلے ہی کیا کم بنی تھی۔ اس پر اسد نے ڈاکٹر سے بصد اصرار کہا۔

"میں سب سے پہلے اپنی بیوی کو دیکھنے کا خواہشمند ہوں۔ میں اس وقت تک پٹی نہیں کھلواؤں گا جب تک میں اپنی بیوی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں نہ لے لوں۔"

ڈاکٹر کیا جانتا تھا بھلا، اسے کیا اعتراض ہو سکتا تھا، لیکن لبنیٰ کے ہوش ہی اڑ گئے۔ انکار کی گنجائش تھی نہ اقرار کی۔

پٹی کھل رہی تھی، لبنیٰ کا ٹھنڈا اور بے جان سا ہاتھ اسد

کے گرم ہاتھوں میں تھا ——— دونوں کی حالت غیر تھی۔
آپریشن کامیاب تھا۔
"میں دیکھ سکتا ہوں ڈاکٹر!" اسد فرطِ مسرت سے چیخا۔
ڈاکٹر نے خوش ہو کر مبارک باد دی۔
"لبنیٰ ——— تم!" یہ اسد کی دوسری چیخ تھی۔
لبنیٰ ہاتھ چھڑا کر بھاگی اور بے دم ہو کر باہر پہنچ کر گر پڑی
کشتی کنارے سے ٹکرا کر ڈوب گئی۔

اور

جب اسد ڈسچارج ہو کر گھر آیا تو لبنیٰ میں اس کے استقبال کی ہمت نہ تھی۔
شام کو وہ اپنے خیالوں میں گم کمرے میں کھڑکی کے سامنے کھڑی تھی۔ اعترافِ گناہ کر کے اسد کی زندگی سے نکل جانے کا سوچ رہی تھی۔ قدموں کی آواز پر اس نے مڑ کر دیکھا۔ آنے والا اسد تھا۔
"تم نے مجھے دھوکہ دیا۔" اسد نے آتے ہی اسے سختی سے بازوؤں سے پکڑ کر جھنجھوڑا۔ "یہ جانتے ہوئے بھی مجھے تم سے نفرت ہے، تم میری زندگی میں داخل ہو گئیں ——— کیوں، بولو؟"

"اسد ——— مجھے معاف ———" وہ لڑکھڑا کر اس کے قدموں میں گرنے کو تھی کہ اسد نے اس کے دونوں بازو پکڑ کر اٹھا لیا اور شدتِ جذبات سے بھرائی آواز میں کہا۔
"لبنیٰ ——— میری لبنیٰ ——— میں مذاق کر رہا تھا۔"
"اسد!" لبنیٰ نے مسرت بھرے لہجے میں کہا۔
اسد نے کہا۔ "لبنیٰ میں نے آنکھیں کھو کر من کی روشنی پائی تھی۔ تم کیا سمجھتی ہو، میں تمہیں لجنیٰ سمجھتا رہا۔ بیشک میں تمہیں دیکھ نہیں سکتا تھا، لیکن محسوس تو کر سکتا تھا۔ لبنیٰ اور لجنیٰ کا فرق میں نے دیکھ کر نہیں محسوس کر کے جانا تھا۔" اور وہ کہتا رہا۔ "لبنیٰ میں نے اندھا ہو کر بصارت پائی تھی۔"
"اسد ———!" لبنیٰ نے سر جھکا لیا اور پھر نہ جانے کس جذبے سے مغلوب ہو کر بے اختیار آنسو بہانے لگی۔


بکنگ جاری ہے

سوزوکی وین
سوزوکی پک اپ
ڈاٹسن پک اپ
ٹویوٹا۔ ڈاٹسن۔ مزدا کاریں
بیڈفورڈ ٹرک و بس چیسیز
بیرونِ ملک مقیم پاکستانی حضرات بینک میں بک کرانے یا عزیزوں کو تحفہ بھیجنے کیلئے فوری رجوع فرمائیں۔
علاوہ ازیں

فیئٹ ٹریکٹرز
فوری بک کریں



بخاری موٹرز
سیفی ہاؤس۔ ڈاکٹر ضیا الدین احمد روڈ۔ کراچی
فون: 217516-218202
MCM

ZULFIQAR
AZEEM

ٹیبل لیمپ کی روشنی نے کمرے میں رومانی فضا قائم کر دی تھی طالب علمی کے زمانے سے ہی وہ اس قسم کی روشنی دیکھ کر ہیجانی کیفیت میں مبتلا ہو جایا کرتا۔ میز کے اردگرد روشنی کا ہالہ اور لیمپ کے شیڈ کے اُوپر اندھیرے اور روشنی کا ملا جلا انداز جیسے دو روحوں کا ملاپ ہو اس نے چھت کی طرف دیکھا اندھیرے اور روشنی کے ملے جُلے سائے کئی چہرے لئے ایک دوسرے سرگوشیاں کرنے لگے۔

تیز ہوا سے کھڑکیوں کے پٹ ہلنے لگے۔ ٹھک ٹھک کی ایک جیسی مترنم آواز۔ جیسے سُروں کی موسیقی۔ پردوں کی سرسر کے ساتھ مل کر ایک اور لے کا اضافہ کرنے لگی ہوا تیز ہوتی گئی ٹیبل لیمپ کا شیڈ بھی ہلنے لگا۔ موسیقی بھی تیز ہو گئی اور چھت پر چہروں کے سائے ایک دوسرے میں خلط ملط ہونے لگے۔

" رومانہ۔ رومانہ کیا سو گئی ہو؟"

اِس نے بیوی کو آواز دی۔

وہ چہرے تک چادر اوڑھے سو رہی تھی اِس نے چادر کھینچی تو وہ ہڑبڑا کے اُٹھ بیٹھی۔

" کیا چائے بنا کر لاؤں۔؟"

وُہ پلنگ پر پاؤں لٹکا کر بیٹھتے ہوئے بولی۔

" وہ وہی مکینکی انداز؟"

اس نے سوچا اور انکار میں گردن ہلا دی۔

" سگریٹ آپ کی میز کی دراز میں رکھے ہیں؟"

رومانہ نے میز کی طرف اشارہ کیا۔

" اوہوں ہوں"

اِس نے پھر انکار میں گردن ہلا دی۔

" تو پھر کیا...؟"

رومانہ پریشان ہو گئی۔

" کچھ نہیں۔ تم سو جاؤ"

اُس نے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

شہاب کی جب سے شادی ہوئی تھی اس کی طبیعت اکثر بے چین رہنے لگی تھی۔ اسے بظاہر رومانہ سے کوئی شکایت نہ تھی وہ اس کا ہر طرح سے خیال رکھتی اچھی خوراک و لباس کا خاص اہتمام ہوتا کبھی کبھی اُسے رومانہ کی خدمت گذاری پر اُلجھن ہونے لگتی۔

" کیا اس کی کوئی خواہش نہیں

کیا اس کی خواہشات کا کوئی تقاضہ نہیں؟"

وہ اکثر سوچتا اور اُلجھتا۔ اس نے شادی سے پہلے رومانہ کو دیکھا تک نہ تھا۔ اپنے والدین کی پسند پر انہوں نے سر تسلیم خم کر دیا تھا۔

" کیا رومانہ شادی سے پہلے کسی اور کو چاہتی تھی؟"

یہ سوال اکثر اس کے ذہن میں کروٹیں لیتا۔ اس نے ایک نظر اپنے قریب لیٹی ہوئی رومانہ کی طرف دیکھا اس کے گھنے سیاہ بالوں کی دو چٹیاں دائیں بائیں لہرا رہی تھیں اس کے یاقوتی ہونٹ ٹیبل لیمپ کی روشنی میں جگمگا رہے تھے۔

" کیا ان سیاہ ناگوں نے کسی کو ڈسا نہ ہو گا؟"

" کیا ان یاقوتوں کو کسی نے خراج نہ دیا ہو گا؟"

وہ سوچ کر بے چین ہو گیا۔

کھڑکی کے پٹ ابھی تک ہل رہے تھے۔ کھٹ کھٹ.... کھٹاک تیز ہوا ابھی تک چل رہی تھی۔ پردوں کی سرسراہٹ بھی شامل تھی مگر اب خوش کن موسیقی کے بجائے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی نوحہ کناں ہے۔ اس نے گھبرا کے چھت کی طرف دیکھا۔ وہاں اسی طرح سائے بے نام چہرے لئے آگے پیچھے ہو رہے تھے اچانک ایک سائے نے واضح شکل اختیار کر لی۔ اس نے فوراً اس چہرے کو پہچان لیا۔

" گیتی آرا تم؟"

اس نے فوراً پوچھا۔

" ہاں میں گیتی آرا ہوں جو کبھی تمہاری زندگی تھی۔ تم نے میرے ساتھ شادی کا وعدہ کیا تھا مجھے خواب دکھائے اور پھر چھوڑ دیا۔ اب میں نے کسی اور سے شادی کر لی ہے۔ میرا خاوند مجھ سے مطمئن ہے۔ کیونکہ میں اس کی خدمت گذار بیوی ہوں"

وہ بے چین ہو گیا۔ اس نے غور سے رومانہ کی طرف دیکھا۔ وہ کروٹ لئے بے خبر سو رہی تھی ایک دفعہ پھر اس کی نظر چھت کی طرف اُٹھ گئی۔

لہراتے ہوئے سائے جگہ بدلنے لگے۔ ایک چہرہ نمودار ہوا اُسے پہچاننے میں دیر نہ لگی۔

" عدیلہ تم...؟"

الفاظ اس کے حلق میں الجھ کے رہ گئے۔

" ہاں میں عدیلہ ہوں۔ جسے تم نے اپنی پہلی اور آخری محبت کہا تھا جسے تم نے اپنی خوابوں کی رانی کہا تھا۔ مگر تم بے وفا نکلے۔ میں نے تمہاری بے وفائی پر آنسو بہا کر اپنی عمر ضائع نہیں کی۔ میں نے شادی کر لی ہے اور خاوند کی خدمت میں مجھے خوشی ملتی ہے"

" نہیں نہیں"

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

وہ چیخ اٹھی۔

رومانہ کروٹیں لینے لگی۔ ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا اور ٹیبل لیمپ کا شیڈ دائیں بائیں تیزی سے ہلنے لگا۔ سائے ایک دوسرے میں کھو گئے۔ چہرے غائب ہو گئے اب صرف رومانہ کا چہرہ اس کے سامنے تھا۔

" کیا رومانہ اس لئے میری خدمت گزار ہے کہ شادی سے پہلے اُسے بھی کسی مرد ..... "

وہ اپنے ذہن میں جملہ پورا نہ کر سکا۔ اس کی بیوی کبھی کسی اور کی محبوبہ رہ چکی ہو یہ وہ کبھی برداشت نہ کر سکے گا۔ "اتنا بڑا "سمجھوتہ اتنی بڑی قربانی۔ نہیں یہ ناممکن ہے " اس نے جیسے اپنے آپ کو تنبیہہ کی۔

" لیمپ بجھا دیں نا "

رومانہ نیند میں بڑبڑائی۔

" نہیں نہیں "

اس نے چیخ کر کہا۔

رومانہ نے آنکھیں کھول کر شوہر کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت و پشیمانی کے ملے جلے جذبات تھے۔

" آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا "

وہ بے چین ہو گئی۔

شہاب نے کوئی جواب نہ دیا۔ گم صم بیٹھا اُسے خالی خالی نظروں سے دیکھتا رہا۔

" میں آپ کے لئے چائے بنا کر لاتی ہوں "

وہ اُٹھتے ہوئے بولی۔

وہ رومانہ کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ چائے پینے کی اُسے کوئی خواہش نہ تھی مگر اس نے رومانہ کو منع نہیں کیا۔ وہ کچھ دیر کمرے میں تنہا رہ کر اپنی حالت کا تجزیہ کرنا چاہتا تھا۔ پچھلے ہفتے ایک پارٹی میں آگی ملاقات گیتی آرا سے ہوئی تھی وہ اپنے خاوند سے یوں باتیں کر رہی تھی جیسے وہ اس کا خاوند نہیں محبوب ہے جیسے وہ اپنی ہر ادا ، ہر بات سے اپنے خاوند کو باور کرانا چاہتی تھی کہ اس کی زندگی میں صرف وہی ایک مرد ہے اس دوران گیتی نے ایک بار بھی شہاب سے بات کرنے کی کوشش نہ کی تھی اس کے سلام کا جواب تک دینا گوارا نہ کیا تھا۔ بلکہ باتوں باتوں میں اس کی تضحیک کرنے کی کوشش کی تھی وہ خاموشی سے اپنی توہین برداشت کرتا رہا۔

" چائے حاضر ہے "

رومانہ اپنی ملکوتی مسکراہٹ لئے اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اس نے رومانہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا۔ وہ کھل اٹھی اور چائے کی پیالی شہاب کے ہونٹوں سے لگا دی۔ جیسے دونوں کی افسردگی دور ہو گئی ہو دونوں مسکرا دیئے۔

●

وہ دفتر سے نکل کر سڑک کے کنارے کھڑا ٹیکسی کا انتظار کر رہا تھا۔ ایک کار اس کے قریب آ کے رک گئی۔ عدیلہ اپنے شوہر کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔

" آج ٹیکسی والوں نے ہڑتال کی ہے "

عدیلہ نے تحکمانہ انداز میں کہا، پھر وہ کار سے اتر کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

" جاوید ڈارلنگ یہ مسٹر شہاب ہیں میرے کلاس فیلو تھے اور میرے شوہر نامدار "

عدیلہ نے شوہر سے زیادہ نئی شیورلیٹ کو تعریفی نگاہوں سے دیکھا۔ دونوں مردانہ ہاتھ مصافحے کے لئے بڑھے اور تنقیدی نگاہیں ایک دوسرے کا جائزہ لینے لگیں۔

جاوید اچھا خاصا بدصورت تھا۔ تھوڑی سی توند بھی نکلی ہوئی تھی دل ہی دل میں اپنی خوبصورتی سراہتے ہوئے اُسے ایک گونہ خوشی ملی۔

" شہاب صاحب آپ نے ابھی تک کار نہیں خریدی "

عدیلہ نے طنزیہ انداز میں کہا۔

اُسے یوں محسوس ہوا عدیلہ اس کی خوبصورتی کا اپنی کار سے مقابلہ کر رہی ہے۔

" خدا کا شکر ہے میری شادی کسی کنگلے سے نہیں ہوئی میں کار کے بغیر زندگی گزارنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی "

عدیلہ نے دوسرا حملہ کیا۔ وہ تلملا کے رہ گیا۔

" چلیئے ہم آپ کو ڈراپ کر دیں "

عدیلہ نے اپنی کار پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

" جی نہیں میں رکشہ لے لوں گا۔ "

شہاب کو غصہ آ گیا۔

" ہونہہ چلو جاوید ڈارلنگ چلیں۔ میں تو ایسے لڑکوں کو یونیورسٹی میں کبھی لفٹ نہ دیتی تھی "

عدیلہ نے غصے سے کہا اور کار کا دروازہ کھول کے بیٹھ گئی۔ جاوید کھی کھی کرتا ہوا اپنے پیلے دانتوں کی نمائش کرتا رہا۔

" ہر عورت اسی طرح اپنے اپنے خاوند کو اپنی محبت کا یقین دلاتی ہو گی۔ "

اس نے عدیلہ کے مسکراتے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا۔

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

یہ وہی عدیلہ تھی جو طالب علمی کے زمانے میں اس کی محبت کی قسمیں کھاتی تھی اس کی جدائی کے تصور سے خودکشی کی دھمکی دیتی تھی آج اپنے شوہر کے سامنے اپنے ماضی کی نفی کر رہی تھی جیسے اسکا کوئی ماضی نہیں جیسے اس کے دل نے صرف شوہر کے نام سے دھڑکنا سیکھا ہو۔

" کیا سب عورتیں ایک جیسی ہوتی ہیں؟"

اس سوال کے ساتھ ہی اُسے رومانہ کا خیال آیا۔ رومانہ نے لاہور یونیورسٹی اور اس نے کراچی سے تعلیم حاصل کی تھی۔ صرف شہروں کے نام الگ الگ تھے۔ لیکن ناموں سے کیا ہوتا ہے۔ سب یونیورسٹیاں ایک جیسی ہوتی ہیں۔ سب طالب علم ایک جیسے ہوتے ہیں۔ سب لڑکیاں ایک جیسی ہوتی ہیں۔ رومانہ بھی ایک لڑکی ہے۔

رومانہ کا بھی کوئی محبوب ہوگا۔ اس کا چہرہ سرخ ہوگیا اور کانوں کی لوؤں تک اُسے اپنا پورا وجود آگ میں تپتا ہوا محسوس ہوا۔ آنکھوں کی پتلیاں پھیلنے لگیں۔ وہ کچھ دیکھنا چاہتا تھا رومانہ کو۔ رومانہ کے ماضی کو۔ مگر سامنے سڑک تھی دور جاتی ہوئی بل کھاتی ہوئی سڑک پر چھوٹے بڑے کئی متحرک سائے تھے اور اچانک متحرک سائے منجمد ہوگئے۔ بصیرت و بصارت کی حدیں دم توڑنے لگیں۔ اس کے چاروں طرف ایک عجیب پُرشور سناٹا اس نے اپنی قوتِ سماعت کو مجتمع کیا یہ کاروں کے ہارن کی آواز تھی۔ وہ چونکا۔ اُسے احساس ہوا وہ سڑک کے عین وسط میں کھڑا تھا۔

" کیا پاگل پن ہے۔"

اس نے اپنے آپ کو سمجھایا۔

رومانہ سے کوئی شکایت نہ ہوتے ہوتے بھی وہ شکایت کے بہانے تلاش کرتا رہتا۔ اُسے اس بات کا اعتراف تھا کہ جب سے رومانہ اس کے گھر میں آئی ہے اس نے گھر کا نقشہ ہی بدل دیا ہے۔ وہ نوکری کرتی اور پوری تنخواہ اس کی ماں کے ہاتھ میں دیتی۔ اس کے چھوٹے بہن بھائیوں کو پڑھاتی۔ گھر کا ہر فرد رومانہ سے مطمئن تھا۔ اُسے اس بات کا بھی احساس تھا کہ اگر وہ گیتی آرا یا عدیلہ سے شادی کرتا تو گھر میں یہ سکون بھی نہ ہوتا وہ دونوں مفضول خرچ تھیں امیر والدین کی بیٹیاں تھیں اسی لئے شادی کے لئے اس نے دونوں کو رد کر دیا مگر شادی کے بعد وہ رومانہ کی خاموش طبیعت کی وجہ سے ایک خلا سا محسوس کرتا۔ ایک نامعلوم خلش اُسے بے چین کرتی رہتی۔

" شاید رومانہ مجھ سے کچھ چھپاتی ہے؟"

" شاید رومانہ شادی سے پہلے کسی اور سے محبت کرتی تھی؟"

یہ سوالات اس کو بے چین کرتے ہوئے اپنے ماضی کی طرف لے جاتے۔ اُسے اپنے ساتھ فلرٹ کرتے ہوئے کئی لڑکیوں کی یاد دلاتے۔

•

رومی کمال کا نیا افسانہ پڑھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے رومانہ اُسے غور سے دیکھنے لگی۔

" شہاب۔"

رومانہ نے اُسے پیار سے پکارا۔

" بہت درد بھرا افسانہ تھا۔ پتی ورتا لڑکیوں کا مسیح رومی کمال سے بہتر کوئی نہیں پیش کر سکتا۔"

شہاب نے وضاحت کی۔

رومانہ صرف مسکرا کے رہ گئی۔

" تم نے کبھی اپنے خیالات کا اظہار نہیں کیا۔"

وہ چڑ گیا۔

" میں افسانے نہیں پڑھتی۔"

رومانہ اُٹھ کر پیڑوں پر استری کرنے لگی۔

" یہ کیسی لڑکی ہے۔ کیا اسے اپنی خوبصورتی۔ اپنی جوانی اور اپنی جوانی کے تقاضوں کا کبھی خیال نہ آیا ہوگا؟"

اس نے سوچا اور رومانہ کے قریب جا کھڑا ہوا۔

" تم جھوٹ بول رہی ہو۔"

وہ گلقند بنا چیخ اُٹھا۔

" سچ بولنے کے لئے ماحول سازگار ہونا چاہیئے۔"

رومانہ نے پورے اعتماد سے جواب دیا۔

اس کے لہجے کا ٹھہراؤ۔ چہرے کا تقدس شکوک و شبہات دھونے کے لئے کافی تھے۔

" کیا آپ مجھ سے خفا ہیں؟"

رومانہ کی ملائم آواز اس کے کانوں میں آئی۔

" نہیں۔ نہیں تو۔"

وہ چونکا۔ شکوک و شبہات دم توڑنا چاہ رہے تھے لیکن اس نے مزاحمت کی۔

" تم لاہور یونیورسٹی کے بارے میں کچھ بتاؤ۔"

اس نے کھوج لگانا چاہا ہی وہ ہمیشہ کی طرح مسکرا دی۔ ملگجی مسکراہٹ جو اس کے تقدس میں اضافہ کر دیتی تھی۔

" سب یونیورسٹیاں ایک جیسی ہوتی ہیں۔"

رومانہ نے نرم لہجے میں کہا۔ مگر اچانک اُس نے لہجے میں پوشیدہ طنز کو محسوس کیا جیسے رومانہ کہہ رہی ہو۔ " سب لڑکیاں ایک جیسی

ہوتی ہیں۔"

وہ فریج کے پاس جا کھڑا ہوا اپنے اندر سے اُٹھتی ہوئی آگ کو بجھانے کے لئے وہ ایک ہی سانس میں ٹھنڈے پانی کا گلاس پی گیا۔

•

اسکول کے گیٹ پر چپڑاسی کا انتظار کرتے ہوئے اُسے یقین ہو گیا کہ وہ معاملے کی تہہ کو پہنچ گیا ہے۔ پچھلے ہفتے دفتر سے واپس لوٹتے ہوئے اُسے خیال آیا کہ رومانہ کو بھی ساتھ لیتا چلے اور چپڑاسی نے اُسے بتایا تھا کہ وہ پوسٹ آفس گئی تھی۔

"پوسٹ آفس؟"

اس کا ماتھا ٹھنکا۔

"وہ ضرور اپنے ... کو خط لکھتی ہوگی؟"

اس نے سوچا اور چپڑاسی کے ہاتھ میں ایک نوٹ تھما دیا۔

"مجھے رومانہ بی بی کی تفصیل چاہیئے۔ وہ کس کو خط لکھتی ہیں؟"

اس نے راز داری سے کہا۔ تو چپڑاسی کا چہرہ کھل اُٹھا جیسے وہ مدد کے لئے پہلے سے تیار ہو۔ ہر روز چپڑاسی کسی نہ کسی نئی بات کا انکشاف کرتا۔

"رومانہ بی بی خط لکھتے ہوئے رو رہی تھیں۔"

"رومانہ بی بی کا خط آیا تھا۔ منی آرڈر آیا تھا۔"

آج چپڑاسی نے وعدہ کیا تھا کہ رومانہ کا لکھا ہوا خط وہ کسی طرح اُڑا لائے گا۔

وہ بے چینی سے گیٹ میں سے اندر جھانک جھانک کے دیکھتا رہا۔

ایک پل بھاری ہو گیا۔ گھڑی کی سوئیاں جیسے تھم گئیں آخر دور سے اس نے چپڑاسی کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ اس کا دل تیزی سے دھڑکا۔ چپڑاسی اس کے قریب آیا۔ گھبرا کے دائیں بائیں دیکھا اور جلدی سے ایک پیکٹ اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"صاب جلدی سے چلے جائیں کہیں کوئی دیکھ نہ لے۔"

چپڑاسی نے رازدارانہ لہجے میں کہا۔

پیکٹ اس نے اپنی جیب میں ڈال لیا اور تیزی سے گھر کی طرف چل دیا۔

راستے میں اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ پیکٹ اپنی ماں کے سامنے کھولے گا۔ "ماں جو رومانہ کے تقدس کے گیت گاتی ہے رومانہ کے قصیدے پڑھتی ہے۔ آج کے بعد کبھی اپنی بہو کا نام بھی زبان پر نہ لائے گی۔"

اس نے سوچا اور جیب میں رکھے پیکٹ کو ہاتھ سے محسوس کیا۔ کاغذ کی کھڑکھڑاہٹ جیسے اس کے دل پر آرے چلانے لگی۔ اس کی ماں اپنی بہو کی بدکرداری کا صدمہ کیسے برداشت کرے گی۔

وہ پریشان ہو گیا۔ اُسے خیال آیا یہ شادی اس نے اپنی ماں کی خوشی کی خاطر کی تھی اور آج وہ اپنے ہی ہاتھوں اس کی خوشیاں چھننے جا رہا تھا۔ اس کا جی چاہا کہ وہ پیکٹ کو اُٹھا کر پھینک دے لیکن اس کے ہاتھ نے جیسے جیب کے اندر جانے سے انکار کر دیا۔

وہ پیدل چلتا رہا اور سوچتا رہا وہ ماں سے کیا کہے گا۔ اس کی بوڑھی ماں کے جھریوں دار پیشانی پر جہاں زمانے کے تجربات محفوظ ہیں جہاں اس کی شب و روز کی عبادت کی مہر ہے وہ پشیمانی کا یہ داغ کیونکر ثبت کر سکے گا۔ اس کے چاندی جیسے سفید بالوں میں اس کی بہو کے گناہ کی گندگی کس طرح مل سکے گا۔ رومانہ نے اس کے اعتماد ہی کو متزلزل نہیں کیا۔ بلکہ اس کی ماں کی پُروقار شخصیت کو بھی ذلت کی گہرائیوں میں پھینک دیا۔ اُسے یوں محسوس ہوا وہ خود بھی ذلت کی گہرائی میں ڈوبتا جا رہا ہے۔ اور اس کی نظروں کے سامنے اندھیرا بڑھتا گیا۔

"ماں میں گر گیا۔ میں ڈوب گیا۔ مجھے بچا لو۔"

اس نے مدد کے لئے پکارا ایک زور کا دھماکہ ہوا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے چنگاریاں سی اڑیں اور سب کچھ تاریکی میں ڈوب گیا۔

•

دوسرے دن جب اُسے ہوش آیا تو اس کے آس پاس سناٹا تھا اور دواؤں کی بو تھی اس کے ذہن میں اب تک ایک شدید دھماکے کی آواز تھی۔ پھر اُسے کچھ یاد آیا۔ ہاتھ بڑھا کر اس نے جیب سے پیکٹ نکالنا چاہا مگر اس کے جسم پر ہسپتال کے کپڑے تھے اس نے اُٹھنا چاہا تو اس کی ٹانگ پر پلاسٹر لگا ہوا تھا۔ اُسے یاد آیا وہ چلتے ہوئے سڑک پر ایک کار کے عین سامنے آ گیا تھا۔

"انہیں ہوش آ گیا ہے۔"

ڈاکٹر نے کہا۔

"اللہ تیرا شکر ہے۔"

"اللہ تیرا شکر ہے۔"

دونوں میں سے ایک آواز رومانہ کی تھی۔

"میرا ایکسیڈنٹ اسی کی بدکرداری کا نتیجہ ہے۔"

اس نے سوچا اور گھور کر رومانہ کی طرف دیکھا۔ رومانہ نے

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

## آپ تو سودائی نکلے

ایک تقریب میں مرزا غالب میر تقی میر کی تعریف کر رہے تھے۔ ابراہیم ذوق بھی موجود تھے انہوں نے سودا کو ترجیح دی۔ مرزا نے کہا۔

"میں آپ کو میر ہی سمجھتا تھا۔
آپ تو سودائی نکلے۔"

اپنے آنسو پونچھے اور اس کے قریب آئی۔

"خدا کا شکر ہے آپ کو ہوش آگیا۔ آج کا دن ہماری زندگی کا مقدس ترین دن ہے۔"

رومانہ نے آہستہ سے کہا۔ اس نے رومانہ کی بات کو نظر انداز کر کے ماں کی طرف دیکھا وہ گھر جانے سے پہلے اہم فیصلہ کرنا چاہتا تھا۔

"بیٹا آج تمہاری شادی کی سالگرہ ہے رومانہ نے ایک بڑی دعوت کا انتظام کیا ہوا تھا۔"

ماں نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"آج میں ایک بہت بڑا انکشاف بھی کرنے والی تھی۔"

رومانہ نے جلدی سے کہا۔

"انکشاف۔ کیسا انکشاف؟"

وہ سوچ میں پڑ گیا اس نے ذہن پر زور ڈالا۔ رومانہ کیا کہنا چاہتی ہے۔

کہیں گیتی آرا یا عدیلہ نے میرے خلاف کچھ رومانہ کو نہ بتا دیا ہو۔

اس کے دل میں خدشات جنم لینے لگے مگر فوراً ہی اس نے اپنے آپ کو تسلی دی۔ "میں مردوں میں کچھ بھی کر سکتا ہوں اس سے رومانہ کے جرم میں تخفیف نہیں ہو سکتی۔"

"انکشاف تو میں کروں گا۔"

وہ چیخا۔

کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ اس نے باری باری سب کا چہرہ دیکھا۔ سب کی آنکھیں حیرت سے کھلی ہوئی تھیں اور سب پریشان نظر آرہے تھے۔

"میں ماں ہیں تمہاری بہو کو طلاق دینا چاہتا ہوں۔"

وہ پھر چیخا۔ سب کی آنکھیں حیرت سے اور پھیل گئیں۔

"میرے کوٹ کی جیب سے پیکٹ نکال کر دیکھو جس میں تمہاری بہو کی بدچلنی کا ثبوت ملے گا۔"

اس کی آواز ٹھہر گئی اور آنکھیں بند ہو گئیں۔ وہ نڈھال سا ہو گیا اپنی ماں کے چہرے پر صدمے اور پشیمانی کے نشان دیکھنا اس کے لئے ناممکن تھا۔

نرس نے اس کے تکیے کے نیچے سے تہہ کیا ہوا کوٹ اس کی ماں کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ اس نے آنکھیں کھولیں پیکٹ اب ماں کے ہاتھ میں تھا۔ رومانہ کمرے میں نہ تھی۔

"رومانہ کو بلاؤ تاکہ وہ بھی اپنا اعمالنامہ دیکھ لے۔"

وہ پھر چیخا۔

رومانہ کمرے میں واپس آئی اب اس کے ہاتھ میں ایک خوبصورت رنگین کاغذ میں لپٹا ہوا ایک پیکٹ تھا۔

"آپ نے میرے لئے دل کا دروازہ بند ہی کر لیا ہے تو مجھے اپنی صفائی میں کچھ نہیں کہنا میں جا رہی ہوں۔"

رومانہ نے پیکٹ اس کے پلنگ پر پھینکا۔ اور تیزی سے واپس مڑ گئی۔

"اپنے شوہر شہاب کے نام جو میرے افسانوں کا شیدائی ہے اور میں اس کی شیدائی ہوں۔"

نرس نے پیکٹ ہاتھ میں لے کر بلند آواز میں پڑھا۔

"کیا"

وہ چونکا اور نرس کے ہاتھ سے پیکٹ چھین کر کھولنے لگا۔ پیکٹ میں افسانوں کا مجموعہ تھا۔

"رومانہ۔ رومی کمال"

اس کے ہونٹ کپکپائے۔ دروازہ کھٹاک سے بند ہوا۔ رومانہ کمرے سے جا چکی تھی اس نے اٹھنے کی ناکام کوشش کی وہ رومانہ کو آواز دینا چاہتا تھا مگر اس کی زبان لنگ ہو گئی۔ رومانہ چلی گئی۔ اس کے دل سے ہوک سی نکل اٹھی اور آنکھوں سے پشیمانی کے آنسو بہہ نکلے۔

"بیٹا اس میں تو کسی رومی کمال کا ایڈیٹر کے نام خط ہے۔ اور ایک کہانی ہے"

ماں دوسرا پیکٹ کھول کر اس کی آنکھوں کے سامنے کاغذ پھاڑ رہی تھی۔ اور وہ ٹکٹکی باندھے بند دروازے کی طرف دیکھتا رہا جیسے اسے کچھ سنائی نہ دے رہا ہو۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

# اُداس آکے آنگن میں

ریحانہ زیدی

اِس نے غیلم شہد کے رسیلنے پر تاروں بھرا آنچل اوڑھے چپ چاپ لیٹی اس طویل و عریض شاہراہ پہ دوڑتے ہوتے ہر ناپ کے ٹریفک کے اندر لمحہ بھر میں اُوجھل ہو جانے والے یہ سارے چہرے کتنے شناسا ہیں یہ کسی کے ماں باپ ہوں گے کسی کے بہن بھائی تو کسی کے دوست شوہر اور بیگم بھی ہو سکتی ہیں مگر

اِن میں میرا کون ہے؟

میرے لئے کتنے اجنبی ہیں یہ سب۔

میرے اپنے جو اس پہلی منزل کے کشادہ حصے میں بڑے آرام سے زندگی کے دن گزار رہے ہیں کتنی مصروف ترین شخصیتیں ہیں۔

کم از کم میرے لئے تو ایسا ہی ہے۔

اِس نے گردن موڑ کر دیکھا۔

ابا میاں سیڑھیوں کے درمیانی موڑ پر گیراج کے اُوپر بنے کمرے میں سبحانی صاحب کے ساتھ شطرنج کھیل رہے تھے۔

بھائی جان اور بھابی مزنہ کے ساتھ پکچر گئے ہوئے تھے۔

ولید بھائی یقیناً آمنہ کے گھر بیٹھے گپیں مار رہے ہوں گے۔
دنیا مجھ پر رشک کرتی ہے
میں یعنی عمارہ بنتِ عمر دنیا کی خوش نصیب لڑکیوں میں سے ایک ہوں دو عدد چہیتے بھائیوں کی اکلوتی بہن۔
ہر دم خیال رکھنے والے باپ کی لاڈلی بیٹی۔
یہ بڑے سے یاقوت کی طلائی انگوٹھی جو میرے ہاتھ میں چمک رہی ہے یہ بھی بے پناہ محبت کی سماجی نشانی ہے۔
میرے منگیتر ریڈیو گرافی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے باہر گئے ہوئے ہیں۔
میری الماریاں نت نئے ڈیزائن کے ملبوسات سے بھری ہوئی ہیں ڈریسنگ ٹیبل امپورٹڈ میک اپ ویرائیٹیز سے اَٹی ہوئی ہے۔
درجنوں مشہور رسالے اور اخبارات بڑی پابندی سے میرے نام آتے ہیں۔
اس کے باوجود مجھ پر یہ بے سروپا اداسی چھائی رہتی ہے۔
شاید یہ لوگ ٹھیک ہی کہتے ہیں میں غم پسند ہوں۔
شدت پسند ہوں۔
"ارے بیٹے کیا سونا نہیں ہے آج۔"
ابا میاں نجانے کب اپنے کمرے میں آ گئے تھے۔
"جی آئی" وہ بہت سعادت مندی سے اندر آ گئی۔

دودھ ضرور پی لینا ـــ ابا میاں نے اپنے کمرے کی بتی بجھاتے ہوئے کہا۔
"جی اچھا ـــ"
اس نے کچن میں آ کر دودھ کا بھرا گلاس سنک میں الٹ دیا۔
اور اپنے کمرے میں چلی آئی ـــ پائنتی رکھے لحاف کو رول کر کے اپنے برابر رکھا اور اس میں لیٹ کر سونے کی کوشش میں جاگنے لگی۔
بے شمار لمحے گونگے اندھیرے میں چپ چاپ سرک گئے۔
وہ آنکھیں کھولے آہٹیں سنتی رہی۔
ولید بھائی دبے پاؤں اس کے کمرے کے آگے سے گزر گئے۔
تھوڑی دیر بعد بھائی جان بھابی مزنہ کا میڈی پکچر کے سین دہراتے ہوئے اپنے کمرے میں گئے۔
نیچے سے حیات صاحب کے قہقہوں کی آواز آ رہی تھی ـــ
وہ دروازہ بھیڑ کر گیلری میں آ گئی ـــ

"کتنے خوش نصیب ہیں یہ لوگ ـــ" اس نے حیات صاحب کو اپنی لڑکیوں کے ساتھ کارڈز کھیلتے دیکھ کر سوچا۔
اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ یہیں سے چھلانگ مار کر حیات صاحب اور ان کی لڑکیوں کے درمیان جا کودے ـــ
"پپا آپ بے ایمانی کر رہے ہیں۔" فریدہ زور سے چلائی ـــ
"یہ بھنگن کہیں کی۔ ہارتی ہے تو روتی ہے ـــ" حیات صاحب نے اس کا کان کھینچا۔
"اچھا آپ کارڈز دکھائیں۔ ابھی آپ نے پتہ کاٹا تھا اور اب یہ اینٹ کا چھکا کہاں سے آیا؟" وہ پتے جھانکنے لگی۔
"تمہیں ہوش بھی رہتا ہے یا نہیں اینٹ میں نے کاٹی تھی۔" فارہہ نے ڈانٹا۔
"کیوں آپا ـــ؟" فریدہ نے فونا سے پوچھا۔
"بھئی مجھے پتہ نہیں ـــ" فونا نے منہ پھاڑ کر جمائی لیتے ہوئے کہا۔
"تم سوتی رہو۔ میں نہیں کھیلتی۔" اس نے جل کر پتے پھینک دیئے۔
"قسم سے اسے کوٹ ہونا تھا آج۔ جبھی تو یہ پتے پھینک کر بھاگی ہے ـــ" فارہہ نے شور مچایا۔
"یہ ہمیشہ کی چڑیل ہے۔ جب ہارتی ہے تو ایسا ہی کرتی ہے۔" حیات صاحب زور سے ہنس پڑے۔
بہت غیر ارادی طور پر کئی آنسو چپ چاپ اس کی آنکھوں سے ٹپک پڑے۔
"اللہ یہ مجھے کیا ہوتا جا رہا ہے" وہ وہیں پڑی ایزی چیئر پر ٹک گئی ـــ
ہر انسان کی زندگی میں ایک خلا ہوتا ہے۔ جو ـــ
چاہنے والوں کے خلوص ـــ
بے اندازہ دولت ـــ
چاروں طرف پھیلی ہوئی ـــ شہرت و عزت کے باوجود نہیں بھر پاتا ـــ
ابا میاں مجھے کتنا چاہتے ہیں ـــ
بھائی جان اور ولید بھائی ہر خواہش پوری کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ تو وہاں ہر ماہ تحائف کا پارسل روانہ کرنا عین عبادت گردانتے ہیں۔ پھر میں کیا چاہتی ہوں ـــ
کس بات کی تلاش ہے ـــ
کس سمت خلاء باقی رہ گیا ہے ـــ
مگر ـــ سنو تو عمارہ بنتِ عمر ـــ
کیا ابا میاں نے گھر بیٹھ کر تم سے دو گھڑی باتیں کی ہیں ـــ



Waqar Azeem Pakistanipoint.Com

کیا بھائی جان اور ولید بھائی نے اپنی مصروفیات سے چند لمحے نکال کر تم سے کسی بھی موضوع پر بحث کی ہے۔

کیا ثوبان نے کبھی تحائف کے علاوہ تمہیں دو سطروں کا محبت نامہ ارسال کیا ہے ــــــ

پھر تم اس خلا کی موجودگی سے کیوں انحراف کرتی ہو ــــــ

تم عمارہ بنت عمر ــــــ اس بھرے پرے گھر اور دولت کی ریل پیل کے باوجود تنہا ہو ــــــ

ایک ماں کا سایہ نہیں تو کیا ہوا ــــــ تمہارے باپ ہیں بھائی ہیں پھر سب سے بڑی بات تمہارے منگیتر نے اپنی پسند سے تم کو اپنایا ہے۔ اس کے باوجود تم ذہنی رفاقت حاصل کرنے میں سخت ناکام رہی ہو۔ اسی سبب اس دشتِ تنہائی میں بھٹکتے بھٹکتے گھبرا گئی ہو بیزار ہو گئی ہو ــــــ

"اُف اللہ ــــــ" وہ بہت بے چین ہو کر اندر اٹھ آئی۔

دماغ خراب ہو گیا ہے میرا ــــــ

احمق ہوں میں ــــــ" اس نے اپنے آپ کو گھُرکا ــــــ

نیچے سے آنے والی قہقہوں کی آوازیں سن کر اس نے کان بند کر لئے ــــــ "کس قدر بدتمیز لوگ ہیں۔ محلے والوں کی نیند حرام کر رکھی ہے ــــــ" وہ جل بھن کر بڑبڑائی ــــــ

"پپا مجھے بھی امی جیسی ساڑھی لا دیجئے ــــــ" فارہہ کی آواز اس کے کانوں میں اترتی چلی گئی ــــــ

"ہونہہ ــــــ پیور سِلک کی کشمیری ساڑھی ہے میری، پورے دو ہزار کی ــــــ فارہہ بیگم دو ہزار کی ساڑھی پہنو گی تو کھاؤ گی کہاں سے۔ کُل تین ہزار تو تمہارے پپا کی تنخواہ ہے۔" اس کی سوچوں میں حقارت کا پہرہ تھا ــــــ

"وعدہ رہا۔ اب کے بونس پر تمہاری ساڑھی پکّی ہے ــــــ" حیات صاحب کی آواز کو نظر انداز کر کے اس نے الماری سے ساڑھی نکال کر دیکھی ــــــ

اتنی حسین اتنی مہنگی ساڑھی پچھلے ہفتے بھائی جان نے اس کو سالگرہ پر دی تھی ــــــ

نیچے سے بہت اونچے قہقہے اوپر آ رہے تھے ــــــ

اس نے دیوانگی کے عالم میں ساڑھی کو بری طرح مسل کر دور پھینک دیا ــــــ اور لحاف کو سر تک تان کر لیٹ گئی ــــــ

"ارے امی آج اٹھو گی نہیں کیا ــــــ" بھابی کے جگانے پر وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی "سوا آٹھ ہو رہے ہیں۔ مزنہ ابھی سو رہی ہے ہم آفس جا رہے ہیں۔ اچھا خدا حافظ ــــــ" بھابی ہاتھ ہلاتی ہوئی چل دیں ــــــ

وہ بہت سستی سے اٹھی ــــــ ناشتہ کر کے تیار ہو کر باہر آئی تو مزنہ ابھی تک سو رہی تھی۔ ابا میاں برآمدے میں بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے ــــــ

ابا میاں نے گردن موڑ کر اسے دیکھا پھر دوبارہ اخبار پڑھنے لگے ــــــ "کوئی کام ہے امی ــــــ" انہوں نے کچھ دیر بعد پوچھا ــــــ

"نہیں تو ــــــ"

"پیسے چاہئیے ہیں ــــــ"

"نہیں تو ابا میاں۔ میں تو ایسے ہی آ کر بیٹھ گئی تھی ــــــ" وہ چڑ کر بولی۔

"اچھا اچھا پھر بیٹھو ــــــ" ابا میاں نے اخبار کا دوسرا صفحہ اٹھاتے ہوئے اسے پچکار کر کہا ــــــ

مگر اچھا ہوا اسی وقت مزنہ آ گئی ــــــ ورنہ ابا میاں یقیناً اس کی آنکھوں میں آئے آنسو دیکھ لیتے ــــــ

وہ سارا دن اداس اداس پھرتی رہی ــــــ

وہ بچپن سے ہی ماں کی شفقت سے محروم تھی ــــــ شاید اسی سبب اس پر ہر وقت سنجیدگی اور اداسی چھائی رہتی تھی مگر عمارہ تو صرف ایک ماہ کی تھی جب بیگم حیات قیدِ بندِ حیات سے آزاد ہو گئی تھیں ــــــ" اس نے اپنے آپ کو تم جیسا کیوں نہ بنایا ــــــ" کسی کونے کھدرے سے آواز آئی ــــــ

اس کی آپا نے اسے ماں بن کر پالا ــــــ فریدہ نے دوستی کے خلا کو پُر کر دیا ــــــ حیات صاحب نے سارا وقت اس کے لئے وقف کر دیا ــــــ تمہارے لئے کس نے اتنی قربانی دی ــــــ

ابا میاں نے تم کو نرسری میں داخل کر دیا ــــــ

گھر پر ایک آیا رکھ دی ــــــ

کیا نرسری کی ننھی منّی بچیاں یا بوڑھی پھولن آیا تم کو وہ رفاقت دے سکی جو تم چاہتی تھیں ــــــ

برسرِ روزگار ہونے پر بھائیوں نے اچھے کپڑے اور قیمتی تحفے دے کر اپنا فرض پورا کیا ــــــ

ثوبان نے ایک محفل میں تم کو چپ چاپ بیٹھے دیکھ کر پسند کیا اور اپنے گھر والوں کے ذریعے یہ قیمتی انگوٹھی پہنا کر باہر چلے گئے انہیں اپنے پیشے سے جنون کی حد تک پیار ہے۔ شاید اسی لئے یہاں بھی تمہاری حیثیت ثانوی ہو گئی ہے۔ لوگ کہتے ہیں تم بہت خوش قسمت ہو۔ ثوبان جب واپس آئیں گے تو ہزار روپیہ روز کمائیں گے۔

کیا دولت ہر خوشی خرید سکتی ہے ــــ دل نے چپکے سے پوچھا
بالکل پاگل ہو تم بیگم عمارہ ــــ
دولت تو دنیا کی ہر چیز خرید سکتی ہے۔ حتیٰ کہ محبت بھی دولت کے آگے ہار جاتی ہے بک جاتی ہے ــــ یا پھر دست بردار ہو جاتی ہے ــــ

تم خود قنوطی ہو ہر لمحہ بھرپور توجہ چاہتی ہو۔ ہر وقت محبت کے نغمے سننا چاہتی ہو۔ چاہے اس کا گائیک کوئی بھی ہو ــــ

سوچو تو سہی اس مشینی دور میں بے اندازہ خواہشات کے ساتھ جبکہ ہر انسان گھن چکر بنا ہوا ہے کس کو فرصت ہے کہ تمہاری شخصیت کا تابع ہو کر رہ جائے۔

بھائی جان کے اپنے بیوی بچے ہیں ــــ ولید بھائی کی توجہ کا مرکز آمنہ ہے۔

اور ابا میاں ــــ دل نے پھر کچوکا ــــ

وہ بہت بے چین ہو کر منہ دھونے چلی گئی۔ سب لوگ آفسوں سے واپس آتے ہوں گے۔ ڈھلتے سائے دیکھ کر وہ کپڑے تبدیل کرنے چلی گئی ــــ وہ بال بنا رہی تھی کہ بھابی اور بھائی جان آ گئے ــــ

"ہیلو مزنہ! بھابی نے آتے ہی واکر میں کھیلتی مزنہ کو گود میں اٹھا لیا ــــ وہ تینوں اپنے کمرے میں چلے گئے ــــ

اس کا دل چاہا کہ وہ بھی واکر میں بیٹھ جائے ــــ

وہ اپنی سوچوں سے تنگ آ کر بھابی کے کمرے میں آ گئی۔

"کیا بات ہے طبیعت ٹھیک نہیں ہے کیا" بھابی نے اس کے اترے ہوئے چہرے کو دیکھ کر پوچھا ــــ

"نہیں تو ٹھیک ہوں ــــ"

"پھر چہرہ کیوں اترا ہوا ہے ــــ"

"پتہ نہیں کیوں سارا دن بور ہوتی رہتی ہوں شاید اس لئے" ــــ اس نے سادگی سے کہا ــــ

"بھئی یہ تو بڑی مشکل ہے ــــ مگر کیا کیا جائے مجبوری ہے تو ہاں دو سال سے پہلے واپس آنے سے رہے ــــ" بھابی نے چھیڑا۔

"کالج میں تمہاری کوئی سہیلی نہیں تھی کیا ــــ"

"ایک دو تھیں تو۔ ان میں سے ایک کی شادی ہو گئی ایک عرب چلی گئی" اس پر بے پناہ تنہائی کا بھوت سوار ہونے لگا ــــ

"فونا کے پاس چلی جایا کرو، اچھی خاصی لڑکی ہے۔ مگر تم کسی سے فری ہونا ہی نہیں چاہتی ہو شاید ــــ"

"ارے تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں ــــ" بھائی جان نے باتھ روم سے نکلتے ہوئے بھابی سے پوچھا ــــ

"بس ابھی تیار ہوئی ایک منٹ میں ہماری ہی تو بدلنی ہے جوڑ[ا] اور میک اپ تو پارلر سے کروا لیا تھا ــــ بھابی الماری سے کپڑے نکال[نے] لگیں۔ "کہیں جانا ہے کیا ــــ؟" اس نے بھائی جان سے پوچھا۔

"ہاں شاہد کی پروموشن ہو گئی ہے ــــ اس کا ڈنر ہے آج" بھائی جان جیکٹ کا بٹن لگاتے ہوئے بولے۔

وہ مزنہ کو اٹھا کر باہر آ گئی ــــ یہ تو روز کا معمول تھا۔

کہیں پارٹی ــــ کبھی ڈنر ــــ نہیں تو کوئی پکچر ہی سہی۔

کوئی رات ایسی نہیں ہوتی تھی جب بھابی اور بھائی جان ایک بجے سے پہلے گھر واپس آتے ہوں ... ولید بھائی بھی یہ وقت آمنہ کے پاس گزارتے تھے ــــ

ابا میاں کے دوست سلامت تھے ــــ

ایک وہ ہی تو تھی تنہا تنہا ــــ بھٹکی ہوئی روح کی طرح ادھ[ر] ادھر پھرتی رہتی تھی ــــ

ان لوگوں کے چلے جانے کے بعد وہ واکر سمیت مزنہ کو اٹھا کر ابا میاں کے پاس آئی۔ وہ اور سبحانی صاحب آج بھی شطرنج کھیل رہے تھے ــــ

"ابا میاں! میں نیچے حیات صاحب کے ہاں جا رہی ہوں ــــ" اس نے دروازے میں کھڑے ہو کر پوچھا ــــ

"اچھا اچھا جاؤ ــــ" ابا میاں نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا

اللہ ــــ ابا میاں بالکل ایسے ہی تو عبدل سے جاتے وقت کہتے ہیں ــــ پھر اداسی بھر وحشت ــــ وہ جلدی جلدی نیچے آ گئی

فارہہ برآمدے میں مرغا بنی ہوئی تھی۔

حیات صاحب، فونا اور فریدہ قہقہے لگا رہے تھے ــــ

"آہا ــــ آج تو امی آئی ہیں ــــ" فریدہ نے اسے حیران ورن[ہ] دروازے میں کھڑا دیکھ کر کہا ــــ

فریدہ کی آواز پر فارہہ اچھل کر کھڑی ہو گئی ــــ

"آؤ آؤ ــــ" فونا نے پکارا ــــ

"السلام علیکم! انکل" وہ مزنہ کا واکر نیچے رکھ کر ان لوگوں پاس آ گئی ــــ

"ان کو کیا ہوا تھا ــــ؟"

"ہم لوگ جیک سٹو کھیل رہے ہیں ــــ فارہہ کو سزا ملی ہے" فریدہ نے ہنستے ہوئے بتایا ــــ

"پرواہ نہیں پپا۔ اب کی بار آپ کے پاس جیک نکلا تو آپ کی باری ہے بکرا بننے کی ــــ" فارہہ ٹھوڑی کو ہاتھ لگا کر بولی۔

Waqar Azeem Pakistanipoint.Com

"اچھا مجھے بکرا بنائے گی نالائق کہیں کی ـــــ" حیات صاحب نے اس کا کان پکڑا ـــــ

ادھر عمارہ کے دل میں ٹوٹ پھوٹ ہونے لگی ـــــ

"اب نہیں کھیلتے ـــ امی سے باتیں نہیں کرو گی ـــ" حیات صاحب نے کارڈز سمیٹ لیئے۔

"کیسے موقع سے بھاگے ہیں آپ پپا ـــ سچ بڑے چالاک ہیں ـــ" فارہہ کپڑے جھاڑتی ان کے برابر آکر بیٹھ گئی ـــــ

"اللہ امی! تم اوپر کیا کرتی رہتی ہو۔ نیچے آجایا کرو ـــ" فونا نے بڑے خلوص سے کہا۔

وہ آہستہ سے مسکرا دی ـــــ

"ارے بھئی تم تو ہنسنے میں بھی کنجوس ہو ـــ میری بیٹیوں کو دیکھو کتنی ہنگامچی ہیں تینوں کی تینوں ـــ" حیات صاحب اسے یوں آہستہ آہستہ مسکراتے دیکھ کر بولے۔

"ابھی سے سنجیدہ بیگم نہ بنو ورنہ کچھ ہی دنوں بعد ڈاڑھی نکل آئے گی، ارتسمیدس جیسی ـــ" فریدہ کے لہجے نے اسے بیساختہ ہنسنے پر مجبور کر دیا ـــــ

"ہاں اب بات ہوگئی، گڈ شو ـــ" فونا نے اسے شاباش دی۔

"بس سوکھا ہی سوکھا گڈ شو رہے گا یا کچھ کھانے پینے کی بات بھی کرو گی ـــ" حیات صاحب نے ٹوکا۔

"پپا! آپ کو اپنے مطلب کی بات خوب یاد رہتی ہے ـــ" فونا ہنستی ہوئی کچن میں چلی گئی ـــــ

"پتہ ہے آج فونا نے مکئی کی روٹی اور سرسوں کا ساگ بنایا ہے"

فریدہ نے اطلاع دی ـــــ

"اچھا ـــ اس نے حیرت سے سوچا۔ انکے گھر تو اس قسم کی ثقیل چیزوں کی آمد ممنوع تھی۔ ابا میاں کا خیال تھا کہ یہ گنواروں کا کھانا ہے ـــ"

خوب تیز مرچوں والے سرسوں کے ساگ کو اس نے بڑے شوق سے کھایا۔ انکل اور فارہہ کھانے میں بھی چھین جھپٹ کرتے رہے۔

اس کا دل چاہ رہا تھا کہ کوئی اس کے ساتھ بھی ایسا ہی مذاق کرے

اس کے گھر میں تو سب مشکل ہی سے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔

بھابی بھائی جان لنچ اپنے آفسوں میں لیتے تھے۔

ولید بھائی سینڈوچز بنوا کر لے جاتے تھے۔ ابا میاں صبح کا ناشتہ نہیں کرتے تھے اس وجہ سے دوپہر کا کھانا گیارہ بجے ہی کھا لیتے تھے۔ دوپہر کا کھانا اسے اکیلے ہی کھانا پڑتا تھا۔

رات کو بھابی اور بھائی جان اکثر باہر کھانا کھاتے تھے۔ ولید بھائی آمنہ کے گھر اور ابا میاں مغرب کی نماز پڑھ کر کھانا کھا لیتے تھے

وہ پھر رات کو اکیلی ہی رہ جاتی تھی ـــــ

کتنا سکون تھا ـــ ان کے چھوٹے سے اپارٹمنٹ میں ـــــ

اس نے چاروں طرف گردن گھما کر ان کا گھر دیکھا ـــ ابا میاں نے گراؤنڈ فلور کے دو حصے کر دیئے تھے ـــ بڑا والا حصہ بینک کو کرائے پر دیا ہوا تھا ـــ اور چھوٹا حصہ ان لوگوں نے کرایہ پر لیا ہوا تھا ـــ

"پھر کچھ سوچنے لگیں ـــ" انکل نے اسے ٹوکا ـــ

"نہیں ـــ" وہ گڑبڑا کر ہنس پڑی ـــ "میں تو دیکھ رہی تھی کہ فونا نے گھر بڑی اچھی طرح سیٹ کیا ہوا ہے" اس نے بات بنائی۔

"ارے کہاں ـــ یونہی کباڑ پھیلا ہوا ہے ہر طرف ـــ" فونا برتن رکھ آئی تھی "آؤ دکھاؤں تم کو ـــ" فریدہ نے ہاتھ پکڑ کر اٹھا لیا

اس نے مزنہ کو واکر سے اٹھایا اور فریدہ کے پیچھے پیچھے آگئی۔

باقی سب لوگ بھی ساتھ ہی تھے۔

بڑا کمرہ ان لوگوں کا مشترکہ بیڈ روم تھا۔

"تم سب ایک ہی کمرے میں سوتے ہو ـــ" اس پر پھر حسرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ـــــ

"ہاں کیوں؟ کیا نہیں سونا چاہیئے؟ ہم لوگ رات گئے تک جاگتے رہتے ہیں اس لئے ایک کمرے میں سونے میں بڑا مزا آتا ہے ـــ" فارہہ نے وضاحت کی ـــــ

چھوٹا کمرہ سب کا مشترکہ اسٹڈی روم تھا ـــ چاروں کونوں میں چار میزیں لگی ہوئی تھیں ـــ ان پر سب کی کتابیں سجی ہوئی تھیں سامنے والی دیوار کے ساتھ بڑی سی چار خانوں والی الماری تھی۔ یقیناً یہ بھی ان لوگوں کی مشترکہ الماری ہوگی ـــ اس پر آپ ہی آپ اداسی کا دورہ پڑنے لگا ـــــ

اسٹڈی روم کے برابر ڈرائنگ روم تھا ـــ کھانے کی میز برآمدے میں پڑی ہوئی تھی ـــــ

مزنہ رونے لگی تو اسے اوپر آجانا پڑا ـــــ

مزنہ کو سلا کر وہ گیلری میں کھڑے ہو کر نیچے دیکھنے لگی۔ انکل کچن میں بیٹیوں کے ساتھ برتن دھلوا رہے تھے ـــ نجانے وہ کیوں بہت بے چین ہو کر واپس کمرے میں آگئی ـــ اسے سخت نیند آرہی تھی مگر مزنہ کی وجہ سے بھابی بھائی جان کے آنے تک جاگنا تھا۔ ابا میاں ابھی تک شطرنج کی چالوں سے الجھے ہوئے تھے ـــــ

وہ برآمدے میں ٹہلتی رہی ـــــ

تھوڑی دیر بعد ولید بھائی آگئے ـــــ

"ارے جاگ رہی ہو اب تک ـــ" انہوں نے اسے ٹہلتے دیکھ کر پوچھا ـــــ

Waqar Azeem Pakistanipoint.Com

"ہاں مزنہ کی وجہ سے جاگنا پڑ رہا ہے۔" اس نے جمائی لے کر کہا۔
"کیوں بھائی وغیرہ کہاں ہیں ـــ؟"
"شاہد صاحب کی پروموشن ہو گئی ہے اس کے ڈنر میں گئے ہیں ـــ آج آپ جلدی کیسے آگئے ـــ" اس نے محض بات کرنے کی خاطر اس سے پوچھا ـــ
"یہ جلدی ہے ـــ" ولید بھائی نے گھڑی اس کے آگے کر دی۔
"تم مزنہ کی کھاٹ اپنے کمرے میں ڈال لو نا۔ روز روز کہاں تک جاگو گی۔"
ولید بھائی مشورہ دے کر جمائیاں لیتے ہوئے اپنے کمرے میں چلے گئے۔
ٹپ ٹپ کئی آنسو قطار در قطار نکل پڑے ـــ
وہ برآمدے میں پڑی ایزی چیئر پر بیٹھے بیٹھے سو گئی۔
نجانے کب یہ لوگ واپس آگئے ـــ
ابا میاں نے اسے اٹھا کر کمرے میں بھیج دیا۔ وہ نیند میں اتنی مدہوش تھی کہ لڑکھڑاتی ہوئی اپنے بیڈ پر آکر لیٹ گئی۔
دوسرے دن اس کے گھر میں مزنہ کے لئے ایک کل وقتی آیا آگئی ـــ مارگریٹ عرف میگی۔
سیاہ فام عیسائی مدراسن جس کی صورت دیکھتے ہی مزنہ نے سارا گھر سر پر اٹھا لیا۔
اسے نہ اردو ڈھنگ سے آتی تھی نہ انگلش۔ عمارہ کو اس کی گنگا جمنی بولی بہت مشکل سے سمجھ میں آتی تھی ـــ
اس نے آتے ہی ایمی کو ایمے بنا دیا تھا ـــ
مگر پھر بھی عمارہ کو اپنی تمام تر بے ڈھنگی حرکتوں کے باوجود گوارا تھی۔ اسے بہت عرصہ بعد گھر میں مزنہ کے علاوہ کسی انسان کی صورت نظر آئی تھی ـــ
لیکن یہ شوق بھی ہفتہ بھر میں ہوا ہو گیا ـــ میگی صاحبہ نہ تو ایمے کی بات سمجھ پاتی تھیں اور نہ اپنی سمجھا پاتی تھیں۔ ہاں البتہ مزنہ چونکہ ابھی زبان کے مسئلے سے آزاد تھی اس وجہ سے میگی کے ـــ آ چڑیا آ کے بجائے کم کرو crow، کم آن ـــ سن کر ہی بہل جاتی تھی۔ مگر ایمی کو اب اس کی مسلسل ٹک ٹک بلائے جان لگنے لگی تھی ـــ اس دن وہ میگی سے سارا دن کی سر مغزی کے بعد بہت عاجز آکر نیچے فونا کے پاس چلی آئی ـــ
"کیا ہو رہا ہے؟" اس نے اپنے تئیں بہت خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا ـــ "آ جاؤں ـــ؟" ان لوگوں کو کسی چیز پر جھکا ہوا دیکھ کر اس نے زور سے پوچھا ـــ
"ہاں ہاں بھئی آ جاؤ۔ جم جم آؤ۔" انکل کا جواب بھی اسی رفتار کا تھا ـــ

"کیا ہو رہا تھا۔" اس نے کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔
"لو تم بھی دیکھ لو۔ یہ منصور علی ہیں ان سے فونا کی بات پکی ہو گئی ہے یہ میرے ساتھ ہی سروس کرتے ہیں یہ دوسرے فریدہ والے ہیں صفدر رجاء یہ نیشنل سیونگ میں منیجر ہیں"۔ انکل نے دونوں تصاویر اس کو دیدیں اُسے یاد آیا بھابی نے تو ان کے متعلق بتلاتے ہوئے اس کو یہ اطلاع دی تھی کہ ابا میاں نے تو منظوری دیدی ہے۔ اگر فرض کیا تو ان مجھے پسند نہ آئے تو۔
"کیسے لگے دونوں۔"
انکل اسے واپس لے آئے۔
"گڈ۔ بہت اچھے۔ اللہ مبارک کرے۔"
اس کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔
"اچھا دادی اماں۔"
فریدہ نے قہقہہ لگا کر کہا۔
"اچھا ہے یہ دونوں جلدی سے دفعان ہوں گی پھر میں اور پپا آرام سے رہا کریں گے"۔ فارہہ نے ان دونوں کو چڑایا۔
"بڑی آئی پپا کی چہیتی۔ ہم روز آیا کریں گے۔"
فونا نے فارہہ کے ایک دھپ لگائی۔
"کب تک کھسکنے کا ارادہ ہے۔"
عمارہ نے فونا سے پوچھا۔
"پپا نے اگلے ماہ کی گیارہ تاریخ طے کی ہے۔"
اس نے آہستہ سے بتایا۔
اگلے ماہ کی گیارہ تاریخ کا درمیانی وقت پر لگا کر اڑ گیا عمارہ کو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ انکل نے سگھڑ عورتوں کی طرح دونوں کا مکمل جہیز تیار کر رکھا تھا۔
شادی والے دن عمارہ اپنی پیور سلک کی کشمیری ساڑھی پہن کر نیچے آئی تو فارہہ کو بالکل ویسی ساڑھی پہنے چہکتے دیکھ کر کچھ بجھ سی گئی۔
کاش یہ ساڑھی اُسے بھی زبردست فرمائش اور ضد کے بعد ملی ہوتی۔ وہ بہت مشکل سے اپنے آپ کو سنبھال کر تقریب میں شریک ہوئی۔ ان دونوں کی رخصتی کے بعد انکل کا گھر بھی خاصا سنسان ہو گیا تھا۔ وہ فارہہ کو اکیلے گھر میں گھومتے دیکھ کر بہت خوش ہوتی اور باوجود اس کے اصرار کے نیچے نہ جاتی۔ شام کو انکل آجاتے تو بچوں کی طرح فارہہ کے ساتھ اچھل کود کرتے رہتے۔ ادھر فونا اور فریدہ بھی روز شام کو منصور علی اور صفدر رجاء کے ساتھ آجاتیں تو نچلے حصے میں یہ آجاتی۔ فارہہ نے اُسے بلانا چھوڑ دیا تو وہ خود ہی آنے لگی۔ پھر

Waqar Azeem Pakistanpoint.com

اُسے ایسی عادت ہوگئی کہ دوپہر کا کھانا فارہہ کے ساتھ ہی کھانے لگی تھی فارہہ کے ساتھ اُسے پتہ ہی نہ چلتا تھا کہ دِن کب ڈھلا اور رات کب دبے پاؤں انکل کے آنگن میں اُتر آئی۔

ثوبان کے آنے تک کا وقت بہت آرام سے گزر جاتا مگر ایک دوپہر منگی صاحبہ بھابی کا سیف توڑ کر سارا زیور اور روپیہ نکال کر چمپت ہوگئیں۔ تو اُسے دوبارہ اپنی پرانی روش پر واپس آنا پڑا۔ فارہہ کی اِس سے اتنی دوستی ہوگئی تھی کہ وہ جلدی جلدی اپنا کام نبٹا کر اُوپر آجاتی تھی۔ سردیاں ختم ہوئیں تو فونا پنڈی چلی گئیں ادھر فریدہ کے شوہر کا تبادلہ سنگاپور ہوگیا۔ ان دونوں کے ایکا ایکی اتنی دور چلے جانے سے انکل اور فارہہ پر بڑا اثر پڑا وہ دونوں بجھ کر رہ گئے۔

مگر نجانے کیوں عمارہ کا اس دن موڈ بہت خوشگوار رہا وہ سارا دن فارہہ اور انکل کو ہنساتی رہی۔ شام کو ان لوگوں نے بیچ پر جانے کا پروگرام بنایا وہ ابا میاں سے اجازت لے کر اپنی گاڑی لے آئی۔ فارہہ سارے راستے گانے سناتی رہی انکل ہولے ہولے تالیاں بجاتے رہے وہ کئی بار گھر والوں کے ساتھ ہاکس بے جاچکی تھی مگر آج کی شام اسے بہت بھرپور اور نئی لگی۔

فارہہ پانی میں جانے کی ضد کرنے لگی تو انکل ان دونوں کو بازوؤں سے پکڑ کر کمر تک پانی کے اندر لے گئے۔ اسکا دل چاہ رہا تھا کہ پانی کی ایک بڑی سی لہر آکر ان تینوں کو ہمیشہ کے لئے اندر چھپا لے اور یہ لمحات امر ہوجائیں۔ وہ کافی دیر آنکھیں بند کئے انکل کے ہاتھ کو محسوس کرتی رہی۔

فارہہ پانی میں اچھل اچھل کر ٹانگیں چلا رہی تھی۔

اس کے اڑائے ہوئے چھینٹوں سے وہ تینوں بھیگ گئے

"فرو دیوانی ہوگئی ہے بالکل چل اب۔"

انکل ان دونوں کو گھسیٹتے ہوئے باہر لے آئے۔ وہ کبھی اتنی دیر پانی میں نہ رہی تھی۔ باہر آتے ہی چھینکیں آنے لگیں۔

"تو نے اس کو بھی مروا یا اپنے ساتھ۔ فرو اب تجھے اپنی پاکٹ منی سے جبیس میں چائے پلانی پڑے گی۔

"توبہ ہے پیا آپ کی نظر تو ہر وقت میری پاکٹ منی پر رہتی ہے" "قرض دوں گی اور واپس سود در سود کے ساتھ لوں گی۔"

فارہہ نے شرط لگائی۔

"مسلمانوں پر سود قطعی حرام ہے۔"

انکل نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔ پھر چھینکا۔

"چھینکتے ہوئے دیکھ لیجئے ہمیں کھڑے کھڑے۔" میں ایک پائی نہیں دینے کی۔

فارہہ نے ہری جھنڈی دکھائی۔

"بس تیرا پرس چھین کر چمپت ہوجاؤں تب۔"

انکل نے اُسے دھکا دیا۔

"وہ دیکھئے سامنے پولیس کھڑی ہے۔"

فارہہ کب ہار ماننے والی تھی۔

"دیکھا ابھی تم نے۔ یہ مجھے پولیس کے حوالے کرنے کو کہہ رہی ہے۔"

"ٹھیک ہی تو ہے پرس اُڑانے والوں کی یہی سزا ہوتی ہے"

اِس نے بھی فارہہ کا ساتھ دیا۔

"اچھا تھالی کی بینگن کہیں کی۔"

انکل نے اُسے آنکھیں دکھائیں۔

"آپ چاہے آنکھیں دکھائیں چاہے ناک کان چائے تو آپ ہی کے ذمے ہے۔ آپ ہی مجھ کو پکڑ کر پانی میں لے گئے تھے۔"

اب کے عمارہ نے بھی ان کو تنگ کیا۔

"اچھا بچو سمجھوں گا تم دونوں کو۔"

انکل جبیس میں جاتے ہوئے بولے۔

وہ ساری رات خوابوں میں بھی ساحل سمندر پر انکل کا بازو تھامے گھومتی رہی۔

لگتا تھا جیسے بہار دبے پاؤں آکر ذہن کے ہر گوشے پر قابض ہوگئی ہو۔ یا کوئی اور جذبہ تھا جس کے دھنک رنگ چاروں طرف آپ ہی آپ پھیل گئے تھے۔

دن تھے کہ سپر سانک طیاروں کی سی تیز رفتاری سے گزرے جا رہے تھے۔ بھائی جان کو مزید ٹریننگ کے لئے سوویت یونین جانا پڑا تو ان کے جانے سے پہلے ابا میاں آمنہ کو بیاہ لائے یوں بھابی کی کمی کسی حد تک پوری ہوگئی۔ ولید بھائی بھی آفس کے بعد کا وقت گھر پر ہی گزارنے لگے۔

مگر وہ پھر بھی تنہا ہی کی تنہا رہ گئی۔

آمنہ اس کی فرسٹ کزن تھی۔ مگر طبیعتوں میں تضاد کے سبب اس کی کبھی آمنہ سے نہ بنی۔ اور اب بھابی بن جانے کے بعد بھی آمنہ نے وہی رویہ اختیار رکھا تو وہ خود بخود آمنہ سے دور ہوتی چلی گئی۔ فارہہ اب بھی اس کی پرخلوص دوست تھی حالانکہ دونوں کی عمر میں کوئی خاص فرق نہ تھا مگر فارہہ اُسے بچی لگتی تھی۔ فارہہ سے زیادہ اُسے انکل کی صحبت میں وقت گزار کر سکون ملتا تھا۔ انکل روزِ اول کی طرح آج بھی انتہائی پرجوشی سے اس کے ساتھ پیش آتے تھے دن بڑے سکون سے گزر رہے تھے کہ ثوبان کی واپسی کا پروانہ آگیا۔ اِس کے گھر والوں کے علاوہ فارہہ بھی اس کے ساتھ ایئرپورٹ گئی۔ تھکا دینے والے بیزار کن انتظار کے بعد جب ثوبان کسٹم کے مراحل سے گزر کر "ان" تک آئے تو وہ آپ ہی آپ گھبرا گئی۔ لوگوں کا ہجوم ان کے ساتھ تھا۔ "السلام علیکم۔"

انہوں نے اِس کے پاس سے گزرتے ہوئے لمحہ بھر کو رک کر کہا۔

Wadar Azeem
pakistanipoint.com

وہ سر ہلاتی ہی رہ گئی، کہ ثوبان کے دوستوں نے انہیں گھیر لیا اور وہ آگے بڑھ گئے۔

وہ رات بھر دل کو سمجھاتی رہی۔

"تو اور کیا کرتے اتنے لوگوں میں۔ اور کس طرح ملتے میں تو پاگل ہوں پوری۔" وہ بہت لعنت ملامت کر کے سونے کی کوشش کرتی رہی دوسرے دن وہ صبح ہی سے تیار بیٹھی رہی۔ فون کی ہر بیل پر بھاگ کر فون اٹھاتی مگر نہ ثوبان آئے نہ ہی انہوں نے فون کیا۔

اُس رات اُس نے اپنے آپ سے بڑی محنت لڑائی کی

تیسرے دن اس نے سوچا ہو سکتا ہے ثوبان میرے فون کا انتظار کر رہے ہوں۔ میں بھی کتنی بد اخلاق ہوں۔ انہیں پلٹ کر پوچھا بھی نہیں آخر کو وہ میرے منگیتر ہیں۔ اس نے بے شمار مچلتے ہوئے جذبوں کو یک جا کر کے ثوبان کو فون کیا تو پتہ چلا کہ وہ اپنے کلینک کے سلسلے میں مصروف ہیں۔ اس نے نام بتائے بغیر ہی فون رکھ دیا آنکھوں میں آتے ہوئے آنسو پی کر وہ نیچے آ گئی۔

آج چھٹی کا دن تھا۔ فارہہ اور انکل مل جل کر گھر کی صفائی کر رہے تھے۔ وہ بھی ان میں شامل ہو گئی۔ فارہہ سارا کچرا جمع کر کے باہر پھینکنے گئی تو اس نے انکل سے بہت بے معنی سوال کیا۔

"انکل جب فارہہ کی شادی ہو جائے گی تو آپ اکیلے کیسے رہیں گے۔"

"ہم فارہہ کے دولہا کو گھر داماد رکھ لیں گے۔"

انکل نے ڈسٹنگ کرتے ہوئے اطلاع دی۔

"اور اگر ایسا کوئی نہ ملا تو۔"

اس نے نہ جانے کیوں پوچھا۔

"تو پھر اکیلے ہی رہ لیں گے۔ جو خدا کو منظور۔"

انکل خوش دلی سے بولے۔

"آپ دوسری شادی کیوں نہیں کر لیتے؟"

اس نے دل کی بات کہہ ڈالی۔

"اب اس عمر میں۔ کیوں مجھے بیکار بے نالائق۔" انکل نے ہنس کر کہا۔

"ہاں کیا ہوا آپ عمر تو کہیں سے نہیں لگتے۔ اور پھر آپ تو آجکل کے لاپرواہ نوجوانوں سے زیادہ بہتر اور توجہ دینے والے شوہر ثابت ہو سکتے ہیں۔" وہ سنجھا کا کریلش ٹرے صاف کرتے کرتے بولی۔

انکل چونک کر پلٹے اور بہت غور سے ایمی کو دیکھنے لگے وہ بہت افسردہ اور تھکی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

اتنے میں فارہہ واپس آ گئی۔

"معزز حاضرین چائے تیار ہے۔" اس نے تھوڑا سا جھک کر اطلاع دی یہ لوگ بھی ہاتھ دھو کر برآمدے میں آ گئے۔

"تمہارے سیاں جی نظر نہیں آتے۔ حالانکہ میں ہوتی ان کی جگہ پھرتی تو آنے بہانے کرتی تیرے آنگن میں ....." فارہہ کے پوچھنے پر اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

"وہ اپنے کلینک کے سلسلے میں مصروف ہیں۔" ایمی نے آہستہ سے جواب دیا۔

"اچھا اب میں چلتی ہوں۔" وہ چائے کے آخری گھونٹ کے ساتھ ہی اٹھ کھڑی ہوئی اور فارہہ کے اصرار کے باوجود اوپر آ گئی۔

یہاں پر بہت غیر متوقع طور پر ثوبان کو ابامیاں سے باتیں کرتے دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"السلام علیکم کیسی ہیں۔" انہوں نے رک کر پوچھا۔

"ٹھیک ہوں۔" وہ گڑبڑا کر بولی اور پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ اپنے کمرے میں آ گئی۔

ابامیاں کے پاس سبحانی صاحب آ گئے تو ثوبان اٹھ کر اس کے پاس آ گئے وہ بالکونی پر جھکی ہوئی سڑک پر گزرنے والی ٹریفک کو دیکھ رہی تھی۔

"آج آپ نے فون کیا تھا۔" انہوں نے پوچھا۔

"جی۔" ایمی نے آہستہ سے جواب دیا۔

"صبوحہ نے بتایا تھا کہ کسی لڑکی کا فون آیا تھا۔ مجھے شک گزرا کہ شاید آپ نے فون کیا ہو۔ کوئی کام تھا کیا۔" انہوں نے سگار جلاتے ہوئے پوچھا۔

وہ جھلس کر رہ گئی۔

"میں جو ایکسرے پلانٹ ساتھ لایا ہوں اس کو نصب کروانے میں آجکل بہت مصروف ہوں پھر کلینک ابھی تک ادھورا پڑا ہے اسے بھی مکمل کروانا ہے اسی کے اوپر میں اپنا فلیٹ بھی بنوا رہا ہوں۔" ثوبان اسے چپ دیکھ کر خود ہی بولنے لگے۔

"کتنا عرصہ لگے گا ان سب کاموں میں" اس نے آواز سنبھال کر پوچھا

"کم از کم چھ ماہ تو لگ ہی جائیں گے۔" ثوبان سادگی سے بولے۔

اسے ایسا لگا جیسے آگ کے بڑے بڑے دہکتے ہوئے پہاڑ اس پر گر پڑے ہوں۔

"پاپا پرسوں میری واپسی کے سلسلے میں ڈنر دے رہے تھے اس وقت انکل کو اسی کی اطلاع دینے آیا تھا۔ ابھی مجھے ایئرپورٹ جانا ہے کچھ سامان آنے والا ہے۔ اچھا خدا حافظ۔" ثوبان نے جذبات سے عاری لہجے میں کہا اور اس کا جواب سنے بغیر چلے گئے۔

کب کا رکا سیلاب سارے بند توڑ کر بہہ نکلا وہ بالکونی پر منہ رکھے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی کہ فارہہ نے اسے اپنی طرف موڑا۔ "ارے تمہیں کیا ہوا۔ چلے گئے تمہارے سیاں جی خیریت تو ہے" اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"ہاں دفعان ہو گئے اور خبردار جو تم نے ان کو سیاں جی کہا میں نہیں کروں گی ان سے شادی۔ جاؤ ابامیاں سے کہہ دو میں اس بے حس انسان سے ہرگز شادی نہیں کروں گی۔" وہ ہچکیوں کے درمیان اس سے کہتی رہی۔

ادھر فارہہ کی شوخی رفو چکر ہو گئی۔ وہ زندگی کے اس نئے موڑ پر بوکھلا

Waqar Azeem Paksitanipoint.Com

اٹھی تھی۔ اسے عمارہ بہت پسند تھی اور یہ بھی پتہ تھا کہ ثوبان کو بھی عمارہ پسند ہے مگر آج عمارہ کے منہ سے انکار سن کر وہ اتنی پریشان ہوئی کہ عمارہ کو چپ بھی نہ کرا سکی سننے ابامیاں سے تو کچھ نہ کہا۔ ہاں البتہ چپ چاپ نیچے آگئی اور بیا کو ساری روئیداد کہہ سنائی۔

ساری رات رونے کے سبب دوسرے دن اسی کو بلا بھوت کا بخار چڑھا بیٹھا۔ تیسرے دن ثوبان کے ہاں ڈنر میں صرف وہی گھر پر تھی باقی ابامیاں آمنہ اور ولید بھائی فارعہ کو اس کے پاس بٹھا کر چلے گئے تھے۔ وہ فارعہ سے کچھ نہ بولی چپ چاپ منہ ڈھانکے پڑی رہی فارعہ نے بھی خاموشی سے ڈائجسٹ پڑھتے رہنے میں عافیت سمجھی —— دل چپکے چپکے کہہ رہا تھا کہ ثوبان لاکھ لاپرواہ سہی مگر تمہاری بیماری کا سن کر دوڑے آئیں گے ——

مگر صبح آمنہ نے بتایا کہ ثوبان آج صبح ہی صبح پنڈی چلے گئے ...... دوپہر تک اس کا بخار اور بھی تیز ہو گیا ——

آمنہ کے بھانجے کی سالگرہ تھی۔ وہ شام کو ولید بھائی کے ساتھ اپنے میکے چلی گئی ——

ابامیاں گیراج سے بنے کمرے میں بیٹھے حسب معمول شطرنج کھیل رہے تھے۔ وہ بہت گھبرا کر ابامیاں سے پوچھے بغیر نیچے آگئی فارعہ اور انکل لوڈو کھیل رہے تھے وہ چپ چاپ اندر جا کر فارعہ کے بیڈ پر لیٹ گئی اس کے اس طرح لیٹ جانے سے انکل اور فارعہ دونوں پریشان ہو کر اندر آ گئے ——

انکل نے اس کا ماتھا چھو کر دیکھا اسے بخار اب بھی کافی تیز تھا فارعہ نے جلدی سے کمبل اس پر ڈالا۔ انکل فرج سے پانی نکال کر ماتھے پر رومال بھگو بھگو کر رکھنے لگے ——

" فرح چائے بنا لاؤ —— " انہوں نے آہستہ سے کہا ——

کچھ سکون ملنے پر اس نے آنکھیں کھولیں تو انکل کو پاس بیٹھے پایا۔ اس کا دل چاہا کاش ان کی جگہ ثوبان ہوتے —— مگر ثوبان تو اس وقت پنڈی میں ہوں گے —— یہ خیال آتے ہی پھر سر میں دھماکے ہونے لگے۔ اس نے بہت سختی سے آنکھیں بند کر لیں مگر آنسو نرمی سے نکل پڑے ——

" یہ کیا حماقت ہے۔" انکل نے اسے روتے دیکھ کر گھرکا —— وہ اور بھی بے چین ہو کر رونے لگی

فارعہ چائے لے آئی۔ ان تینوں نے گونگے بن کر چائے پی لی —— چائے پی کر وہ بے خبر سو گئی

رات گئے جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی —— انکل اور فارعہ اب بھی اس کے سرہانے بیٹھے ہوئے تھے —— اس نے گردن موڑ کر دیکھا گھڑی ساڑھے دس بجا رہی تھی وہ سات بجے سے سو رہی تھی "بس اوپر جاؤں گی" اس نے اترتے ہوئے کہا ——

فارعہ بہت خاموشی سے سہارا دے کر اسے اوپر چھوڑ آئی —— ولید بھائی اور آمنہ اپنے کمرے میں تھے ابامیاں برآمدے میں بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے ——

" اب کیسی ہو ——" انہوں نے پروگرام دیکھتے دیکھتے پوچھا

—— کیا ہونا تھا مجھے —— اس نے کھسیا کر جواب دیا اور کمرے میں جا کر دروازہ بند کر لیا ——

لائٹ جلا کر اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھی ساری دوا اٹھا کر باہر سڑک پر پھینک دی ——

اور پھر بہت مطمئن ہو کر سو گئی ——

صبح وہ جب ناشتہ کر رہی تھی تو اس نے سنا ابامیاں فون پر بات کر رہے تھے ——

یہ شاید ثوبان کا فون تھا —— ابامیاں وعدہ کر رہے تھے کہ حیات صاحب سے کہہ کر اسکا کام ضرور کروا دیں گے ——

وہ انتظار کرتی رہی ابامیاں نے اسے نہ بلایا نہ ہی پندرہ منٹ کی گفتگو کے درمیان میں اس کا نام ہی آیا۔

اس نے چائے تھوڑی چھوڑ دی اور منہ میں رکھا ہوا توس کا ٹکڑا بہت مشکل سے نگلا اور اٹھ کر کمرے میں آگئی ——






Waqar Azeem Pakistanipoint.Com

کئی دنوں کی مسلسل جگار کی وجہ سے تھوڑی ہی دیر میں نیند کا غلبہ دوبارہ طاری ہو گیا ——

شام کو جب وہ سو کر اٹھی تو کافی فریش تھی ——

وہ تیار ہو کر باہر نکلی تو فون بج اٹھا.... نزدیک کوئی اور نہ تھا مجبوراً اُسے ہی اٹھانا پڑا ——

" ہیلو —— "

میں ثوبان بول رہا ہوں ایمی —— حیات صاحب بتا رہے تھے کہ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ اب کیسی ہیں ——

سارا تنکدر لمحہ بھر میں ڈھل گیا ——

" اب تو ٹھیک ہوں —" اس نے خوش دلی سے کہا ——

" اچھا تو میرا ایک کام کر دیجئے۔ میں کافی دیر سے ٹرائی کر رہا ہوں حیات صاحب کا فون شاید ڈیڈ ہو گیا ہے آپ نیچے کہلوا دیجئے کہ میں ابھی آ رہا ہوں حیات صاحب کہیں نہ جائیں —— "

" جی بہتر —" اس نے جل بھن کر فون پٹخ دیا ——

عبدل انڈے ڈبل روٹی لینے جا رہا تھا اس نے خود نیچے جانے کی بجائے عبدل سے ثوبان کا پیغام کہلوا دیا ——

اور خود لیٹ کر رسالہ پڑھنے لگی ——

گاڑی کے ہارن سے پتہ چلا کہ ثوبان نیچے آ گئے ہیں اور پھر تھوڑی ہی دیر بعد شاید انکل کو لے کر چلے گئے — تو فارہہ اس کے پاس آ گئی — ابھی ثوبان صاحب آئے تھے — فارہہ نے اطلاع دی ——

وہ بہری بنی رسالہ پڑھتی رہی ——

فارہہ اس کے برابر آ کر لیٹ گئی ——

" ایک بات بتاؤں —" اس نے آہستہ سے پوچھا ——

" ہاں بتاؤ —" ایمی نے رسالہ بند کر کے پوچھا ——

وہ فریدہ کے دیور ہیں نہ حیدر جاہ — جلد ہی ان کا پرپوزل آنے والا ہے مگر مجھے ڈر ہے پپا انکار کر دیں گے انہیں اپنا بہاری کولیگ ابو فضل پسند ہے — کیونکہ وہ ہمارے گھر رہنے پر تیار ہے" فارہہ نے تفصیل بتائی۔ " تم کیا چاہتی ہو —" ایمی نے اس سے پوچھا ——

" مجھے حیدر جاہ پسند ہے مگر میں پپا کی بات ٹالنا بھی نہیں چاہتی دراصل حیدر بہت جلد مانٹریال جانے والے ہیں۔ شاید اس لیئے پپا انکار کر دیں —"

" یہ تو سچ ہے وہ یقیناً انکار کر دیں گے۔ کیوں کہ وہ اکیلے کیسے رہ سکتے ہیں" ایمی نے کچھ سوچ کر کہا ——

" میں پپا سے مسلسل کہہ رہی ہوں کہ آپ دوسری شادی کر لیں آخر آپ تنہا کیسے رہیں گے۔ آپ کا بھی کوئی ساتھی ہونا چاہیئے مگر وہ یہ موضوع درمیان ہی میں نہیں آنے دیتے —— "

ایمی ایکا ایکی اٹھ کر بیٹھ گئی ——

" اچھا میں سمجھاؤں گی۔" اس نے باتھ روم جاتے ہوئے کہ

شام کو جب ولید بھائی اور آمنہ پکچر چلے گئے تو وہ نیچے آ گئی — انک اور فارہہ چائے پی رہے تھے ——

بیٹھو تمہارے لیئے بھی چائے لاتی ہوں —" فارہہ بیچ اٹھ گئی ——

" تمہاری طبیعت اب کیسی ہے —" انکل نے پوچھا ——

" اب تو ٹھیک ہوں —"

" کل تو تم نے ڈرا ہی دیا تھا —" انکل ہنس کر بولے ——

" مجھے افسوس ہے کہ آپ لوگوں کو تکلیف دی ——

" ماروں گا ایک ہاتھ کیسی غیروں جیسی باتیں کرتی ہے —" انکل نے پیار سے چپت لگائی ——

" میں بہت اپنی لگتی ہوں آپکو —" اسکا لہجہ بڑا پیاسا تھا ——

" تم کو کیسا لگتا ہے کیا ہم لوگ تمہیں غیر سمجھتے ہیں —" انکل نے الٹا اس کو پکڑ لیا ——

" فی الحال چائے نہ ملی ہو تو پپیتہ ڈال دو —" انہوں نے بات ٹا

" آج پپا ایمی کے لیئے حلوا بنا رہی تھی —" فارہہ نے کچن جھانک کر جواب دیا ——

" اوہو بڑے لاڈ ہو رہے ہیں ایمی کے۔ خیر تو ہے کا کی رشوت دی جا رہی ہے —" انکل نے اسے چھیڑا ——

" میں بغیر کسی رشوت کے اسکا ہر کام کرنے کو تیار ہوں آپ حیدر جاہ کے لیئے کیا سوچا ہے —" ایمی نے اچانک پوچھ ہی لیا ——

انکل حیران ہو کر اسے دیکھنے لگے ——

" دو ماہ بعد مانٹریال جا رہے ہیں —" اگر ان کا پیغام منظور کر لی تو اس کا مطلب ہے مجھے یہاں اکیلے ٹامک ٹوئیاں مارنی پڑیں گی

" آپ بڑے خود غرض ہیں محض اپنے آرام کی خاطر اس کی راہ میں حائل ہو رہے ہیں —" ایمی نجانے کیوں تلخ ہو گئی ——

انکل منہ کھولے اسے دیکھتے ہی رہ گئے ——

" آپ کو اگر اتنا ہی تنہائی کا خیال ہے تو شادی کر لیجئے —"

انکل پھر بھی کچھ نہ بولے — تو اسے آپ ہی آپ غصہ آنے لگا وہ مزید انہیں کچھ نہ کہہ سکی تو اٹھ کھڑی ہوئی ——

ثوبان آپ کے پاس آتے رہتے ہیں ان سے کہہ دیجئے گا میں ان جیسے بے حس انسان سے شادی ہرگز نہیں کروں گی —" اس نے عجلت میں جملہ پورا کیا اور بھاگ کر اوپر آ گئی ——

Wafar Azeem
Pakistanipoint.Com

انکل سر پکڑ کر رہ گئے ——

اس نے اوپر آکر خوب پیٹ بھر کے کھانا کھایا اور لمبی تان کر سو گئی۔ دوسرے دن صبح وہ بہت دیر سے اٹھی —— ناشتہ کر کے وہ بال سکھانے کی غرض سے بالکونی میں کھڑی ہوئی تھی۔ ابا میاں بینک گئے ہوتے تھے ——

اس کے اپنے کاندھے پر کسی کا لمس محسوس ہوا تو چونک کر پلٹی ثوبان اس کے بہت نزدیک کھڑے ہوئے تھے ——

شاید انکل نے انہیں سب کچھ بتا دیا ہے —— اس نے سہم کر سوچا۔ "ناراض ہیں کیا؟" ثوبان نے اسے کاندھوں سے پکڑ کر پوچھا ——

"میں تو سمجھا تھا کہ آپ عام لڑکیوں سے مختلف ہوں گی —— میری مشکلات میری مصروفیات کا مائنڈ نہیں کریں گی۔ مگر آپ تو نازک دل نکلیں —— حیات صاحب بتا رہے تھے آپ میری بے اعتنائیوں پر سخت برہم ہیں —— میں سارے کام چھوڑ کر بھاگ آیا ہوں پلیز مجھے سمجھنے کی کوشش کیجئے یہ سب کچھ میں آپ کے آرام کیلئے تو کر رہا ہوں —— میں چاہتا ہوں آپکو شاہانہ طریقے سے رخصت کر کے لے جاؤں۔ اور اپنے گھر میں بھی آپ ملکہ بن کر رہیں بتائیے اب تو کوئی شکایت نہیں مجھ سے" انہوں نے اتنی نرمی سے پوچھا کہ عمارہ کو انکار کرتے ہی بنی ——

"اچھا اب اگر آپ ناراض نہ ہوں تو میں اجازت چاہوں گا ایکسریشن نیچے گاڑی میں بیٹھا میری جان کو رو رہا ہوگا میں رات کو فون کروں گا سومت جائیے گا" انہوں نے جاتے جاتے مژدہ سُنایا ——

ابھی وہ ثوبان کی مہک کو سونگھ ہی رہی تھی کہ فارہہ آکر اس سے لپٹ گئی ——

"تم کتنی اچھی ہو امی پپا کو ایسے سمجھایا کہ وہ حیدر جاہ کے لیے راضی ہوگئے ہیں۔ ساتھ ہی انہوں نے اپنے پروگرام میں تبدیلی بھی کر لی ہے اب وہ ہمارے ساتھ مانٹر یال چلیں گے ——"

فارہہ کھل پڑھ رہی تھی ——

امی سچ کا تے سوچنے لگی ——

یہ فارہہ ایکبار پھر مجھ سے بازی لے گئی ——

اور انکل آپ بھی کتنے عظیم ہیں ——

"آپ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو میرے اس وحشتِ تنہائی میں بھٹکنے کا پورا پورا فائدہ اٹھاتا مگر آپ نے جس خلوص سے اس مسئلے کو حل کیا اسکی وجہ سے آپکی وقعت میرے دل میں اور بھی بڑھ گئی ہے، واقعی انکل آفرین ہے ان مردوں پر جو آپ جیسے ہوتے ہیں۔"

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

# دکھ کا دریا

راحیل اختر

**آج** صبح سے ہی گھر میں طوفان بپا تھا پھوپھو کی دونوں بیٹیوں حنا اور شجیہ کے ساتھ وہ برابر کام میں جتی تھیں، سارا گھر نئے سرے سے سجایا گیا تھا۔ بھابی بھی خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی تھیں آخر کو انکا اکلوتا بیٹا آ رہا تھا۔ خاندان میں کسی نے بھی قیصر کو نہ دیکھا تھا یہاں تک کہ خود بھابی نے اسے بچپن میں ہی دیکھا تھا۔

آصفہ بھابی دراصل بھیا کی پسند تھیں انکے والدین تقسیم کے بعد بحرین جا کر آباد ہو گئے تھے۔ بھابی البتہ اپنے چچا کے ساتھ پاکستان میں رہ گئیں تھیں کافی عرصہ ہو گیا تھا نہیں اپنے والدین سے ملے، پھر ایسا ہوا کہ شادی کے بعد روفی اور جنید اکا کام ہی اتنا بڑھ گیا تھا کہ وہ بحرین نہ جا سکیں، ان کے پاپا کا کاروبار تھا جلدی جلدی وہ بھی نہ آ سکتے تھے۔ قیصر بھی وہاں پڑھ رہا تھا۔ اسے بھی بچپن میں ہی کہیں دیکھا تھا، اب تیرہ چودہ برس کے بعد انکا بھائی ان سے ملنے آ رہا تھا تو بھابی کی خوشی کا تو کوئی اندازہ ہی نہ کر سکتا تھا صنم نے قیصر کی بہت تعریف سنی تھی اسے شروع سے ہی بھابی کے گھر والوں کو دیکھنے کا اشتیاق تھا، ایک دفعہ ہی ان کے پاپا کو دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔

"صنم تم قیصر کو لینے اسٹیشن چلو گی" بھابی اپنی ساری کا پلو سنبھالتی اس کے قریب چلی آئیں۔

"بھابی چلنا تو مجھے بھی تھا مگر باورچی خانہ میں اسقدر کام ہے"

"ہاں ہاں بھی تم سے یہ کہنے آئی تھی پھوپھی بیگم کہ حنا میرے ساتھ جا رہی ہیں تم اور شجو جلدی جلدی کام ختم کر کے اپنا حلیہ بدل لینا"

"بھابی حلیہ بدلنا ضروری ہے کیا؟" شجو صنم کو دیکھتے ہی بڑے معنی خیز انداز سے بولی۔

"تو اور کیا، گھر میں آیا مہمان کیا امپریشن لے گا"

"یہ لڑکیاں بھی آدھی جھلی ہیں" بھابی بڑبڑاتی ہوئی باہر چلی گئیں۔

"صنم جی ذرا ہوشیار رہنا۔ بھابی کے ارادے مجھے کچھ خطرناک نظر آ رہے ہیں"

"کیا مطلب؟" صنم حیرانگی سے بولی۔

"بنو اسقدر بنو مت۔ چاہے من میں لڈو پھوٹ رہے ہوں بھئی تمہاری بھابی آخر تم ہی پر یوں زور دے رہی تھیں کہ ذرا ٹیپ ٹاپ کر لینا کہیں قیصر صاحب ہی کوئی پکڑ دار تو پتا نہیں چاہ رہی ہیں"

"بکو مت" صنم سرخ پڑ گئی۔

"ہاں صاحب اب تو ہماری باتیں بھی بکنے میں شمار ہونے لگیں"

"تم دونوں باتیں ہی کئے جاؤ گی یا کام بھی کرو گی" بھابی پھر اندر چلی آئیں۔

"اے بندہ خدا تمہیں تیار بھی ہونا ہے"

"دیکھا!" شجو نے صنم کو بڑے معنی خیز انداز سے دیکھا۔

"کیا بات ہے بھابی، کیا گھر میں صرف صنم ہی ہے جس کو آپ اسقدر زور دے رہی ہیں کہ وہ سولہ سنگھار کر کے بیٹھ جائے"

"میں تمہارا مطلب صاف سمجھ رہی ہوں شجو کی بچی" بھابی نے ہنستے ہوئے کمر پر ایک دھول جمائی "فلائیٹ پہنچنے میں آدھ گھنٹہ ہے اور میں چلی" بھابی ہنستی ہوئی چلی گئیں۔

"دیکھ لئے اپنی بھابی کے ارادے۔ ارے صاحب ہم تو اڑتی چڑیا کے پر گن لیتے ہیں" شجو وہیں زمین پر پھسکڑا مار کے بیٹھ گئی۔

"ارے بابا بہت کام ہے قیصر صاحب کو آنے تو دو دیکھ لیں گے کہ ماہ دولت کے قابل ہیں یا نہیں" صنم مسکرائی۔

"اگر....؟" شجو نے ایکدم ہی پوچھا۔

"ہوئے تو بھابی سے کہہ دیں گے کہ اب ہماری چھٹی کیجیے"

صنم کھلکھلا اٹھی۔ پھر دونوں اٹھ کر کچن میں چلی گئیں۔

وہ دونوں تیار ہو کر بیٹھی تھیں مگر بھابی کا دور دور پتہ نہ تھا، خدا خدا کر کے انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں ...... شجو فوراً ہی ڈرائینگ روم کی طرف دوڑ گئی۔ صنم جانے کی سوچ ہی رہی تھی کہ شجو کھلکھلاتی ہوئی آئی اور اس سے چمٹ گئی۔

"صنم تیری تو قسمت ہی پھوٹ گئی"

"کیا؟"

"ہائے اللہ! یہاں سے ایسا لونگا آدمی ہے کہ میں نے آج تک نہیں دیکھا"

"کیسا؟"

"تو چل تو۔ پر ایک بات ہے بھابی بجھ سی گئی ہیں" شجو اسے گھسیٹتی ہوئی اندر لے آئی۔

صنم حیرت اور سکتے کی حالت میں کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

بھابی کے بالکل قریب بیٹھا ہونقوں کی طرح منہ اٹھائے وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا عجیب ڈھیلا سا بے ڈھنگا لباس پہنے ہوئے تھا — سنجو نے اس کے زور سے چٹکی لی تو وہ ڈری ڈری سی آگے بڑھی۔

"قیصر یہ میری نند ہے بلکہ نند سے زیادہ یہ مجھے اپنی فرینڈ اور بہن لگتی ہے صنم"

"صنم" اس نے زیر لب دہرایا "اس کا مطلب کیا ہوا؟" بجائے اس کے کہ کچھ اور کلمات کہتا وہ بیوقوفوں کی طرح ہنسا۔

"پلیز تم یہاں بیٹھو صنم میں ابھی آئی" بھابی فوراً ہی باہر نکل گئیں صنم قیصر کے چہرے کی جلی ہوئی رنگت کو دیکھتی رہی جگہ جگہ سے کھال ادھڑی ہوئی تھی اس پر ستم یہ کہ صاحبزادے سیاہ تاریک گلاسز چڑھائے بیٹھے تھے۔

"قیصر صاحب سنا تھا بڑی شاندار پرسنلٹی کے مالک ہیں۔ یہ پل میں کیا ہو گیا۔ ہمارے تو سارے خواب ہی ادھورے رہ گئے" سنجو صنم کو آنکھ مارتی ہوئی کھلکھلائی۔

"کیوں مجھے کیا ہوا۔ اچھا بھلا تو ہوں میں" وہ ذرا سا اکڑا۔

"بظاہر تو ٹھیک ٹھاک ہی ہیں پر ذہن کا پرزہ ذرا ڈھیلا ہے" حنا آہستہ سے بولی۔

"چلو اچھا ہوا آپ آ گئے ہمارے کچھ دن اور عیش و تفریح میں گزر جائیں گے۔" صنم ہوسے سے مسکرائی۔

"ارے ایک منٹ۔" اس نے صنم کو فوراً ہی روک دیا۔

"کک... کیا ہوا؟" صنم بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔

"اوہ۔"

"ادھر ادھر کیا دیکھ رہی ہیں میں تو آپ کو دیکھ رہا تھا آپ مسکراتے ہوئے اچھی لگتی ہیں۔" وہ ذرا جھینپتے ہوئے بولا۔ حنا اور شجو کا فلک شگاف قہقہہ صنم کی اور جان جلا گیا۔

"پتہ نہیں کیسا ہوش ہے۔" وہ بڑبڑائی۔

"صاحبزادے میں محبت کرنے کے وافر جراثیم ہیں ذرا احتیاط کرنا۔" حنا نے سرگوشی کی۔

"تمہارا دماغ چل گیا ہے۔" صنم جل کر بولی۔

"میرے لئے ہی بدھو رہ گیا ہے نرا گاؤدی ہے۔" وہ دانت پیستی ہوئی بولی۔

"آپ لوگ کیا کھسر پھسر کر رہی ہیں ذرا زور سے بولیے نا۔" قیصر ذرا منہ بسورتے ہوئے بولا۔

"اگر آپ بولیں تو کفن پھاڑ کے بولیں۔" صنم جلے بھنے لہجے سے بولی۔

"دیکھیے دیکھیے آپ بھی پٹڑی سے اترنے لگیں۔۔۔ میں ابھی باجی سے کہتا ہوں کہ کیسی نالائق لڑکیوں کو پال رکھا ہے۔ گھنٹہ بھر آئے ہوئے ہو گیا مگر یہاں چائے پانی کو کسی نے بھی نہیں پوچھا۔"

"ایسی بھی کیا جلدی ہے حضور۔ ذرا نخرا اٹھوائیے ہی کر لیا جائے۔" شجو ہنسی۔

"با... جی۔" وہ زور سے چیخا کہ دونوں ڈر کر باہر کی طرف بھاگیں۔ اندر سے اُسے قہقہے کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

جس روز سے وہ آیا تھا تینوں کو اچھی خاصی تفریح ہاتھ آگئی تھی۔ مگر یہ ساری تفریح یا تو بھابی کی غیر موجودگی میں ہوتی یا اس وقت جب وہ کچن میں مصروف ہوتیں۔ بھابی اب کچھ نارمل ہو گئی تھیں۔ مگر قیصر کی ذہنی حالت دیکھ کر وہ اب بھی پریشان ہو جاتی تھیں۔ بعض اوقات ایسی بچوں جیسی حرکتیں کرتا کہ انہیں خواہ مخواہ سب کے سامنے خفت اٹھانی پڑتی۔ البتہ چندا اور روفی اپنے جانی ماموں کے دیوانے تھے وہ بھی انکے ساتھ بچہ بن جاتا تھا۔ ایک شام بھابی کی غیر موجودگی میں اسکے کمرے میں جا گھسیں۔ وہ کھڑکی سے باہر اترتی شام دیکھ رہا تھا۔ ان تینوں بلاؤں کو ایک ساتھ نازل ہوتے دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

"ہیلو قیصر۔" تینوں ایک ساتھ بولیں۔

"بڑے دن ہو گئے آپ سے مذاکرات کئے ہوئے۔" شجو آنکھیں پٹ پٹاتی ہوئی بولی۔

"یہاں بیٹھ جائیں ہم؟" حنا شوخی سے بولی۔

"ضرور بیٹھیں۔ مگر ٹھہریں میں باہر چلا جاتا ہوں۔" وہ ذرا نروس ہو گیا۔

"ارے آپکے پاس تو ہم آتے ہیں آپ چلے گئے تو اللہ قسم بوریت ہماری جان لے لے گی۔" صنم منہ بناتے ہوئے بولی۔

"آ.... اچھا آپ کہتی ہیں تو بیٹھے جاتا ہوں۔" وہ ان سے ذرا ہٹ کر بیٹھ گیا

"گستاخی معاف۔" شجو نے بڑی بے تکلفی سے اسکے گلاسز اتارنے چاہے۔

"یہ کیا کر رہی ہیں۔" وہ زور سے چیخا۔

"ایک تو آپ کی چیخوں نے ہمیں بڑا پریشان کیا ہوا ہے۔" حنا جھنجھلاتی ہوئی بولی۔

"یہ شام کو کونسا ٹائم ہے گلاسز چڑھانے کا۔" صنم بھی بولی

"دیکھیے آپ لوگ مجھ سے زیادہ فری نہ ہوں میں لڑکیوں سے زیادہ فری نہیں ہو سکتا۔"

"نہیں نہیں۔" شجو اسے چڑاتی ہوئی بولی۔

"ہیں اللہ قسم۔" حنا مسکرائی۔

"جی ہاں۔"

"سمجھے۔" اور زیادہ آپ نے تنگ کیا تو میں ابھی باجی کو چیخ کر بلا لوں گا۔"

"بھابی تو نہیں ہیں۔" صنم مسکرائی۔

"میرے خیال میں آپکی آنکھیں ضرورت سے زیادہ ہی حسین ہیں جن پر آپ گلاسز چڑھائے رکھتے ہیں۔" حنا نے پھر اس کی آنکھوں کی طرف ہاتھ بڑھایا وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"آپ حد سے زیادہ بدتمیز ہیں۔" وہ واقعی ناراض ہو گیا تھا۔

"آپ کو میرا مذاق اڑاتے ہوئے ذرا بھی خوف خدا نہیں ہوتا۔ اللہ کرے آپ دونوں کی بھی ایک ایک آنکھ پتھر کی ہو جائے میری طرح۔" وہ چیختے ہوئے بولا۔

"ہیں۔ کیا؟" صنم نے حیرت سے پوچھا "یعنی آپکی ایک آنکھ مصنوعی ہے۔"

Wajjar Azeem
Pakistanipoint.com

"تمھیں کیا فکر ہے صنم"

"بدعا تو مجھے اور حنا کو ملی ہے۔ یار تو تو بڑی خوش قسمت ہے"

شجو ٹھنڈی سانس بھر کر بولی تو صنم کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ مگر اس کی ہنسی کو فوراً بریک لگ گیا۔ بھابی بجو نجانے کب سے کھڑی ان کی گفتگو سن رہی تھیں اندر چلی آئیں۔ وہ تینوں شرمندہ ہو کر باہر بھاگ اٹھیں۔ بھابی قیصر کو نجانے کیا کچھ سمجھاتی رہیں۔ رات کو بھابی کو کھانے پر نہ پا کر وہ انھیں بلانے گئی تو انکی آنکھیں سوجھ رہی تھیں وہ شاید مسلسل روتی رہی تھیں۔

"بھابی پلیز مجھے معاف کر دیں" صنم بھی آزردہ ہو گئی۔

"ارے نہیں پگلی کہیں کی۔ مجھے تم لوگوں کی بات کا صدمہ نہیں۔ سوچ رہی ہوں قیصر کا کیا ہو گا۔ وہ بچپن میں تو ایسا نہ تھا پاپا اسے ہمیشہ پرنس کہا کرتے تھے صنم وہ بہت خوبصورت تھا قیصر تبا رہا تھا کالج کے کچھ لڑکوں نے شرارت ہی شرارت میں کوئی تیزاب اس پر پھینکا جس سے اس کی رنگت اسکا چہرہ بری طرح جھلس گیا ہے۔ ایک آنکھ بھی ضائع ہو گئی تھی۔ اسی وجہ سے وہ کبھی کبھی ابنارمل قسم کی باتیں کرتا ہے۔ میں نے کیسے کیسے سپنے دیکھے تھے سب ادھورے رہ گئے۔ اسکا گھر کیسے بنے گا، اسے کون قبول کرے گا" بھابی بلک اٹھیں۔ وہ بھی پریشان ہو گئی اس نے اسی دن توبہ کر لی کہ وہ قیصر کو کچھ نہ کہے گی۔ مگر دوسرے روز ہی حنا اور شجو اسے گھسیٹ کر اس کے پاس لے گئیں۔ بھابی کی اس بات کا حنا اور شجو نے ذرا بھی اثر نہ لیا بلکہ انھیں ایک اور بات ہاتھ لگی۔ ایک ہفتہ کی تگ و دو کے بعد تینوں نے مل کر کچھ لڑکیوں کی تصویریں صنم کو دیں۔ پھر بھابی کے سونے کے بعد اُن تینوں نے قیصر کے کمرہ میں دھاوا بول دیا۔

"دیکھیے قیصر صاحب بھابی آپ کی طرف سے بہت پریشان رہتی ہیں لہذا انہوں نے سوچا ہے کہ اب آپکا گھر آباد کر دیا جائے"

"یعنی!!"

"یعنی آپ کی شادی خانہ آبادی کر دی جائے" صنم سنجیدگی سے بولی۔

"کس سے؟" وہ بچوں کی طرح کھل اٹھا "دیکھیے میں شادی صرف آپ سے کر سکتا ہوں" اور بس" اس نے بڑی بے تکلفی سے صنم کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اوہ مائی گاڈ" صنم نے اپنا سر پیٹ لیا۔ حنا اور شجو ہنستے ہنستے وہیں دوہری ہو گئیں۔

"دیکھیے ٹھیک ہے صنم بھی زیر غور رہے گی۔ مگر پہلے آپ یہ تصویریں دیکھ لیں صنم سے زیادہ خوبصورت ہیں"

"اچھا لائیے" وہ مسکرایا بڑے ہی معنی خیز انداز سے۔

"کبھی کبھی تو لگتا ہے ہم الو بن رہے ہیں صنم" حنا جو بڑے غور سے قیصر کو دیکھ رہی تھی بولی۔

"کیسے" شجو اور صنم دونوں ہی چونک اٹھیں۔

"پتہ نہیں لگتا ہے یہ قیصر صاحب ہیں یا"

"لائیے تصویریں دیکھوں" قیصر نے پہلی تصویر لی "یہ بھابی کی پسند ہے" وہ زور سے چیخا۔

"یہ ہر منٹ بعد آپ کو چیخنے چلانے کے دورے ہمیشہ سے ہی پڑتے ہیں یا اب پڑنے لگے ہیں" صنم حیرت سے بولی۔

"شکر کیجیے کہ صرف چیخ کر ہی رہ جاتا ہوں۔ آپ لوگوں کو کاٹ نہیں کھاتا" وہ جھلاتا ہوا بولا "یہ لڑکی ہے؟ کیوں بیوقوف بناتی ہیں" قیصر نے وہیں تصویر پرزہ پرزہ کر دی۔

"پسند نہیں آئی" حنا مسکراتے ہوئے بولی۔

"یہ دوسری لیں" صنم نے ڈرتے ڈرتے تصویر آگے کی۔ تصویر میں ایک بے حد بدشکل بھینگی خاتون کھڑی مسکرا رہی تھیں تصویر دیکھ کر تو اس پر جیسے چیخنے چلانے کا دورہ پڑ گیا — وہ تینوں گرتی پڑتی باہر کی طرف بھاگیں۔ بھاگتے میں بھابی اور پھوپھو دونوں ہی ان سے ٹکرا گئیں۔ وہ اپنے کمرے میں آ ل تو جلال تو کا ورد کر رہی تھیں کہ پھوپھو غصہ میں چلی آئیں۔

"کسی مجبور انسان کو اتنا ذلیل نہیں کرنا چاہیے لڑکیو۔ خدا کے خوف سے ڈرو۔ آصفہ کی طبیعت بہت خراب ہو گئی ہے اس سے اپنے بھائی کا دکھ دیکھا نہیں جاتا اور تم اسے تفریح کا ذریعہ بنا رہے ہو" پھوپھو نے اچھی خاصی جھاڑ پلا دی۔ وہ تینوں منہ لٹکا کر بیٹھ گئیں۔

دوسرے روز ہی وہ بھابی کو بتا کر چلا گیا "میں آپ کو بہت مس کروں گا" وہ صنم کو دیکھتے ہوئے بولا۔ حنا اور شجو ہنسنے کو تھیں مگر سامنے سے بھابی کو آتے دیکھ کر سنجیدہ بن گئیں۔

قیصر کے جانے کے بعد بھابی اور بھی چپ چپ رہنے لگی تھیں۔ صنم کو رہ رہ کر اس پر غصہ آ رہا تھا اچھی بھلی ہنس مکھ بھابی تھیں کم بخت نجانے کہاں سے آ ٹپکا۔ سب کو ڈسٹرب کر کے رکھ دیا۔

Nadia Azeem Pakistanipoint.com

پھوپھو واپس کوئٹہ جا رہی تھیں۔ حنا اور شوکت نے تو اس پر کافی زور دیا کہ وہ بھی انہی کے ساتھ چلی جائے مگر وہ بھابی کی وجہ سے نہ مانی۔ ایک تو بھیا کچھ عرصے کے لئے امریکہ جا رہے تھے ان کی فرم کا کوئی کام تھا۔ پھر بھابی بہت ڈسٹرب ہو گئی تھیں قیصر کی وجہ سے ورنہ تو پاپا کے کئی خط آ چکے تھے وہ اسے بہت بلا رہے تھے۔ شکیل بھی اس سے سخت ناراض تھا کہ وہ اس کی پاسنگ آؤٹ پریڈ میں نہ آئی تھی۔ شکیل اس کا چھوٹا متاسا بھائی تھا چھوٹی سی عمر میں ہی لیفٹننٹ بن گیا تھا۔

بھیا کے جانے کے بعد بھابی اور بھی اپ سیٹ سی ہو گئی تھیں گو وہ انہیں ہر وقت بہلائے رکھتی تھی۔ چندا اور روفی ہی اسقدر مصروف رکھتے تھے مگر وہ بھی کوئی نہ کوئی وقت نکال ہی لیتی تھیں خواہ مخواہ اداس ہونے کا۔ ایک روز وہ کالج سے لوٹی۔ بھابی سخت بخار میں جل رہی تھیں اور شاید وہ سارا دن روتی بھی رہی تھیں۔

"بھابی آپ کو کیا ہو گیا ہے" وہ بری طرح سے جھلا اٹھی "بتاؤ میں کیا کروں۔ میں چاہتی ہوں کہ ہنسوں بولوں مگر یہ قیصر۔"

"اوہ" صنم خاموشی سے بیٹھ گئی۔

"یہ لڑکا مجھے مار ڈالے گا جانی، یہ مجھے مار ڈالے گا" بھابی بری طرح سسک پڑیں۔ تب وہ بھی پریشان "بھابی کیا بات ہے؟"

تب انہوں نے ایک خط اس کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ قیصر کا خط آیا ہے"

صنم ایک ہی سانس میں اسکا خط پڑھ گئی۔ ایک ایک لفظ سے یاسیت ٹپک رہی تھی لکھا تھا۔

"باجی مجھے ساری دنیا نے بدصورت سمجھ کر ٹھکرا دیا ہے لوگوں نے اتنے زخم دیئے ہیں کہ اب درد کا احساس بھی زائل ہو گیا ہے۔ مگر نجانے کیوں صنم کو دیکھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ میری اندھیری راتوں کا چاند ہے نجانے کیوں مجھے لگتا ہے وہ مجھے اپنا لے گی، میرے دکھ بانٹ لے گی۔ باجی میں صنم کے بغیر مر جاؤں گا۔ اس سے کہیں ایک پاگل دیوانے آدمی کا ہاتھ تھام لے۔ اور ....."

"بھابی" صنم چیخ پڑی۔

"پریشان مت ہو جانی۔ میں نے قیصر کو جواب لکھ دیا ہے۔ اس نے ہمت کیسے کی کہ وہ اتنی بڑی بات کہے۔ کہاں تم اور کہاں وہ" بھابی نے روتی بلکتی صنم کو چمٹا لیا۔ اپنی آنکھیں خود ساون برسا رہی تھیں "وہ تو ایک مکمل ہی پاگل ہے۔ میری اتنی حسین پیاری سی کومل سی بہنا کے وہ کہیں قابل ہے احمق کہیں کا" بھابی اسے بہلا رہی تھیں اور اس کے آنسو بہتے ہی چلے جا رہے تھے۔

دوسرے روز بھابی کی طبیعت اور بھی بگڑ گئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ کیا کرے۔ بھابی کی محبت اسے بار بار کچھ سوچنے پر مجبور کر رہی تھی پر پاپا کیا سوچیں گے؟ ماما کیا کہیں گے۔ اور حنا، شوکت سب لوگ کسقدر مذاق اڑائیں گے۔ میں کیا کروں؟ اس نے اپنا سر تھام لیا۔

پھر بھابی نے اس کا فیصلہ سنا تو لرز اٹھیں۔

"نہیں نہیں، جانی تو۔ خدا کے لئے ایسا مت سوچو یہ نہیں ہو سکتا"

"یہ ہو گا بھابی۔ آپ قیصر کو لکھ دیں کہ وہ یہاں آ جائیں"

"نہیں صنم۔ میں جانتی ہوں تم میری محبت سے مجبور ہو کر کہہ رہی ہو۔ مگر میری آنکھیں تو کھلی ہیں۔ پر یہ نہیں ہو گا۔ آج یہ خط میں پوسٹ کروں گی کہ وہ بھول کر بھی یہ بات اپنے ذہن میں نہ لائے"

"بھابی آپ نے میری بات نہ مانی تو صنم جان دے دے گی یہ میرا فیصلہ ہے" وہ روتی بلکتی باہر نکل گئی۔ بھابی اس کی اس حرکت پر ہکا بکا رہ گئیں۔

صنم کی یہی خواہش پر پاپا اور ماما کو بتا سے بغیر منگنی کی رسم ادا ہو گئی۔ اس روز وہ کسقدر خوش تھا۔ مگر گلاسز اب بھی اس کے چہرے پر تھے۔

"اوہ پیاری باجی۔ آپ کتنی اچھی ہیں" وہ بچوں کی طرح خوش ہوتے ہوئے بولا "کچھ مت کہو قیصر۔ یہ سب صنم نے کیا ہے۔ ورنہ میں تو زندگی بھر یہ کام نہیں کر سکتی تھی" بھابی رو پڑیں۔

"اوہ صنم آپ کتنی اچھی ہیں اور اسقدر خوبصورت لگ رہی ہیں۔ لگتا ہے جیسے جیسے" وہ تعریف کرنے کے لئے کوئی موزوں الفاظ ڈھونڈ ہی رہا تھا صنم اپنا بھاری غرارہ سنبھالتی کمرے سے باہر چلی گئی۔

"قیصر خدا کے لئے تم خود اس رشتے سے انکار کر دو" بھابی کہہ رہی تھیں۔

"واہ اتنے برس بعد تو ایک لڑکی نے میرے ہاتھ سے انگوٹھی پہنی ہے خواہ مخواہ اسے چھوڑ دوں۔"

"قیصر تم اس کے قابل نہیں ہو سکتے۔"

"اس میں کونسے سرخاب کے پر لگے ہیں۔" وہ بھی جل کر بولا تو بھابی بھی اٹھ کر باہر چلی آئیں۔

منگنی کی بات گھر تک پہنچی تو پاپا اور ماما بوکھلا کر چلے آئے۔ ماما تو بھابی پر بہت بگڑیں تب وہ بہت ٹھنڈے لہجہ سے بولی۔

"یہ منگنی میری پسند سے ہوئی ہے ماما آپ بھابی کو کیوں کچھ کہہ رہی ہیں۔"

آصفہ خاموش تھیں وہ اس صورت حال کے لئے پہلے سے تیار تھیں۔ پاپا نے بہت چاہا کہ وہ اپنی مرضی سے یہ منگنی توڑ دے۔ مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ زیادہ کہا تو رونے بیٹھ گئی۔ آخر مجبوراً اس کو اسی کے حال پر چھوڑ کر پاپا اور ماما واپس پنڈی چلے گئے۔ قیصر بھی چلا گیا تھا گھر میں سناٹا اور وحشت تھی اس کا دم گھٹنے لگا۔ اوپر سے حنا اور شجو کے ملامت بھرے خط اسے اور دکھی کر رہے تھے۔ جو برابر اسے دھمکی والے خط لکھ رہی تھیں کہ وہ منگنی توڑ دے۔ اس ماحول کی کشیدگی نے اسے ذہنی طور پر مفلوج کر کے رکھ دیا تب بھابی اسے زبردستی پنڈی چھوڑ گئیں۔ یہاں آ کر وہ ایسی بیمار پڑی کہ پورے ایک دن تو بے ہوش پڑی رہی تھی۔ پاپا الگ پریشان تھے۔ پورے ایک دن بعد اس نے آنکھیں کھولیں۔ پاپا اور ماما کسقدر پریشان لگ رہے تھے۔ اسے ہوش میں دیکھ کر ماما نے اسے چوم لیا۔

"تم کیوں یہ روگ پال بیٹھی ہو۔ قیصر پسند نہیں ہے تو کیوں اپنی جان کی دشمن بنی ہو۔"

"پلیز ماما۔ میں قیصر کی وجہ سے بیمار نہیں، وہ مجھے پسند نہ ہوتا تو کبھی یہ منگنی نہ ہوتی۔" پاپا کی گود میں سر رکھ کر وہ بلک اٹھی "میں اچھی ہو جاؤں گی آپ پریشان نہ ہوں۔"

پاپا اسے بہلاتے رہے۔ اور وہ زبردستی ہنستی مسکراتی رہی۔

"جلدی سے اچھی ہو جاؤ۔ پھر گھومو پھرو، انجوائے کرو۔ دیکھو تمہارے پاپا کو بیمار لوگ بالکل پسند نہیں جو صحتمند لوگوں کو بھی بیمار کر ڈالتے ہیں۔"

"بہتر ہے پاپا، جلد ہی اچھی ہو جاؤں گی۔" وہ افسردگی سے مسکرا دی۔

ان دنوں اسکا دل بھی لگ ہی گیا تھا۔ کرنل جمال کی دو عدد پیاری پیاری بیٹیاں اس کی بے حد اچھی سہیلیاں بن چکی تھیں وہ اب انکے ساتھ باہر بھی چلی جاتی تھی۔ ایک شام وہ زوبی اور شہلا کے ساتھ باہر سے آئی اس وقت کافی شام ہو چکی تھی۔ اسے گیٹ پر ڈراپ کر کے وہ دونوں اگلے دن آنے کا کہہ کر چلی گئیں۔ ڈرائینگ روم میں پاپا کے بولنے کی آواز سن کر وہ اندر ہی چلی آئی۔ پھر تو اسے ایسا لگا جیسے ساری دیواریں اس پر آ پڑی ہوں۔ دروازے کی طرف پشت کیے کوئی کھڑا تھا، شاید جانے کے لئے کھڑا تھا۔

"قیصر!" باوجود ضبط کے چلا اٹھی۔ پھر اسے یوں لگا جیسے اس کے چاروں طرف اندھیرا پھیلتا ہی چلا گیا ہو۔ تھوڑی دیر بعد اس نے آنکھیں کھولیں۔ ماما اس کا سر گود میں لئے بیٹھی تھیں۔ پاپا بے چینی سے ٹہل رہے تھے اسے ہوش میں آتا دیکھ کر وہ اس کی طرف لپکے۔

"اب کیسی ہو بیٹی؟"

"اچھی ہوں پاپا" باوجود ضبط کے ایک ہلکی سی آہ اس کے لبوں سے نکل گئی "یہاں شاید قیصر تھے پاپا؟"

"ارے تمہارے دل و دماغ پر قیصر ہی چھا کر رہ گیا ہے جہاں زیب کو بھی تم نے پریشان کر کے رکھ دیا۔"

جہاں زیب۔ اس نے زیر لب دہرایا۔ اس کی نگاہ ایک سمارٹ میجر پر ٹک گئیں۔

"یہ ہیں میجر جہاں زیب، جنہیں تم قیصر سمجھ کر بے ہوش ہو گئی تھیں۔"

"اوہ سوری پاپا" وہ جھینپ گئی۔

"کیا قیصر صاحب کوئی بہت ہی خطرناک و خوفناک قسم کی چیز ہیں" جہاں زیب اسے غور سے دیکھتے ہوئے بولے۔ صنم کا رنگ سفید پڑ گیا۔

"اوہ آئی ایم سوری۔ میری وجہ سے آپ کو تکلیف پہنچی — ویسے اب کیسی طبیعت ہے؟" اپنی بیحد چمکتی سبز آنکھیں لئے وہ پوچھ رہا تھا۔

"اچھی ہوں" صنم اس سے نجانے کیوں نظریں نہ ملا پا رہی تھی اسے ان شفاف آنکھوں سے دہشت ہونے لگی تھی۔ رہ رہ کر اپنے پاگل پن پر غصہ آ رہا تھا۔ بھلا بیہوش ہونے کی کیا ضرورت تھی۔



Waqar Azeem Pakistanipoint.Com

"اچھا کرنل صاحب میں چلوں۔" جہاں زیب اٹھ کھڑے ہوئے۔

"اب بے بی کی طبیعت پہلے سے بہتر ہے۔ بس بیٹے عجب پاگل سی لڑکی ہے خود ہی یہ روگ پال بیٹھی ہے۔ نہ اس پار آنے دیتی ہے نہ اُس پار جانے دیتی ہے۔"

جہاں زیب اس کے قریب آ گئے۔

"اچھا بے بی گڈ بائے۔ جلدی سے اچھی ہو جاؤ پھر تمہیں پنڈی سے باہر گھمانے لے چلیں گے۔" صنم سر جھکائے خاموش کھڑی دانتوں سے ہونٹ کاٹتی رہی۔ "کرنل صاحب ڈاکٹر مظہر کو بھیج دوں بے بی کا چیک اپ کرا لیں۔"

"نہیں پاپا میں اچھی ہوں۔" وہ زبردستی مسکرائی۔

اس کے لاکھ منع کرنے کے باوجود وہ ڈاکٹر مظہر کو فون کرنے چلا گیا۔

ذرا طبیعت سنبھلی تو ماما کے منع کرنے کے باوجود وہ زوبی اور شہلا کے ساتھ سرکس دیکھنے چلی گئی۔ واپسی پر اچھی خاصی ٹھنڈ تھی۔ اسے نمونیہ ہو گیا۔ پورا ایک ہفتہ اس نے بستر پر گذارا اس کی سزا ماما نے یہ رکھی ساری تفریح پر پہرے بٹھا دیئے۔ یہاں تک کہ کھانا بھی اسے بیڈ پر ہی ملتا۔ پندرہ روز کی طویل سزا کاٹنے کے بعد وہ پہلی بار زوبی کے ساتھ فوجی کلب آئی تھی۔ اندر بڑا خوابناک سا ماحول تھا۔ وہ دونوں مشرقی سمت کی طرف چیئرز ڈال کر بیٹھ گئیں۔ باوجود سخت خنکی کے وہ ہلکے سے زرد پرنٹڈ کرتے شلوار میں تھی زوبی کے روکنے کے باوجود اسکواشش کے گھونٹ لے رہی تھی تبھی نجانے کس کونے سے جہاں زیب اٹھ کر اس کی میز پر چلے آئے۔ اسکواشش کا گلاس اٹھا کر قریب پڑے گملے میں الٹ دیا۔ تین کپ کافی قریب گذرتے بیرے کو آرڈر دے دیا۔

"مجھے کافی نہیں پینی۔" وہ بری طرح بھنا اٹھی۔

"مگر مجھے تو پینی ہے۔" جہاں زیب مسکرائے۔ "اور تمہارے کیا حال ہیں سعید بلی۔" وہ زوبی کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرائے۔

"مت بولیں مجھ سے میں نے آپ جیسا آدمی اپنی زندگی میں پہلے نہیں دیکھا۔"

"اوہ میری بہنا ناراض ہے کہ جہاں زیب بھائی نے آنے کی بھی اطلاع نہیں دی مجھے ایک ماہ ہی ہوا ہے اس پر ستم یہ ہوا گلگت دوبارہ جانا پڑا۔ کل آنے کا میرا پورا ارادہ تھا۔ اور سناؤ گھر میں تو سب خیریت سے ہیں، شہلا کیسی ہے؟"

"سب اچھے ہیں۔ کل آپ کی اچھی طرح خبر لی جائے گی۔ ابھی تو میں معاف کر دیتی ہوں۔"

"کل کی کل دیکھیں گے۔ یہ بتاؤ تمہاری یہ سہیلی کیا چیز ہے؟"

"انھیں صنم کہتے ہیں، ویسے میرا خیال ہے آپکے اور انکے خاصے تعلقات ہیں جو بڑے آرام سے آپ نے اسکواشش کا دیوالیہ نکال دیا یہ تو میری سن ہی نہیں رہی تھی۔"

"کرنل صاحب سے ملنے گیا تھا وہیں پر یہ ٹکرا گئی تھیں۔" جہاں زیب مسکرائے۔

اس نے کتنا زور لگایا تھا وہ کافی نہ پیئے۔ مگر میجر جہاں زیب بھی بہت ضدی نکلے اسے پلا کر ہی دم لیا۔

"ہم فوجی لوگ بہت بات کے پکے ہوتے ہیں سمجھیں مس صنم، آئندہ جو کہیں مان لیجئے گا ورنہ منوانا بھی آتا ہے۔"

صنم کھول کر رہ گئی۔ جی تو یہی چاہا کہہ دے میرا آپکا کیا ناطہ ہے جو آپ منوائیں گے مگر بس سوچ کر ہی رہ گئی۔

"چلو تم دونوں کو گھر ڈراپ کر دوں۔"

"نہیں زیب بھائی ہم لوگ مارچ کرتے ہوئے جائیں گے صدر سے کچھ چیزیں بھی لینی ہیں۔" "تم لوگوں کا دماغ چل گیا ہے زوبی اپنا نہیں تو ان چھوئی موئی کانچ کی گڑیا کا خیال کر لو پھر بیمار پڑ گئیں تو کرنل صاحب میرے کان کھینچیں گے کہ میں نے تم لوگوں کو ڈراپ کیوں نہ کر دیا۔"

"نہیں نہیں ہم لوگ پاپا کو نہیں بتائیں گے کہ آپ ملے تھے۔" صنم جلدی سے بولی۔

"ارے نہیں آخر میرا بھی آپ پر کوئی حق بنتا ہے کسی نہ کسی ناتے سے۔" جہاں زیب مسکرائے۔ "ہاں صنم تمہیں کہیں ٹھنڈ نہ لگ جائے آنٹی ناراض ہوں گی ایک تو تم اتنے ہلکے کپڑوں میں ہو۔"

"مجھے سردی نہیں لگ رہی۔" وہ چڑ گئی۔

زوبی کے ساتھ وہ پیچھے بیٹھی تھی۔ کافی دیر سے نوٹ کر رہی تھی کہ جہاں زیب سامنے سے برابر دیکھے جا رہے تھے لبوں پر بہت ہی معنی خیز مسکراہٹ تھی۔ صنم کا دم الٹنے لگا۔ اُفوہ اس اتنے بڑے آدمی کو کیا ہو گیا ہے۔ خدا خدا کر کے گھر آیا تو اس نے سکھ کا سانس لیا۔ وہ جلدی سے بغیر کچھ کہے آگے بڑھنے لگی۔

"ارے رکیئے تو صنم ایسی بھی کیا جلدی۔ چلو زوبی ایک کپ چائے کا ہو جائے۔" وہ زوبی کے ساتھ ہی گاڑی سے اتر پڑے ماما انہیں دیکھ کر کھل اٹھیں۔ صنم خاموشی سے اپنے کمرے

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

یں چلی گئی۔ کافی دیر گئے جب وہ واپس گئے تو اس نے سکھ کا سانس لیا۔

"اوفوہ یہ جہاں زیب سب کچھ جانتے ہیں پھر کیوں اس سے اسقدر رفری ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔" وہ روہانسی ہو گئی وہ جتنا جہاں زیب سے دامن بچا رہی تھی وہ اتنی ہی تیزی سے آگے بڑھ رہے تھے۔ اس روز کلب میں کوئی پارٹی تھی۔ کرنل صاحب تو نہیں گئے البتہ زوبی اور شہلا اسے زبردستی گھسیٹ کر لے گئیں۔

اس روز بڑے دن کے بعد اس نے ہلکا ہلکا سا میک اپ کیا تھا موسم کی مناسبت سے سیاہ خوبصورت سی ساری پر بے حد نفیس سی سفید شال ڈالے بہت پیاری لگ رہی تھی ناک میں چھوٹی سی ہیرے کی لونگ جگمگ کر رہی تھی انگلی میں قیصر کی پہنائی ہوئی خوبصورت انگوٹھی جگمگا رہی تھی۔ یہ سوچ سوچ کر ہی اس پر وحشت طاری ہونے لگی تھی کہ جہاں زیب ابھی آکر الٹی سیدھی باتیں شروع کر دیں گے۔

زوبی اور شہلا ابھی کسی سہیلی سے باتیں کر رہی تھیں وہ اٹھ کر باہر نکل آئی۔ خوبصورت ستون کے ساتھ ہی ڈھیروں پھولوں کی بہتات تھی۔ وہ وہیں سیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔ اسی وقت اسے اپنے پیچھے قدموں کی چاپ سنائی دی۔

"ارے آپ یہاں سردی میں کیا کر رہی ہیں؟" جہاں زیب پیچھے کھڑے تھے۔ وہ بُری طرح چڑ گئی۔

"آپ میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں، آپ کو پتہ ہے میری منگنی، ہو چکی ہے۔"

"ہاں پتہ ہے مگر یہ بھی پتہ ہے کہ یہ آپکی مرضی اور پسند کے بغیر ہوئی ہے۔" جہاں زیب بڑے ٹھنڈے لہجے سے بولے۔

"جی نہیں یہ جھوٹ ہے۔" اس کی آواز بھر آگئی۔

"اپنے آپ کو دھوکا مت دو صنم۔ یہ رشتے ناطے مذاق نہیں ہوتے یہ جیون بھر کا ساتھ ہے۔ میں نے سنا ہے قیصر شکلا ہی نہیں دماغی طور پر بھی نارمل نہیں ہے۔"

"خدا کے لئے جہاں زیب آگے مت کہیں۔" وہ تقریباً رو دینے کو تھی۔

"کیوں حقیقت تلخ ہوتی ہے۔"

"کچھ بھی ہو وہ میرا منگیتر ہے اور بس سمجھے۔" وہ غصے سے کھولتی اندر چلی آئی پھر باوجود زوبی کے روکنے کے وہ خاموشی سے اٹھ کر گھر چلی آئی تھی۔ کافی دیر تک اپنے کمرے میں بند روتی رہی۔ جہاں زیب اور قیصر۔ قیصر اور جہاں زیب بس یہ دونوں نام ہی اس کے کانوں میں دھمک پیدا کرتے رہے۔ کتنا تضاد تھا دونوں میں۔

مگر میں جہاں زیب کے بارے میں کیوں سوچنے لگی؟ اب تو جیسا بھی ہے قیصر ہی اسکا سب کچھ ہے۔ اس نے سر جھٹک کر گہری آنکھوں کے تصور سے دامن بچانا چاہا۔

برفباری ہو چکی تھی۔ وہ تو جہاں زیب کی وجہ سے جلد ہی کراچی جا رہی تھی مگر مری کی برفباری کی وجہ سے رک گئی تھی۔ زوبی اور شہلا کے ساتھ پروگرام بنا لیا۔ شکیل انکے ساتھ تھا مگر آدھے راستے میں ہی ان کی گاڑی جواب دے گئی۔

"ایسی کھٹیچر گاڑی رکھتے ہی کیوں ہو۔" صنم جھلا گئی۔

"اوہ ہو تو مجھے کیا معلوم تھا گاڑی ڈاج دے جائے گی۔" شکیل بھی بزل سا تھا تب ہی اس کی باچھیں کھل گئیں۔ "اوہ مائی گاڈ یہ تو جہاں زیب بھائی کی جیپ ہے۔" شکیل چیخا۔ صنم لرز کر رہ گئی۔

"کیا بات ہے، تم لوگ ابھی یہیں تک پہنچے ہو؟"

"بس زیب بھائی گاڑی بے وفا نکلی۔" شکیل نے منہ بنایا۔

"چلو میری گاڑی میں چلے آؤ۔" جہاں زیب انکا سامان اندر گاڑی میں رکھوانے لگے۔

"آپ کدھر جا رہے ہیں؟"

"سائٹ پر ہی جا رہا تھا چلو تم لوگوں کے ساتھ ذرا تفریح ہو جائے گی۔ اور تم سناؤ سفید بلی حسن کا خط وغیرہ آیا؟" جہاں زیب نے شہلا کے بھائی کے متعلق پوچھا جو جہاں زیب کا دوست تھا آجکل اپنے ملک کے وفد کے ساتھ چین گیا ہوا تھا۔

"وہ ٹھیک ہیں زیب بھائی۔ مگر کچھ عرصے سے آپ ٹھیک نظر نہیں آرہے؟" زوبی شوخی سے بولی۔

"ہیں ہیں تمھیں میں بیمار نظر آرہا ہوں؟" جہاں زیب نے مڑ کر آنکھیں دکھائیں۔ صنم نے کھولتی آنکھوں سے جہاں زیب کو دیکھا۔ مگر بولی کچھ نہیں۔

"آپ بہت پریشان نظر آرہی ہیں کیوں؟" جہاں زیب بولے۔

"جی نہیں اچھی بھلی ہوں۔" وہ تلخی سے بولی۔

میں اس شخص سے جتنا دور بھاگتی ہوں یہ اتنا ہی نزدیک سے نزدیک تر چلا آرہا ہے میں کیا کروں۔ اس نے سختی سے آنکھیں موند لیں۔ نجانے کیوں اس کا دل بھر آیا۔ آنسوؤں کی نمی اس کی پلکوں پر چمکنے لگی۔ جہاں زیب نے شاید محسوس کر لیا تھا وہ چپ ہو گئے۔

مری پہنچ کر وہ لوگ ریسٹ ہاؤس میں ٹک گئے۔ اس روز

Waqar Azeem Pakistanipoint.Com

پورا دن انہوں نے آرام میں گزارا ہلکی ہلکی برفباری ہو رہی تھی۔ وہ سب لوگ آتشدان کے نزدیک کرسیاں ڈالے بیٹھے تھے۔ شکیل نجانے کب کے جمع کیے لطیفے سنا رہا تھا مگر وہ یہ سب سن ہی کب رہی تھی بیحد بجھی سی بیٹھی رہی پھر سب کی نظروں سے بچ کر برآمدے میں نکل آئی۔ ہر چیز مکمل برف میں چھپ گئی تھی وہ ستون سے لگی کھڑی رہی، برف گرتی رہی اسکا وجود اندر سے سرد ہو رہا تھا تبھی بیحد آہستگی سے کسی نے اس کے شانوں پر دوپٹہ ڈالا صنم سن ہو کر رہ گئی، جہاں زیب اس کے پیچھے کھڑے تھے۔

"آپ" صنم لرز کر رہ گئی۔

"جی۔ کرنل صاحب کا حکم تھا کہ آپ کا خیال رکھوں۔"

"تو آپ کو پاپا نے بھیجا تھا؟"

"خیر بھیجا تو نہیں تھا کہہ دیا تھا اگیے جاؤں تو آپ کو ہوا نہ لگنے دوں، اب چلی چلئے اندر۔"

"جہاں زیب" وہ رو دینے کو تھی۔

"کہیئے کیا پرابلم ہے؟" وہ معنی خیز انداز سے مسکرائے۔

"آپ میرا پیچھا چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟"

"میں نے پیچھا چھوڑنے کے لیئے پیچھا نہیں کیا۔"

"آپ جانتے ہیں کہ....."

"یہی ناکہ آپ کسی اور کی منگیتر ہیں، یہ انگوٹھی جو آپ نے پہنی ہے یقیناً قیصر صاحب کی یادگار ہے۔ کیوں اپنی دشمن بنی ہیں۔ ساری عمر پچھتائیں گی اپنی اس حماقت پر۔"

"مجھے آپکے مشورہ کی ضرورت نہیں سمجھے۔" وہ روتی ہوئی اندر بھاگ گئی۔

"یہ لڑکی تو بالکل ہی پٹڑی سے اتر گئی۔" جہاں زیب نے شانے اچکائے اور اندر چل دیئے۔

صبح سے ہی موسم بڑا خوبصورت تھا وہ پانچوں برف پر اسکیٹنگ کر رہے تھے صنم تھک کر ایک پتھر پر بیٹھ گئی، جہاں زیب بھی وہیں آ بیٹھے۔

"صنم اب تو آپ مکمل صحت مند ہو چکی ہیں۔"

"پھر آپکے کیا ارادے ہیں بستر پر بٹھا دوں؟" وہ تڑخ سے بولی۔

"ارے نہیں میرا یہ مطلب نہیں، ویسے آپ کو یہ انگوٹھی بہت پسند ہے؟"

"جی آپ سے مطلب؟" وہ لرز اٹھی۔

"صنم کیا ایسی کوئی صورت نہیں ہو سکتی کہ یہ انگوٹھی اتر جائے۔"

"خدا کے لیئے جہاں زیب میں پہلے ہی ڈسٹرب ہوں مجھے پریشان نہ کریں۔"

"مجھے سب معلوم ہو گیا ہے صنم آپ نے اپنی بھابی کی خوشی کی خاطر یہ رشتہ قبول کیا ہے۔"

"میں انہی سے بات کروں گا۔" جہاں زیب کے لہجہ میں بلا کی استقامت تھی۔

"نہیں آپ کو میری قسم ان سے کچھ مت کہیئے گا۔"

"جی" جہاں زیب نے حیرت سے دیکھا۔ صنم کو احساس ہوا کہ انجانے میں کتنی بڑی بات کہہ گئی۔

"صنم خوبصورت جذبے کبھی یکطرفہ نہیں ہوتے۔ آپ نے مجھے قسم بہت بڑی دی ہے۔ مگر میں نے آپ سے پہلے بھی ایک دفعہ کہا تھا کہ ہم فوجی لوگ بات کے بہت پکے ہوتے ہیں۔ میں اس قسم کا کفارہ تو ادا کر دوں گا مگر آپ کی ان ظالم و جابر بھابی سے ضرور ملوں گا جو آپ جیسی معصوم لڑکی پر ظلم توڑ رہی ہیں۔"

"پلیز بھابی کو کچھ نہ کہیں۔ انکا کوئی قصور نہیں۔" وہ ادھ بانسی ہو گئی۔

"قصور آپ کا ہے یہی کہنا چاہ رہی ہیں نا۔ مگر قصور ان کا ہو آپ کا ہو یا قیصر کا ہو۔ جہاں زیب کی زندگی میں پہلی بار ایک لڑکی آئی ہے اور وہی لڑکی آخری لڑکی ہو گی۔ میں تمہیں اس قیصر سے چھین لوں گا سمجھیں۔"

"میں بے موت مر جاؤں گی جہاں زیب۔" وہ بلک اٹھی۔

مگر جہاں زیب اپنے چہرے پر لاتعداد سلوٹیں ڈالے کچھ اور ہی سوچ رہے تھے۔

"میں تمہاری بھابی سے ضرور ملوں گا۔ اور تم بھی دعا کرنا کہ اس بڈھوا اور احمق سے تمہاری جان چھڑا سکوں۔"

صنم کچھ نہ بولی، ہولے ہولے سسکیاں لیتی رہی۔

"ارے آؤ نا" زوبی چیخی۔

"نہیں اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، ہم دونوں صرف تم لوگوں کو دیکھیں گے ٹھیک ہے نا۔" جہاں زیب نے صلح کرنے کے انداز میں صنم کو دیکھا۔

صنم کو ان آنکھوں میں نجانے کیسے کیسے جذبے پنہاں نظر آئے۔ اس نے پھر سر جھکا لیا۔

نجانے کبھی کبھی کیوں لگتا ہے کہ جہاں زیب کی جگہ قیصر آ گیا ہو۔ وہ خاموش بیٹھی سوچتی رہی۔ ہنسنے کے انداز گو قیصر کے بڑے بے ڈھنگے تھے۔ مگر یہ دانت، یہ ہونٹ یہ سب کچھ قیصر سے اتنا کیوں ملتا ہے۔ "لگتا ہے پھر اس احمق کی جنت کی طرف نکل گئی ہو۔"

WaqarAzeem
Pakistanipoint.com

"نہیں نہیں۔" صنم بری طرح جھینپ گئی۔

وہ لوگ ایک ہفتہ بعد مری سے لوٹے تو اس نے جہاں زیب کو صاف صاف بتا دیا تھا کہ قیصر جیسا بھی ہے اب اس کا ہونے والا شوہر ہے مگر جہاں زیب نے ایک نہ مانی اُس کی ایک ہی رٹ تھی۔ میں تو تمہاری بھابی سے لڑوں گا۔ قیصر سے تمہیں چھین لوں گا۔

اور اس پر پھر وہی وحشتیں طاری رہنے لگی تھیں ان دنوں بھابی کا خط آیا کہ روفی بیمار پڑ گیا ہے۔ پھر ماما اور پاپا کے روکنے کے باوجود وہ کراچی چلی آئی۔ جہاں زیب اسے اسٹیشن تک ڈراپ کرنے آئے۔

"سو لڑکی میں آؤں گا۔"

صنم پوری جان سے لرز اٹھی۔

کراچی آ کر وہ لاکھ خود کو مصروف رکھنے کی کوشش کرتی لیکن جہاں زیب کا خوبصورت سا تصور اس کو ہلا کر رکھ دیتا۔ کئی دفعہ بھابی نے بھی پوچھا وہ کیوں اس قدر اُلجھی اُلجھی رہتی ہے۔ تب ایک افسردہ سی مسکراہٹ سے وہ ٹال جاتی۔ قیصر کے خط پر خط آ رہے تھے پھر اچانک ہی اس کا خط ملا کہ وہ اگلے ماہ ہی آ رہا ہے اپنی دلہن کو لینے۔ اس کا ارادہ بحرین جانے کا تھا۔ شاید امی اور پاپا بحرین سے آ رہے تھے۔ صنم نے جس روز سے قیصر کا خط پڑھا تھا بہت بکھری بکھری سی رہنے لگی تھی۔

اے اللہ مجھے اس پل صراط سے گذارنا۔

اس نے دعا مانگی۔

بحرین سے خط آیا کہ بھابی کے پاپا اور امی آ رہے تھے۔ وہ لوگ ہمیشہ کے لئے پاکستان آ رہے تھے۔ بھابی کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا انہیں ایک ساتھ کئی خوشیاں مل رہی تھیں۔ امریکہ سے پاپا لوٹ آئے تھے۔ وہ صنم پر بہت ناراض بھی ہوئے تھے۔ اس کی منگنی کی حرکت پر مگر صنم نے انہیں قائل کر ہی دیا تھا جسے وہ بھی خدا کی رضا سمجھ کر کے خاموش ہو رہے تھے۔ گھر میں شادی کی تیاریاں زوروں پر جاری تھیں۔ حنا اور شجو بھی چلی آئی تھیں۔ اس پر برابر بگڑے جا رہی تھیں۔ حنا کا تو ارادہ تھا ایک دفعہ قیصر ہاتھ لگ جائے پھر اس کو آڑے ہاتھ لے گی۔ اسی کشمکش میں وہ پھر خود کو تھکا تھکا محسوس کرنے لگی تھی۔ ساتھ ہی یہ خدشہ بھی تھا کہ جہاں زیب نہ آن ٹپکیں مگر ایک روز وہ آ ہی گیا۔ وہ بھابی حنا اور شجو کے ساتھ بیٹھی تھی بھابی اس کے جوڑے ٹانک رہی تھیں تبھی چوکیدار نے ایک کارڈ لا کر دیا۔

"میجر جہاں زیب۔" بھابی نے زیر لب دہرایا۔ صنم سفید پڑ گئی۔ "بھئی اس نام کے تو میں کسی شخص کو نہیں جانتی۔ ان سے کہو انہیں غلط فہمی ہوئی ہوگی۔ شاید تمہارے صاحب سے ملنا چاہتے ہوں۔"

"نہیں بیگم صاحب۔ وہ کہہ رہے ہیں مجھے بیگم صاحبہ سے ہی ملنا ہے۔" چوکیدار نے بتایا۔

"پتہ نہیں کون ہے۔ خیر انہیں ڈرائینگ روم میں بٹھاؤ۔"

بھابی کسی سوچ میں پڑ گئیں۔

"بھابی اس صنم کو کیا ہو رہا ہے۔" حنا پریشانی سے چلائی۔ اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔

"اوہ میرے خدا یہ بے ہوش ہو گئی ہے شجو ڈاکٹر کو فون تو کرو۔" بھابی نے اسے وہیں کوچ پر لٹا دیا۔ اس ہڑبونگ میں وہ میجر جہاں زیب کو بھول گئیں۔

ذرا سی دیر میں اسے ہوش آ گیا۔ ڈاکٹر اسے انجکشن وغیرہ دے گیا۔ وہ خاموشی سے لیٹی ہوئے ہولے ہولے روتی چلی جا رہی تھی بھابی الگ پریشان تھیں کہ اسے یکایک ہو کیا گیا تھا۔ حنا اور شجو کی سمجھ میں بھی نہ آیا۔ تب چوکیدار نے دوبارہ بتایا کہ میجر صاحب بڑی دیر سے انتظار کر رہے ہیں۔"

"اوہ میرے خدا میں تو بھول ہی گئی تھی۔" وہ بری طرح نروس ہو گئیں۔ "نجانے کون ہے۔"

بھابی کے جانے کے بعد وہ بلک بلک کر رو دی۔

"اے بندہ خدا کچھ بھی تو بولو۔ کیوں روئے چلی جا رہی ہو۔"

حنا بھی رو دینے کو تھی۔

"اور کرو ہمدردیاں قیصر کی۔ اب بھگتو خود ہی۔" شجو نے بھی اسے کوسا۔

"ایک تو نجانے یہ میجر کا بچہ کہاں سے ٹپک پڑا۔ ٹھہرو میں دیکھتی ہوں۔" حنا اٹھ کر چلی گئی۔ ذرا سی دیر میں ہی وہ ہانپتی کانپتی چلی آئی۔ "اُوہ صنم اللہ قسم بہت ہی ہینڈسم ہے۔ پر ایک بات ہے وہ بھابی کے آگے ہاتھ جوڑ رہا تھا اور وہ رو رہی تھیں۔"

صنم سہم گئی شاید وہ سب سے لئے ہی کچھ کہہ رہا ہے۔ وہ اپنی سوچ پر اور پریشان ہوتی رہی۔ ذرا سی دیر میں بھابی ہنستی مسکراتی چلی آئیں۔

"صنم یہ میجر جہاں زیب تم سے ملنے آئے ہیں۔" وہ ذرا سنجیدگی سے بولیں۔

صنم بلک کر رو دی۔

"بھابی خدا گواہ ہے میں نے انہیں کبھی آگے بڑھنے نہیں دیا۔ ان سے کہیے وہ چلے جائیں چلے جائیں۔" وہ بری طرح بھابی سے

Vaqar Azeem
Pakistanipoint.Com

لیٹی رو رہی تھی۔ حنا اور شجو ہونقوں کی طرح کھڑی تھیں۔
"جی نہیں میجر جہاں زیب کبھی نہیں اور کہیں نہیں جا سکتے"
وہ بڑے مزے سے دندناتے چلے آئے۔
شجو نے بڑی دلچسپی سے دیکھا۔ "خوب صنم بیگم کے ساتھ نیا افسانہ۔ مگر یہ افسانہ خوبصورت ہے۔ اُف مگر سچویشن کیا ہے غریب کے ساتھ تو ٹریجڈی ہی ٹریجڈی ہے" شجو مسکرا دی۔
"باجی اس لڑکی سے کہیں اب چپ ہو جائے میں اسے قیصر سے آزاد کرانے آگیا ہوں" جہاں زیب نے بڑی بے تکلفی سے اسکا چہرہ اوپر اٹھایا مگر وہ اسی طرح روتی رہی "یہ ایسے نہیں مانیں گی" جہاں زیب نے ذرا پیچھے مڑ کر دوبارہ دیکھا۔ حنا اور شجو ایک ساتھ چیخ پڑیں۔
صنم نے گھبرا کر دیکھا پھر تو اسے لگا جیسے سارا کمرہ اس پر آ گیا ہو۔ سامنے ہی قیصر کھڑا ہنس رہا تھا مگر اب گلاسز کے بغیر۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ یہ سبزی مائل گہری آنکھیں میجر جہاں زیب کی ہی ہو سکتی ہیں۔
"دیکھا کیسے بہتے آنسو روک دیئے" وہ کھلکھلا کر ہنس پڑے۔
تبھی بھابی نے زور سے ایک دھول جمائی۔
"اتارو یہ چھلی ورنہ ایک اور تھپڑ لگاتی ہوں"
"ابھی اتارتا ہوں باجی ویسے بھی ڈرائینگ روم میں آپ نے میری اچھی خاصی پٹائی کر دی ہے"
"تمہیں تو جو سزا بھی دی جائے کم ہے" وہ دانت پیستی ہوئی بولیں "میری پھول سی گڑیا کو بالکل ہی مرجھا کر رکھ دیا۔"
"اسی لئے جلدی کر رہا ہوں کہ اسکا ہاتھ میرے ہاتھ میں تھما دیں ورنہ قیصر کی صورت یاد کر کے یہ صنم تو ختم ہی ہو جائے گی"
"بہت ہی بدتمیز ہیں آپ" شجو کا مارے غصے کے برا حال تھا "یعنی اتنا بیوقوف بنا دیا"
"میں نے کیا بنا دیا میرا ارادہ تھا جلدی یہ ڈرامہ ختم کر دونگا۔ پھر مجھے ذرا لطف آیا تو اور بڑھا گیا یہ اب بھی ختم نہیں ہوتا اگر امی، پاپا بحرین سے نہیں آ رہے ہوتے"
"اب یہ بتا دو کہ ماما اور پاپا سے کیسے نبٹو گے؟"
"انھیں سب بتا کر اچھی خاصی ڈانٹ کھا کر آ رہا ہوں۔ وہ تو شکر ہوا پاپا نے صنم کا سہاگ سمجھ کر کورٹ مارشل کا حکم نہیں دیا" جہاں زیب بڑی فراخدلی سے ہنسے۔
صنم نے ڈھیر سارے آنسوؤں کے درمیان مسکرا کر انھیں دیکھا۔
"بس اب بہت ہو لی اب آپکی سزا یہ ہے میجر جہاں زیب یا قیصر صاحب کہ فوراً ہی کمرے سے دفعہ ہو جائیے" شجو کا غصہ ابھی تک بدستور تھا۔
"جب تک ہماری لڑکی رخصت نہیں ہو جاتی اسوقت تک آپ اس کی ایک جھلک تک نہیں دیکھ پائیں گے" وہ دونوں ملکر زبردستی جہاں زیب کو دروازے کی طرف کھینچنے لگیں۔
"باجی پلیز ان بلاؤں سے بچائیے" جہاں زیب چیخے۔
"نہ بابا۔ یہ لڑکیاں تمہارے ساتھ جو سلوک کریں کم ہے" بھابی نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔
"اور یہ خود دھول گئیں میری کیا مٹی پلید کی تھی" جہاں زیب مصنوعی غصے سے بولے۔
"بس زیادہ بولیں مت" حنا نے ایک زوردار گھونسہ جماتے ہوئے کہا۔
"صنم آپ ہی کچھ کریں"
"جی نہیں بڑھو میاں۔ آپکی یہ سزا ابھی بہت کم ہے" وہ کھلکھلاتے ہوئے بولی۔
"یہ بات ہے ابھی تم لوگوں کو ٹھیک کرتا ہوں" جہاں زیب اپنی پینٹ کی جیب سے چھلی نکالتے ہوئے بولا۔
"قیصر خدا کے لئے نہیں" بھابی زور سے چیخیں۔
مگر اتنے عرصہ میں حنا اور شجو انہیں باہر دھکیل کر کنڈی چڑھا چکی تھیں۔
"بس بہت ہو لی قیصر صاحب اب اکیلے بیٹھ کر روئی اور حنا سے کھیلیں وہ اپنے جانی ماموں کو بہت یاد کرتے ہیں" وہ دونوں ہنستے ہوئے بولیں۔
بھابی نے بڑی طمانیت سے مسکرا کر صنم کو اپنے بازوؤں میں بھر لیا، ڈھیر سارے آنسو اس کی جدائی کے تصور سے ابل پڑے۔

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

فاطمہ زہرا جبین

شام کی سرمئی دلہن کا گھونگھٹ کچھ اور ڈھلک چلا تھا۔ اور راوی کے کنارے اس ناتواں سی لڑکی کے قدم سرد ہواؤں کے زبردست تھپیڑے سہتے ہوئے لڑکھڑا رہے تھے۔ مگر آج وہ یہاں اک عزم مصمم کرکے آئی تھی۔ وہ برائیوں سے اپنی جان سمت نزواں حاصل کرنا چاہتی تھی۔ لیکن... لیکن ایکدم وہ چونک پڑی دو وسیع بازو اُسے تھامنے کے لئے ضدیں آگے بڑھ رہے تھے۔ کوئی نادیدہ قوت اُسے آگے جانے سے روک رہی تھی۔ اور دور کہیں سے ایک مترنم آواز آ رہی تھی جسے سن کر یوں محسوس ہوا کہ جیسے مقدس و پاک مریم سفید پاکیزہ لباس زیب تن کئے اُوپر سے دیکھ کر کہہ رہی ہوں۔

" ریگنس۔ تم کہیں نہیں جاسکتیں۔ تم برائیوں سے نہیں اپنی جان سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی ہو۔ جاؤ بیٹی۔ حوا کی عظمت کو بابوں میں سمیٹ کر مریم کے تقدس کی چادرا وڑھ کر دنیا کو امن و آشتی کا سبق دو۔ جاؤ۔"

" نہیں۔ نہیں مجھے مرنے دو۔ اے آواز کے سحر انگیز سایو! اپنی آواز کے سحر سے مجھے آزاد کر دو۔"

ریگنس کانوں پر ہاتھ رکھ کر جذباتی انداز میں چلائی۔ اور راوی کے تخ پانی میں اترنے لگی بھوکی لہریں اس کی جانب بڑھ رہی تھیں

" رنگینس۔"

یہ آواز حکم سے بھرپور اور گونجدار تھی۔ اس کے نازک پیروں میں آواز کی وزنی بیڑیاں پڑ گئیں وہ سر کو تھام کر وہیں ٹھنڈے تخ پانی میں بیٹھ گئی۔

" مقدس مریم تو ہی بتا میں کیا کروں مجھے یہ دنیا اور دنیا والے جینے نہیں دیتے آرتھر نے میری زندگی کا سکون چھین لیا ہے مجھے موت کے ویران محل کا مسافر بنا دیا ہے۔"

وہ اپنے ٹھنڈے برف جیسے ہاتھوں سے چہرے کو ڈھانپ کر بلک پڑی مگر آواز کی جھنکار نے اس کے بہتے آنسوؤں کو روک دیا۔

" ریگنس۔ کیا پاک مریم کے کردار پہ کیچڑ نہیں اُچھالا گیا۔ کیا خدائے بزرگ و برتر کے پیغمبر و پارسا بندے اس الزام سے مبرا رہے۔ یہ راوی تمہیں نگل ضرور سکتا ہے۔ مگر تمہاری پاکدامنی اور بے گناہی کی گواہی نہیں دے سکتا۔ یہ دنیا کی ریت ہے خوشی کے سب سنگی ساتھی غم میں سب دور اک ذات غم۔ وہ تن تنہا۔ مگر ایک وقت آئے گا کہ لوگ تمہاری پاک دامنی کو تسلیم کریں گے۔ جاؤ اچھی لڑکی حقیقت سے فرار بزدل اور کم ظرف حاصل کرتے ہیں بہادر انسان کا ظرف بہت بلند ہوتا ہے۔ جاؤ اسی راستے کو اختیار کرو جو سچائی کے ویران قبرستان میں سے جاتا ہو جھوٹ اور بدی کے مکروہ محلوں میں نہیں۔"

اور اس آواز کا سحر ریگنس پر یوں طاری ہوا کہ وہ راوی سے دور بھاگنے لگی۔ اسکا سانس دھوکنی کی طرح چل رہا تھا۔ اور جذباتی انداز میں دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے بولتی ہوئی بھاگ رہی تھی۔

" اے خداوند یسوع مسیح مدد کر۔ اے خداوند یسوع مسیح میں بہت تھک چکی ہوں۔ اے فریاد سننے والے میری مدد فرما خداوند یسوع مسیح۔"

اور وہ دیوانہ وار بھاگتے ہوئے فرطِ جذبات سے اپنے گھر کے چبوترے پر آن پڑی۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے جذبات کی تمام شدتوں نے اس کے اُوپر آ کے دم توڑ دیا ہو۔ اس کے ممی اور ڈیڈی جوزف متھو نے اُسے بے ہوش پڑا دیکھا تو اندر لے گئے کئی گھنٹوں کے بعد اُسے ہوش آیا۔ مگر جسم بخار کی شدت سے تندور کی مانند دہک رہا تھا۔ ریگنس نے اپنی جلتی ہوئی آنکھوں کو کھولا جو سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔ ممی جلدی سے آگے بڑھیں اور مامتا کی تمام تر شدتوں سے اس کی جبیں پر بوسہ محبت ثبت کر دیا۔

" ریگنس بیٹے کیا ہو گیا تھا تمہیں۔ کہاں چلی گئیں تھیں تم یہ کیا کر لیا تم نے ڈیئر۔"

" کچھ نہیں ماما کچھ نہیں۔"

ریگنس نے اپنی آنکھوں کو بند کر لیا جس سے آنکھوں کی جلن میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔

" بیٹا کیا تم اپنے ڈیڈی کو بھی کچھ نہ بتاؤ گی۔"

جوزف متھو نے اداسی سے کہا۔

" ڈیڈی۔ آرتھر۔"

ایگنس اُلجھ اُلجھ سی گئی۔

" ہاں۔"

جوزف نے گہری سانس لی۔

" بیٹا آرتھر نے بہت بُرا کیا۔ حالانکہ تم لوگوں میں بہت انڈر اسٹینڈنگ بہت تھی مگر پتہ نہیں کیوں وہ بدل گیا۔"

مسز جوزف نے سر کو ندامت سے جھکا دیا۔

" اوہ۔ خداوند یسوع مسیح۔ خداوند۔ مسیح تو کہاں گیا۔ تو کہاں ہے مجھے آرتھر نے۔ آرتھر... آرتھر... آجاؤ کہاں ہو۔"

ریگنس ایکدم پاگل سی ہو گئی۔

" ایلیزا پلیز ہیلپ می۔"

Wadar Azeem
Pakistanipoint.Com

جوزف میتھو نے بے قابو ہوتی ریگنس کو دیکھ کر اپنی بیوی سے کہا۔

"جوزف تم اسے تنہا چھوڑ دو کہیں یہ فرطِ جذبات سے ذہنی توازن ہی نہ کھو بیٹھے۔"

اور پھر بڑی مشکل سے جوزف اور ریگنس کو الگ کیا اور دروازے کو لاک کر کے باہر آ گئیں پریشانی ان کے چہرے سے ہویدا تھی ریگنس جنونی حالت میں کمرے کی ایک ایک چیز اٹھا کر دروازے پر پھینکتی رہی روتی رہی یہاں تک کہ اس کے نمکین آنسو خشک ہو گئے لب سوکھ کر لکڑی کی مانند ہو گئے۔ بکھرے ہوئے جذبات پرسکون سمندر کی مانند ہو گئے اور... ریگنس تھک کر وہیں فرش پر بکھرے ہوئے سامان کے درمیان سو گئی کسی روٹھے بچے کی مانند جو کبھی خواہش کے نامکمل رہنے پر آزردہ ہو کر سو جاتا ہے۔

•

وہ اتوار کا دن تھا اس روز وہ لوگ بڑے ادب و احترام کے ساتھ تیار ہو کر چرچ جایا کرتے تھے اور ان کا گھر تو چرچ کے بالکل ہی قریب تھا اس دن بھی تمام اہل خانہ بہ اہتمام و صد احترام تیار ہو کر چرچ گئے مگر بے قرار رہی تو ریگنس وہ بڑی بے دلی سے تیار ہوئی۔ اس کا دل تو کبھی بھی چرچ میں نہ لگا۔ اس کا جسم چرچ میں ہوتا مگر اس کی روح سچائی کے ان چشموں کو تلاش کرنے نکل جاتی جس سے روحانی پیاس بجھائی جا سکے اور کان سچائی کا لافانی نغمہ سننے کے لئے صحرا صحرا بھٹکنے لگتے۔

ریگنس کے والد مسٹر جوزف میتھو ایک اعلیٰ عہدے پر فائز تھے لوگ ان کی عزت کرتے تھے ان کے اطراف ہر وقت معزز افراد کا میلہ لگا رہتا تھا اور وہ ان تمام لوگوں کے درمیان رہتے ہوئے کھلی آنکھوں کے سہارے کھرے اور کھوٹے کی جستجو میں نکل پڑتی۔

"بیٹی۔ آج کل تم کچھ پریشان دکھائی دیتی ہو۔"

ایک دن اس کی بکھری بکھری حالت دیکھ کر اس کی ماں نے ایلزا سے پوچھا۔

"ماما... ماما... بس۔"

ریگنس کی پیشانی عرق آلود سی ہو گئی۔

"بیٹی... ہم ان والدین میں سے نہیں جو اولاد پر اپنا تسلط کسی مطلق العنان آمر بادشاہ کی طرح قائم رکھتے ہیں۔ ریگنس تمہارے دل میں جو بھی بات ہو ہمیں اپنا دوست اپنا ہمدرد سمجھ کر کہہ ڈالو۔"

ایلزا جوزف اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے بولیں۔

"ماما مجھے خود پتہ نہیں میں کیا چاہتی ہوں۔ بس مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے میرے چاروں طرف آوازوں کے سائے رقص کناں ہوں۔ اور سچائی کا نغمہ الاپ رہے ہوں اور مجھ سے صرف میری ذات کو مخاطب کر کے کہہ رہے ہوں۔

ریگنس تم سچائی کی تلاش میں نکل پڑو عزت کے لعل و گوہر تمہارے قدموں میں ہوں گے۔

اس لمحہ میرا خون جوش سے ابلنے لگتا ہے میں اس لمحہ بیٹھ تک نہیں سکتی۔"

ریگنس چھت پر لگے فانوس کو گھورتے ہوئے بولی۔

"بیٹی مجھے افسوس ہے کہ تم آرتھر کی ہو نہ سکیں لیکن ہم اس کا کیا بگاڑ لیتے لڑائی جھگڑے سے کیا فائدہ خداوند یسوع مسیح تو امن کا سبق دیتا ہے دنیا کتنی ہی ترقی کیوں نہ کر جائے عورت مرد سے ہی محبت کرتی ہے اور لٹتی ہے مگر دنیا والے دوشش مرد کو نہیں عورت کو دیتے ہیں صدیوں سے مشرق و مغرب میں عورت کا استحصال ہوتا رہا ہے اور عورت ہمیشہ ہی مرد کے قوی کندھوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہوتی رہی ہے اور ہوتی رہے گی۔"

ایلزا جوزف نے اداس لہجہ میں کہا تو ریگنس سسک اٹھی۔

"ماما... ماما آپ کہیں کہ میں کیا کروں۔"

"صبر کرو بیٹی خداوند صابر یسوع کے ساتھ بھی تھا اور تمہارے ساتھ بھی ہے۔"

ایلزا جوزف اپنی بیٹی کو دلاسہ دیتے ہوئے بولیں تو ریگنس نے اپنے برف جیسے سرد ہاتھوں سے آنسوؤں کو پونچھ ڈالا۔

"ماما اگر میں کبھی بھٹکنے لگوں تو راہ دکھانا۔"

وہ ماں کے سینے سے لگتے ہوئے بولی۔

"بیٹی ہم... ہم سچے تو نہیں ہیں مگر حتی الامکان سچائی کا ساتھ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔"

"ماما..."

وہ سسک کر ماں کے گلے سے لگ گئی۔

اس دن اس کی کزن لزی کی سالگرہ تھی۔ ریگنس بھی موڈ بدلنے کے لئے اس کے گھر چلی آئی۔ وہ سائڈ میں کھڑے اپنے انکل رچرڈ سے باتیں کر رہی تھی کہ اس کی نظر آرتھر پر پڑی جو ورجینیا کے ساتھ جیسے سب ہی کے سنہری بالوں کی وجہ سے گولڈن گرل کہتے تھے کمرے میں ناچ والے اندر چلا آ رہا تھا۔ ایک دم اسے اپنے جسم میں چیونٹیاں رینگتی محسوس ہوتیں ریگنس کا دل چاہا کہ وہ دوڑ کر ورجینیا کا گلہ دبوچ لے یا آرتھر کے دل میں چھری پیوست کر دے تاکہ اس کا ابلتے ہوئے ذہن میں ٹھہراؤ آ سکے مگر وہ کچھ بھی نہ کر سکی۔

"ہیلو"

آرتھراس کے قریب آگیا اور گرم جوشی سے بولا۔

"ہیلو"

ریگنس بھی جواباً مسکرائی۔

"ریگنس کیا تم اداس ہو؟"

آرتھر نے اس سے دھیرے سے پوچھا۔

"نہیں تو"

ریگنس نے امڈتے آنسوؤں کو روک کر کہا۔

"مگر مجھے تو لگ رہی ہو"

آرتھر نے زبردستی پوچھا اور پلٹ کر دیکھا اور جینا جا چکی تھی۔

"زبردستی ہے۔"

"نہیں"

وہ اس سے بولا۔

"ریگنس کیا تم مجھے معاف نہیں کر سکتیں۔"

آرتھر کی آواز میں التجا تھی۔

"مگر تمہاری خطا۔"

ریگنس نے انجان بن کر پوچھا۔

"دیکھو ریگنس۔ دل کے معاملات میں کسی کو دخل نہیں۔ میں تمہیں چاہتا ضرور تھا مگر... مگر وہ جینا تم سے زیادہ اپیلنگ نکلی مجھے معاف کر دو۔" آرتھر واقعی شرمندہ لگ رہا تھا۔

"آرتھر اپنے دل کو سنبھال کر رکھنا۔ ورنہ پھر کوئی اور ریگنس بدنام ہو جائے گی۔ بکھر جائے گی۔"

ریگنس نے آہستہ سے کہا اور دوسری طرف چلی گئی آرتھر اس کے انداز اور لہجہ پر حیران سا رہ گیا۔

وہ صبح الم و طرب دونوں کیفیتوں کے ہمراہ طلوع ہوئی۔ اور اس طرح کہ مسٹر جوزف میتھو آنے جانے والوں کو یہ سمجھا رہے تھے کہ ریگنس اب ہم سے دور ہو گئی تو کیا۔ اس کا چہرہ رنگ طرب کے خوشنما پھولوں سے مرصع ہے پھر مسٹر جوزف ریگنس کے سر پہ ہاتھ رکھے کمزور لہجہ میں کہہ رہے تھے۔

"بیٹی حالانکہ ہم تمہاری اس برگشتگی کو برداشت نہیں کر پا رہے مگر ہم تمہیں تمہارے کسی فعل سے نہیں روکیں گے۔"

"تھینک یو ڈیڈی تھینک یو ویری مچ"

وہ خوشی سے بھرپور لہجہ میں بولی۔

"ہیلو مسٹر جوزف ہاؤ آر یو"

کرنل براؤن مسکراتے ہوئے بولے۔

"کوائیٹ ول"

مسٹر جوزف جواباً مسکرائے۔

"جوزف میں نے سنا ہے کہ ریگنس مسلمان ہو گئی ہے"

کرنل براؤن آخر بول ہی اٹھے۔

"تم نے ٹھیک ہی سنا ہے"

جوزف گہری سانس لے کر بولے۔

"اپنا مذہب چھوڑنے والی لڑکیاں اچھی نہیں کہلائی جاتیں جوزف"

کرنل براؤن ان کی طرف دیکھ کر کہا تو جوزف پراسرار مسکراہٹ کے ساتھ بولے۔

"اپنے محل کو چھوڑ کر مٹی کے ناپائیدار گھروندے تعمیر کرنا کہاں کی عقلمندی ہے"

کرنل براؤن بھی ہار ماننے والے نہ تھے۔

"اگر مٹی کے گھروندے سے سچائی اور سکون کی سوندی سوندی خوشبو آئے تو انسان بے روح کے محلوں کو چھوڑ دیتا ہے"

جوزف نے اطمینان سے کہا۔

"مگر کیا تم اپنے ضمیر کی خلش کو دبا سکو گے۔"

کرنل براؤن بھی ٹلنے والے نہ تھے۔

"میں محروم تو نہیں۔ آج بھی میرا ضمیر ازل و ابد کے فرق سے واقف ہے۔ عبد و معبود کے رشتے کو جانتا ہے۔ اور آج بھی میرا ضمیر فنا کے لافانی درد سے آشنا ہے اور اس لئے میں نے ریگنس کے مسلمان ہونے پر اعتراض نہ کیا۔ ہم کسی کے دل کے معاملات میں دخل دے کر گنہگار نہیں ہونا چاہتے"

جوزف نے ان کو سمجھایا۔

"جوزف ہم نے سنا ہے کہ تمہاری بیٹی مسلمان ہو گئی ہے۔"

"یہ آج کے پچاسویں مہمان تھے جو جوزف سے پرانا سوال دہرا رہے تھے اور اب جوزف پھٹ پڑے۔

"میری بیٹی مسلمان ہوئی ہے خدانخواستہ کافر نہیں جو ہر کوئی مجھ سے مجرموں کی طرح باز پرس کر رہا ہے میری بیٹی نے نیکی و سلامتی کا لباس زیب تن کیا ہے کوئی غلط کام نہیں کیا ہے۔" وہ کل بھی میری بیٹی تھی اور آج بھی میری بیٹی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ وہ کل ہماری ہم مذہب تھی اور آج مسلمان ہے۔"

جوزف بول رہے تھے کہ رحیم خان کی بات کاٹ کر بولے۔

"تو پھر تم خود مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے۔"

"یہ تو اپنے نظریات ہیں جب دل کسی چیز پر ایمان لے آئے تو انسان کا ضمیر جو انسان کا واحد معتبر راہنما ہے مطمئن ہوتا ہے مگر جب



Waqar Azeem pakistanipoint.com

دل میں کھوٹ آجاتے تو کھرا بھی کھوٹا ہو جاتا ہے۔"

•

نرگس کی تمام سہیلیاں اس کے مسلمان ہونے کا سن کر بہت خوش ہوئیں۔ اور اس کا اسلامی نام ان سب کی پسند سے تطہیر رکھا گیا مسلمان ہو کر واقعی اس کے من کی تطہیر ہو گئی تھی۔

اُسے مسلمان ہو کر یوں محسوس ہوا کہ جیسے اس کے بے کل من کو چین آگیا ہو ۔ اُسے یوں لگا کہ جیسے وہ مترنم آوازوں کے حصار سے آزاد ہو گئی ہو یا آزاد کر دی گئی ہو۔

آج شام وہ آخری مرتبہ ممی ڈیڈی کے ہمراہ ساحل سمندر پر آئی۔ اُسے یوں لگا کہ جیسے سمندر کی لہریں اُسے اللہ کی وحدت کا یقین دلا کر اسے مبارک باد پیش کر رہی ہوں۔

اس نے پیچھے مڑ کر دور تک پھیلی ہوئی سنہری ریت پر نظریں گاڑ دیں تو یوں لگا جیسے خاک کا ذرہ ذرہ اللہ اکبر کا ورد کر رہا ہو اور اچانک ہی اسکا تمام جسم فرط جذبات سے کانپنے لگا اور لب بے اختیار اللہ اکبر اللہ اکبر کا ورد کرنے لگے مسٹر اور مسز جوزف ایک دم اس کی حالت پر پریشان ہو گئے اور اُسے بڑی مشکلوں سے کار میں ڈال کر گھر لے آئے

•

سورج یوں تو ہمیشہ مشرق سے نکلتا ہے مگر تطہیر کے لئے سورج چاروں سمتوں سے ایک ساتھ طلوع ہوا اور اس کی سنہری کرنیں محبت و مبارک باد کا پیغام دیتی ہوئی دنیا پر محیط ہو گئیں۔ اور احساس کے ساتھ کائنات پر چمکدار موتی بن کر بکھر گئے اور تطہیر کا سر خدائے واحد خالق اعظم کے سامنے ادب کے ساتھ جھک گیا۔ اس کے جسم کا رواں رواں تو بڑا ہے تو بڑا ہے کا ورد کرنے لگا۔ اس پر ایک وجدانی کیفیت سی طاری ہو گئی۔ جو لذت عشق حقیقی سے روشناس کرا گئی۔

اس روز تطہیر اپنی دوست فوزیہ کو ڈھونڈ رہی تھی کہ سامنے سے ارجمند آتی دکھائی دی۔

"ہیلو، کیا حال ہے۔ سنا ہے کہ تم مسلمان ہو گئی ہو۔"

ارجمند جو کہ کئی دنوں کے بعد کالج آئی تھی گرم جوشی سے بولی۔

"ٹھیک سنا ہے تم نے۔ میں خدائے بزرگ و برتر اور اس کے محبوب رسول پر ایمان لے آئی ہوں۔"

"اُوہ یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔"

ارجمند جذباتی لہجہ میں بولی۔

"مگر ارجمند میں تم سے ایک بات کرنا چاہتی تھی۔"

تطہیر ذرا سی ہچکچائی۔

"کیا"

ارجمند نے گھڑی میں ٹائم دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ میں....."

تطہیر ہکلا گئی۔

"پلیز جانی جو کہنا ہے جلدی سے کہہ دو۔ آج میں نے مظفر کو ٹائم دے رکھا ہے۔"

"دراصل اب میں ممی ڈیڈی کے پاس رہ کر ان کے احساسات و جذبات کو زخمی کر کے تڑپتا نہیں دیکھ سکتی۔ اگر تم....."

"لیکن میں کیا کر سکتی ہوں اس سلسلے میں۔"

ارجمند نے اپنے شیگی کٹ بالوں پر ہاتھ پھیر کر پوچھا۔

"اگر تم کرنا چاہو تو بہت کچھ کر سکتی ہو۔"

"بھئی بات کو طول نہ دو۔"

ارجمند کو جانے کی جلدی تھی۔

"اگر تم چند دنوں کے لئے اپنے گھر میں رہنے کو جگہ دے دو۔ میرا مطلب ہے کہ میں پے انگ گیسٹ کی حیثیت سے تمہارے یہاں رکنا چاہتی ہوں۔"

"اُوہ"

ارجمند نے اس کے کہنے پر لپ سٹک لگے ہونٹوں کو حرکت دی۔

"میرا مطلب شاید تم سمجھ گئی ہو"

تطہیر نے اس سے کہا۔

"دیکھو میں خود مختار نہیں ہوں۔ اس بات کے لئے مجھے گھر میں بات کرنی ہو گی، بٹ آئی ٹرائی مائی بسٹ۔"

ارجمند نے سوچتے ہوئے کہا۔

"بے شک تم مشورہ کر لو مگر یاد رکھو کہ میں پے انگ گیسٹ کی حیثیت سے رہنا چاہتی ہوں۔"

تطہیر نے اسے کہا اور وہ دونوں پھر ملنے کا کہہ کر اپنے کاموں سے چلی گئیں۔

چند دنوں کے بعد وہ اپنا انٹرویو دے کر ان کے یہاں پے انگ گیسٹ بن کر آگئی۔ اسکا کمرہ سرونٹ کوارٹر تھا جو کئی دنوں سے شاید خالی پڑا تھا سیلن زدہ ہو رہا تھا۔ اس کی ذات پر سب سے پہلا اعتراض اس کے کھلے کٹے ہوئے بالوں پر ہوا حالانکہ ان کا گھرانہ خاصا بلکہ بہت زیادہ جدت پسند تھا پھر باری اس کے ماڈرن فٹنگ والے لباس پر ہوا بڑھے ہوتے ناخن کٹ گئے گویا کہ تمام اسلامی قوانین کا اطلاق اس پر ہوا غرضیکہ کون سا اعتراض تھا جو اس پر نہ ہوا حالانکہ وہ مسلم کلچر کو کافی حد تک جانتی تھی اور اسی لئے وہ ان لوگوں کی ہر بات پر آمنا صدقنا

کہہ دیتی وہ اس بات پر حیران بھی تھی کہ یہ ان لوگوں کے یہاں کیا مسلم کلچر ہے جب اتنا خوبصورت ہے مگر ان لوگوں نے اپنی تہذیب کی صورت اتنی بدنما کیوں کر دی ہے کیا مسلمان اتنا گر سکتا ہے اس نے تو یہ سنا تھا کہ مسلمانوں کو غیبت سے منع کیا اور غیبت کو مردہ بھائی کا گوشت کے کھانے سے تعبیر کیا گیا تو یہ کیسے مسلمان ہیں جو ہر لمحے غیبت کرتے ہیں ان کے سینے بغض و کینے کے سمندر سے کیوں بھرے ہوئے ہیں پھر یہ آج کی نئی نسل اسلام سے اس قدر دور کیوں ہے شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ بزرگ خود فیشن کی دوڑ میں اس قدر تیزی سے بھاگ رہے ہیں کہ بچوں میں اسلامی اسپرٹ کو پیدا کرنے سے قاصر ہیں مگر مجھے کیا میں تو ایک نو مسلم ہوں۔ اور یہ میرا فرض ہے کہ میں اسلام کے ہر پہلو سے واقف ہو جاؤں اور اس پر عمل کروں مجھے یہ سب نہیں سوچنا چاہئے یہ تو وہی لوگ سوچتے ہیں جن کے من میں کھوٹ ہو جو اپنے فیصلے سے مطمئن نہ ہوں اب ایک مسلمان لڑکی ہوں اور مجھے اسلام کا بھرم رکھنا ہے۔ اسلام کو بہتر طریقے پر برتنا ہے اور یہ سب کچھ مجھے اپنے ہم مذہب لوگوں میں سے سیکھنا ہے۔

اس روز فضا بارش کے ہونے سے دھلی دھلی نکھر آئی تھی تطہیر اپنا گلابی فلیپر اور سیاہ شرٹ گلابی ڈوپٹہ اوڑھے سپارہ ہاتھ میں لئے ارجمند کی پھوپھی کے پاس چلی آئی۔ تو ان کے پاس بیٹھی ارجمند کی آئی تڑک اٹھیں۔

"اے بی بی اب مسلمان ہو ہی چکی ہو تو ان فرنگیوں والے لباس کو خیر آباد کہہ ہی دو۔"

"مگر آنٹی ابھی میرے پاس اور لباس بھی تو نہیں ہیں۔"

تطہیر نے دھیرے سے کہا۔

"مگر بی بی اس طرح کب تک گزارا ہوگا۔ اس لباس میں تو تم ایکدم عریاں لگتی ہو۔"

اور اوپر سے تم اس وقت درسِ قرآن لینے آئی ہو۔ توبہ توبہ۔"

"رضیہ بیگم بس کرو اب۔"

اب کے پھوپھی اماں نے ان سے کہا۔

"میں معافی چاہتی ہوں آنٹی آئندہ احتیاط کروں گی۔"

تطہیر نے ہولے سے کہا۔

پھر ایسا ہوا کہ ایک ہفتے کے بعد پھوپھی اماں نے بھاوج سے چھپا کر تطہیر کو نئے شلوار سوٹ سلوا دیئے۔

•

جیسے ہی اس نے بی اے کا امتحان دیا ایک مقامی اسکول میں سروس کر لی۔ کچھ عرصہ بیتا یوں اسے یہاں رہتے ہوئے ایک برس ہو گیا حالانکہ وہ یہاں پے انگ گیسٹ کی حیثیت سے رہتی تھی مگر حالت نوکروں کے قریب قریب ہی تھی اس لئے کہ وہ ان کے گھر کے اکثر کام کر دیا کرتی اس کے علاوہ تطہیر نے آدھا کلام پاک بھی ختم کر لیا تھا۔

بہشتی زیور۔ راہِ ہدایت اور تفسیر ابن کثیر،

اس کی پسندیدہ کتابیں تھیں جنہیں اس نے کئی مرتبہ پڑھا تھا اور تفسیر ابن کثیر سے تو اسے سیدھی راہ اختیار کرنے میں بہت مدد ملی۔

وہ جمعہ کا مبارک دن تھا جب کائنات کا ذرہ ذرہ سوئے عبادت تھا اور جب وہ عالم عبادت سے فارغ ہوئی تو پھوپھی اماں نے اسے کمرے میں بلا بھیجا۔ وہ دھیرے دھیرے سہمے سہمے قدموں سے ان کے کمرے میں آئی۔ جہاں چاروں طرف اگر بتی کی مخصوص خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ اور انہیں دیکھ کر یوں لگتا تھا کہ جیسے کوئی مقدس ہستی بیٹھی ہو۔ وہ پلنگ کے ایک کونے پر ٹک گئی۔ انہوں نے درود پڑھ کر انہیں اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا۔ وہ جھجکتی ہوئی ان کے قریب آئی تو انہوں نے اس کے چہرے پر دم کیا اور اسے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے وہ مہکتے ہوئے پھولوں کے حصار میں ہو۔ وہ بے خودی سے ہوتی گئی۔

"تطہیر"

پھوپھی اماں نے پکارا

"جی۔"

تطہیر نے ان کی طرف دیکھا۔

"یہاں آؤ میرے قریب۔"

انہوں نے اپنے پہلو کی طرف اشارہ کیا۔

پھوپھی اماں یوں دیکھ رہی تھیں کہ وہ جیسے بہت کچھ بولنا چاہتی ہوں مگر الفاظ حلق میں آ کر اٹک سے رہے ہوں۔

"پھوپھی اماں۔ کیا مجھ سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہے۔"

"نہیں۔"

تطہیر کے کہنے پر وہ کچھ سوچتے ہوئے بولیں۔

"تطہیر کیا تم میری بیٹی بننا پسند کرو گی۔"

"جی۔"

اس پر حیرت کا غلبہ طاری ہو گیا تھا کہ یہ پھوپھی اماں کیا کہہ رہی ہیں۔ اس نے چپکے سے اپنے بازو میں چٹکی کاٹی کہ کہیں وہ خواب کے عالم میں تو نہیں مگر حقیقت حقیقت ہی ہوتی ہے اس نے بے یقینی کے عالم میں پھوپھی اماں کی طرف دیکھا جن کے چہرے پر ممتا اور شفقت کا نور ایک ساتھ ہی امڈ آیا تھا ان کے لب دھیرے دھیرے لرز رہے تھے تطہیر نے ان کی طرف پیاس بھری نظروں سے دیکھا

Nayyar Azeem Pakistanipoint.com

دونوں کی نظریں ملیں۔ انہوں نے اپنے دونوں بازو پھیلا دیئے اور تطہیر کسی طائر بسمل کی مانند ان کے مشفق بازوؤں میں سما گئی۔ آنسو تھے کہ مسرت سے گالوں پہ پھیل رہے تھے۔ اور پھوپھی اماں اس کے سر کو محبت بھرے انداز میں ہاتھ سے سہلاتی رہی تھیں۔

دراصل پھوپھی اماں لاولد تھیں اور اُوپر سے بیوہ بھی اولاد کی خواہش مدت ہوئی حسرت میں تبدیل ہو چکی تھی اور تطہیر نے مسلمان ہو کر اس گھر میں قدم رکھا تو ایک خواہش تھی جس نے ان کے دل میں سر ابھارا تھا انہیں یوں لگا کہ وہ ہی ان کی بیٹی ہو گو کر ان کے بھانجے بھانجیاں، بھتیجے بھتیجیاں بہت تھے مگر ان سب کو کسی کی پرواہ نہ تھی ایک سے ایک الٹرا ماڈرن وہ ایسے منہ زور دریا کی مانند تھے جو آگے بہت آگے بہتا جاتا ہو۔ رکنا یا پیچھے مڑنا جن کی فطرت نہ ہو۔ ان کی مثال اس بے لگام گھوڑے کی سی تھی جو مستقبل کے آنے والے خطرات کی پرواہ کئے بنا آگے بڑھتا چلا جاتا تھا اور ایسے وقت میں پھوپھی اماں کی سوچ کو تطہیر نے نیا رخ دیا تھا۔ اور خود تطہیر کو اس پورے گھر نے میں پھوپھی اماں ہی ایسا گھنا برگد محسوس ہوئیں جس کے گھنے سائے میں وہ خود محفوظ محسوس کرتی تھی اور جسکا کام ہر آنے والے مسافر کو ٹھنڈی اور فرحت بخش چھاؤں فراہم کرنا تھا۔

پھوپھی اماں نے تطہیر کو ہر طرح سے مساوی سلوک فراہم کیا۔ اُسے زمانے کی اونچ نیچ سمجھائی۔ پیغام رسولؐ اور فرمان خداوندی کو آسان پیرائے میں بیان کیا مسلم تہذیب کے آغاز کو موثر انداز میں بتایا اور انہوں نے تطہیر کو اتنا کچھ بتایا کہ انہیں محسوس ہوا کہ جیسے انکا سینہ الفاظ کے بوجھ سے آزاد ہو گیا ہو۔

سب لوگ ڈائننگ ہال میں دوپہر کا کھانے کے لئے جمع تھے پھوپھی اماں نے تطہیر کو اس کے کمرے سے بلا بھیجا تو سب کی ناکیں چڑھ گئیں۔ رضیہ بیگم چپ نہ رہ سکیں۔

” آپا ایک تو ہم نے اُسے یہ الگ گیسٹ رکھ کر ہی بڑا احسان کیا ہے اور اب اگر ان لوگوں کو یونہی اپنے ساتھ بٹھا کر کھلانے سے تو رہے۔ ہمیشہ کی طرح کھانا آج بھی اس کے کمرے میں چلا جانا چاہئے گا“

” رضیہ کیا میری اس گھر میں کوئی حیثیت نہیں“ انہوں نے بھاوج کی طرف دیکھا تو وہ غصہ سے اُبل کر رہ گئیں۔

وہ دھیرے دھیرے باوقار قدموں سے چلتی ہوئی ڈائننگ ہال میں آئی آسمانی ڈوپٹے کے ہالے میں چہرہ پر ایمان کا نور پھیلا ہوا تھا۔ ارجمند نے اُسے دیکھا مسکرائی۔

” ہیلو ریگنس کیسی ہو تم “

” ارجمند بات کرنے سے قبل سوچا کرو۔ یہ ریگنس نہیں تطہیر ہے “

اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی پھوپھی اماں بول اٹھیں۔

” اوہ آئی ایم سوری۔ “

ارجمند نے فوراً ہی اپنی غلطی کو تسلیم کر لیا۔

” آپا یہ کوئی ایسی بڑی بات تو نہ تھی کہ آپ نے بچی کو ڈانٹ دیا۔ جب کوئی نیا نیا مسلمان ہوتا ہے تو ایسا ہو ہی جاتا ہے “

رضیہ بیگم کو ارجمند کا سوری کہنا کھل سا گیا تو وہ بولیں۔

” رضیہ یوں تو یہ کوئی بڑی بات نہیں مگر کسی نومسلم کے لئے بہت بڑی بات ہے پھر ہم مسلمان پیدا ہوتے ہیں اور مسلمان ہیں ہمارے ظرف کو بڑا ہونا چاہیئے۔ “

” آپا اس لڑکی کی خاطر ہمیں اس طرح ذلیل کر رہی ہیں کہ جیسے وہ آپ کو کوکھ کی جنی ہو۔ “

” رضیہ آہستہ بولو۔ اس لڑکی نے اگر میری کوکھ سے جنم نہیں لیا تو کیا ہوا میری بیٹی تو ہے۔“

پھوپھی اماں نے اُسے ”بیٹی“ کہہ کر اپنے پاس بلایا تو سب کے منہ مارے تحیر کے کھلے کے کھلے رہ گئے۔ رضیہ بیگم مارے کھولن کے کھانا چھوڑ کر چلی گئیں۔ ریحان بھی جز بز ہو رہے تھے مگر ارجمند بدستور کھانے میں مشغول رہی۔

شام اتر آئی تو وہ باہر لان میں آگئی جہاں رضیہ بیگم پودوں کی نگہداشت پہ لیکچر دے رہی تھیں اُن کی نظر جیسے ہی اس پر پڑی اس کی طرف آگئیں۔

” بہت خوب خود مسلمان ہوئیں دوپہر میرے پہ الگ گیسٹ بن کر آئیں اور اب مالکن بننے کی سوچ رہی ہو۔ “

” مگر آنٹی “

اس نے گھبرا کر کہنا چاہا۔

” اب اگر مگر کرنے کا کوئی۔ میں تم جیسی چلتی پھرتی لڑکیوں کے اعمال سے خوب واقف ہوں۔ تم آپا کی آنکھوں میں دھول ضرور جھونک سکتی ہو مگر میں آنکھوں دیکھی مکھی مر کر بھی نہیں نگل سکتی۔ “

” اُف خداوند اکیا تو اپنے ناتوان بندوں سے ایسے امتحان بھی لیتا ہے کیا مجھے اتنے رکیک الفاظ کا سامنا بھی کرنا پڑے گا۔ خداوندا تو مجھے اس آزمائش میں پورا اترنے کی توفیق عطا فرما۔ “

رضیہ بیگم تو کب کی جا چکی تھیں مگر تطہیر کے ذہن میں ہلچل مچنے لگی اس وقت وہ اپنے کمرے میں لیٹی کسی کتاب کے مطالعہ میں غرق تھی کہ پھوپھی اماں وہیں چلی آئیں وہ احتراماً اُٹھ کھڑی ہوئی انہوں نے اُسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود اس کے برابر بیٹھ گئیں۔ چند لمحوں کے بعد انہوں نے اس کے سر پہ شفقت سے ہاتھ پھیر کر کہا۔

” تطہیر میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔ “

Waqar Azeem Pakistanipoint.Com

"کہئے پھوپھی اماں۔"

"کیا تم مجھے ماں نہیں کہہ سکتیں۔"

ان کے لہجہ میں حسرت سی تھی۔

"جی۔"

تطہیر نے ان کی طرف حیران نظروں سے دیکھا۔

"ماں کہو۔ کہو ماں۔"

پھوپھی اماں نے اس کی طرف دیکھا۔

"جی امی۔"

تطہیر کے منہ سے اس قدر ہی نکل سکا۔

"کہو کہ میرا کہا مانو گی۔"

انہوں نے تطہیر کی طرف جواب طلب نظروں سے دیکھا۔

"آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔"

تطہیر نے جواب دیا۔

"یہ حکم نہیں التجا ہے۔"

انہوں نے اس کی طرف دیکھا۔

"آپ التجا نہیں کر سکتیں۔ اس لئے کہ بزرگوں کے حکم پر چھوٹے اپنی جان نثار کر دیا کرتے ہیں۔"

تطہیر نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"بیٹی۔ تم اب ملازمت نہیں کرو گی۔"

"جی۔"

اچانک ہی اُسے اپنے اُوپر کوئی چیز دھڑام سے گرتی محسوس ہوئی۔ ایک دھماکہ تھا جو ہوا اور ختم ہو گیا۔

"ہاں بیٹی۔ جب تک بیٹوں کی مائیں زندہ ہوں تو بیٹیاں ملازمت نہیں کرتیں تم میری بیٹی ہو۔ میرا سب کچھ تمہارا ہے تم نے بیٹی بن کر مجھے وہ سکون دیا ہے جس کی توقع آج کل اپنی کوکھ سے جنم لی گئی اولاد سے نہیں کی جا سکتی۔"

"امی۔"

وہ ان کے سینے سے لگ کر سسک پڑی اور دو قطرے پھوپھی اماں کی آنکھوں سے بھی ڈھلک گئے۔

•

تطہیر نے پھوپھی اماں کے کہنے پر ملازمت ترک کر دی اور ان کی بیٹی کی حیثیت سے بہ آرام رہنے لگی۔ مگر دوسری طرف رضیہ بیگم کا مارے غصہ و جھنجلاہٹ کے برا حال تھا۔

"اے تم آپا سے کچھ کیوں نہیں کہتے۔"

وہ اپنے شوہر افتخار سے بولیں۔

"کیا کہوں اور کیا کروں۔ آپ سمجھدار اور خود مختار ہیں۔"

افتخار صاحب نے دھیرے سے کہا کہ جیسے اُونچی آواز میں بولے تو قیامت ہی آ جائے گی۔

"ارے گھر میں کیا بچوں کا کال پڑ گیا تھا جو اس نگوڑ ماری نومسلم کو بیٹی بنا بیٹھیں آپا نے ہماری توہین کی ہے اور سونے پہ سہاگہ ملازمت بھی ترک کر دی گئی ہے۔ یعنی مطلب یہ ہوا کہ بی تطہیر ہم پر اب حکمرانی کریں گی۔"

رضیہ بیگم کی ناک غصہ کی شدت سے پھول سی گئی۔

"رضیہ ایسا نہ کہو۔ آپا بہت سمجھدار خاتون ہیں انہوں نے جو کچھ کیا ہے سوچ سمجھ کر ہی کیا ہو گا۔ اس کے علاوہ آپ نے تمام عمر تنہائی میں گزار دی عین عالم شباب میں بیوہ ہو گئیں۔ اولاد کی دولت سے محروم رہیں۔ مگر تم ان کے بڑھاپے کی معصوم ساتھی کو تو ان سے نہ چھینو۔ اور پھر میرا خیال پوچھو تو میں یہی کہوں گا کہ، انہوں نے گہری سانس لی "انہوں نے تطہیر کو بیٹی بنا کر برا نہیں کیا۔"

ان کے کہنے پر رضیہ بیگم الجھ سی گئیں۔

"ارے ایسی اولاد جائے بھاڑ میں میں نے ایسی سینکڑوں لڑکیاں دیکھی ہیں جو چلتا پرزہ ہوتی ہیں اور ان کے اعمال نامے بھی دیکھے ہیں جو گناہوں کی سیاہی سے رنگے ہوتے ہیں۔"

"رضیہ یہ آپا کا ذاتی معاملہ ہے۔"

افتخار نے آہستہ سے کہا۔

"ہونہہ۔"

رضیہ بیگم نے پھنکار بھری۔

"تم تو ٹھہرے پیدائشی بزدل۔ کیوں کھولو گے زبان آپا کے سامنے ڈر کے مارے جان جو نکلتی ہے تمہاری اور سونے پہ سہاگہ میری بھی زبان بند کر رکھی ہے۔ تم نے ورنہ آپا کبھی غیر کو اس گھر میں جگہ دے سکتی تھیں۔"

رضیہ بیگم کی آواز اونچی ہو گئی تو افتخار اُٹھ کر باہر چلے گئے۔

رضیہ بیگم کھول کر رہ گئیں۔ اور کچھ نہ ہوا تو اپنی بیٹی کو زور سے پکارا

"ارجمند۔"

"جی امی۔"

ارجمند لپ اسٹک ہاتھ میں لئے وہیں چلی آئی۔

"یہ تم۔" اس سے قبل کہ رضیہ بیگم کوئی دھماکہ کرتیں پھوپھی اماں متانت کے ساتھ چلتی ہوئی وہاں آ گئیں۔ اور رضیہ بیگم کا غصہ صابن کے جھاگ کی مانند بیٹھ گیا۔ وہ دل ہی دل میں بولیں۔

"واہ آپا۔ آپ نے تو غصہ پر بھی اپنے باوقار سراپے کے پہرے بٹھا دیتے ہیں۔"

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

اور پھر ان سے یوں باتیں کرنے لگیں جیسے ابھی کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

"آپا۔ آپ کے بھائی کی خواہش ہے کہ ارجمند کی شادی جلدی کر دی جائے۔ اور پھر اس کے سسرال والے بھی جلدی کر رہے ہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے؟"

رضیہ بیگم نے ان کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا دیں شاید تصور میں ارجمند کو دولہن بنا دیکھ رہی تھیں۔

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے لڑکیاں ہوتی ہی ہیں آنگن کی چڑیاں۔ چگ چگ دنوں کو چگتی ہیں اور اڑ جاتی ہیں۔"

"مگر آپا ایک مشکل آن پڑی ہے۔"

رضیہ بیگم نے پریشانی سے سر کو جھکا دیا۔

"رضیہ بھئی تم برا نہ مانو ان مشکلات میں نہ پڑنے کے لئے تو میں کہتی تھی کہ لڑکیوں کو اتنی آزادی نہ دو کہ وہ لونڈوں کو دوست بناتی پھریں ارے اب تو شادی کے وقت پر تو مزید بھڈے پڑیں گے اگر تم میرا کہا مان لیتی تو آج یہ دن دیکھنا نہ پڑتا۔"

پھوپھی اماں نے ارجمند کی آزادی پر لیکچر دے ڈالا۔

"آپا یہ مشکل نہیں ہے بات کچھ اور ہے"

رضیہ بیگم ہاتھوں کو بے بسی سے مسل رہی تھیں اُن میں صاف صاف بات کرنے کی ہمت نہ تھی۔

"اوہ تو بات اتنی بڑھ گئی ہے۔"

رضیہ خدا کے لئے اب بھی وقت ہے تم حالات کی لگام کو تھام لو۔ کیا ارجمند آنا گر سکتی ہے۔"

"آپا حالات کی لگام تو آپ کے ہاتھ ہے آپ چاہیں تو تمام کر عزت بچالیں چاہیں تو اُسے چھوڑ کر ہمیں ذلیل کروا دیں۔"

اب رضیہ بیگم کو ذرا ہمت ہوئی۔

"پہیلیاں کیوں بجھوا رہی ہو۔ صاف صاف بات کرو۔"

وہ ہول کر بولیں۔

"دراصل تطہیر۔"

"کیا ہوا اُسے۔"

پھوپھی اماں نے ان کی بات کاٹی۔

"آپا۔ بات دراصل یہ ہے کہ میں یہ نہیں چاہتی بلکہ آپ کو بھائی ارجمند کی شادی کے موقع پر کسی کو بھی باتیں بنانے کا موقع ملے کہ آپا نے اپنے بچوں کو چھوڑ کر ایک نومسلم کو اپنی بیٹی بنا لیا ہے۔"

آخر رضیہ بیگم نے کھل کر بات کر ہی دی۔

"یہ تو کوئی ایسی بات نہیں کہ تم منہ لپیٹ کر پڑے رہو۔"

انھوں نے جواب دیا۔

"مگر آپ کو تو معلوم ہے کہ لوگ تو جلتی پر مزید تیل چھڑکتے ہیں۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

پھوپھی اماں نے چڑ کر پوچھا حالانکہ وہ ان کا مطلب اچھی طرح سے سمجھ گئیں تھیں۔

"آپا دیکھیں نا گھر تو ماشاء اللہ سے بھرا پڑا ہے۔ پھر آپ نے کیوں کسی باہر کی لڑکی کو بیٹی بنایا۔ نزہت کے بچے بھی بڑے پیارے ہیں۔ فاخر کی بیٹی کتنی خوبصورت ہے۔ پھر ارجمند ہے شمسہ اور رابعہ ہیں آپ نے انہیں بیٹی کیوں نہیں بنایا۔"

اب تو رضیہ بیگم صاف صاف بول رہی تھیں۔

"دیکھو رضیہ یوں تو میں خود مختار ہوں۔ تمہارا مجھ سے سوال کرنے کا جواز ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مگر میں یہ سب صرف اس لئے کہہ رہی ہوں کہ تم گھر میں تعصب پسند ذہنیت کو فروغ دے رہی ہو۔ ہم مسلمان ہیں ہمارا خدا ایک ہی ہے رسول ایک۔ ہماری کتاب ایک، ہمارے لہو کا رنگ ایک۔ ہمارے ظرف کو بلند ہونا چاہیئے۔ مگر ہم اپنی کم ظرفی کا مظاہرہ کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔ ہم تم سے زیادہ بلند تطہیر ہے جس نے اس دوپہر آشوب میں جب مسلمان اپنی انفرادیت کو ختم کر کے غیر قوموں سے ان کی تہذیب مستعار لے رہے تھے اسلام قبول کیا۔ کون کہتا ہے وہ باعث شرم ہے معاشرے کو ملیا میٹ کرنے والے تو ہم لوگ ہیں جو اپنی تہذیبی معاشرتی اور اسلامی انفرادیت کو کھوتے جا رہے ہیں۔ تطہیر ہماری بیٹی ہے ہمارے خاندان اور ہمارے نام سے ہی ہر جگہ پہچانی جائے گی۔"

پھوپھی اماں رضیہ بیگم کی ذہنیت پر ماتم کرتی ہوئی اپنے کمرے میں آگئیں۔ تطہیر نے اس عمل اور ردِعمل کو اپنی آنکھوں سے دیکھا کانوں سے سُنا اُسے لگا کہ جیسے آنسوؤں کے قطرے گالوں پہ پھسلنے کی بجائے حلق میں آ کر گر رہے ہوں۔ مگر وہ رونا نہیں چاہتی تھی۔ اور وہ صرف آنکھوں ہی آنکھوں میں پھوپھی اماں کو پیکرِ عظمت کی اِس سر بفلک عمارت کو سلام کر کے رہ گئی۔

•

آج کل وہ بہت پریشان تھی اس لئے کہ پھوپھی اماں بستر علالت پر جو دراز تھیں اُسے یوں محسوس ہوتا کہ جیسے آسمان اس کے سر پر سے ہٹ گیا ہے اور دھوپ کی چادر چاروں طرف تن گئی ہو ہر طرف سے جسم کے آرپار اُترتی نگاہیں جن کا سامنا تطہیر کو ہر دم کرنا پڑتا تھا۔

رضیہ بیگم کہتیں۔

"ارے مانگو دعائیں آپا کے مرنے کی تاکہ تم ان کی دولت کو ہتھیالو۔

Waqar Azeem Pakistanipoint.Com

مگر یاد رکھو ایک سکہ جو تمہارے ہاتھ لگنے دیا۔ تو میرا نام بھی رضیہ نہیں۔" اور تطہیر گھٹ گھٹ کر رہ گئی صرف اس کے لب دعاؤں کیلئے اٹھتے انگلیاں ہواؤں میں دعائیہ کلمات تحریر کرکے رہ جاتیں اللہ پاک نے اس کی دعاؤں کو شرفِ مقبولیت بخشا اور پھوپھی صحت یاب ہوگئیں۔

اُس روز جب آسمان پر قوس و قزح چھائی ہوئی تھی کہ ارجمند کا کزن جاوید آگیا۔ بس پھر کیا تھا۔ اِک شور تھا جو گھر میں مچ گیا تمام نوجوان ساتھی تھے تو بزرگوں کو بھی فراموش کر گئے ارجمند تطہیر کو زبردستی ان لوگوں میں کھینچ لائی۔

"جاوید بھائی۔ ہماری نئی ساتھی سے ملئے۔"

ارجمند نے تطہیر کو اپنے آگے کرتے ہوئے کہا۔

"کہاں ہے۔ ارے۔ کیا یہ بلی تمہاری نئی ساتھی ہے حیرت ہے پاکستان کے لوگ حیوان پرست ہوگئے ہیں" جاوید نے سامنے گزرتی بلی کو دیکھ کر کہا۔

"جی نہیں۔ بلکہ ہماری نئی ساتھی ہیں تطہیر"

اور اس نے تطہیر کو سامنے کر دیا اور اس لمحے لندن پلٹ جاوید کو جو کچھ خر دماغ بھی تھا وہ ایک معصوم فرشتے کی مانند تھی، سادگی کا مرقع اس کے من کو بھا گیا۔

"آپ سے مل کر بے انتہا خوشی ہوئی۔"

جاوید اس کے قریب آگئے۔ اور ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

تطہیر نے گھبرا کر ارجمند کی طرف دیکھا تو وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ اور اسکا ہاتھ پکڑ کر جاوید کے ہاتھ میں دے دیا۔ تطہیر پوری جان سے لرز گئی۔ اسکا جسم ایک دم ٹھنڈا پڑ گیا اور وہ بھاگ کر اپنے کمرے میں آگئی اور پیچھے قہقہوں کا طوفان بہہ نکلا رضیہ بیگم نے جو یہ دیکھا تو غصہ میں بل کھاتیں اس کے کمرے میں چلی آئیں۔

"بہت خوب تطہیر بیگم اب تمہارے نخرے اس قدر بڑھے ہیں کہ تم میرے بھانجے کو بدتمیزی سے جھڑک کر چلی آئیں۔"

"آنٹی میں"

اُسے کچھ کہنے سے رضیہ بیگم کو روک دیا۔

"بس کرو یہ آنٹی آنٹی کی بکواس۔ اگر تم اپنی پارسائی کو ثابت کرنے کے لئے آسمان سے تارے بھی توڑ لاؤ تو میں یقین نہ کروں گی۔ سمجھیں۔

آج رضیہ بیگم دل بڑی بے دردی سے توڑنے پہ تلی ہوئی تھیں

"ہاں اور یہ بھی سن لو کہ آپا کا دم غنیمت ہے کہ جو تم یہاں ہو۔ اس کے بعد تم دیکھنا۔"

رضیہ بیگم بڑبڑاتی ہوئی باہر چلی گئیں ایک لمحے کو تطہیر کی نیت ڈول گئی۔ اسکا دل میلا ہو چلا تھا۔ مگر اچانک ہی اس کے چاروں طرف آوازکے سلسلے بکھر گئے۔

"ہمت ہارنا بہادروں کا شیوہ نہیں۔ یہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے اور امتحان سے فرار بیچے لوگوں کا طرہ ہیں بہادروں کا شیوہ نہیں۔"

اور تطہیر نے سر کو وحدہٗ لاشریک کے سامنے جھکا دیا کہ۔

"اے خداوند کریم مجھے امتحان میں کامیابی سے سرفراز فرما۔"

"آمین" آواز پر چونک کے اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا کہ پھوپھی اماں دنیا بھر کا پیار اپنے سراپے میں سموئے کھڑی تھیں۔

•

تطہیر لان میں سے سوکھے پتے اٹھا رہی تھی کہ رضیہ بیگم کا نودارد بھانجا آگیا۔

"ہیلو۔"

کہتے ہی اس نے تطہیر کو باہوں کے حصار میں لے لیا تطہیر شرم اور غصہ سے سرخ ہوگئی۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے۔"

"کہ آپ جناب من کو بھا گئیں۔"

وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"تمیز سے بات کریں مسٹر"

تطہیر نے اس سے کہا اور وہ اس کے اور قریب آگیا اور کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

"اللہ اللہ یہ بے نیازی کا عالم"

"زبان کو لگام دیں مسٹر۔ میں اس قدر آزاد خیالی کو پسند نہیں کرتی"

تطہیر نے غصے سے اسکا ہاتھ جھٹک دیا۔

"اوہ آئی سی"

جاوید نے طنز یہ کہا۔

"میری معلومات کے مطابق تمہارا کلچر اتنا دقیانوسی تو نہیں"

"وہ میرا سابقہ کلچر تھا۔ مگر شاید یہ بات آپ کے علم میں ہو کہ اسلام میں نامحرم سے گفتگو کرنا بھی گناہ کے برابر ہے۔ آئندہ تہذیب کی دیوار کو ڈھانے کی کوشش مت کیجئے گا۔"

تطہیر نے تیز آواز میں کہا اور وہاں سے چلی آئی۔ جاوید اپنی بے عزتی پہ کھول کر رہ گیا وہ گھر جہاں سب اس کے نخرے اٹھاتے تھے۔ وہاں اس معمولی سی لڑکی کی یہ مجال۔

اگلے روز جب وہ نہا کر بال سکھا رہی تھی کہ رضیہ بیگم کا



Waqar Azeem Pakistanipoint.Com

نادر شاہی بلاوا آ ہی گیا۔ وہ سہمی ہوئی برق کی مانند ان کے کمرے میں آئی جہاں وہ جاوید سے پوچھ رہی تھیں اور جاوید غصے بھرے لہجہ میں بول رہا تھا۔

"نہیں آنٹی۔ اب میں اس گھر میں ایک لمحہ کو بھی نہیں رک سکتا جہاں میری ایک غیر لڑکی نے بے عزتی کی ہو۔ جہاں میری کوئی عزت نہ ہو میں اس جگہ قدم بھی نہیں رکھتا۔"

"ارے میرے چاند تم ناراض نہ ہو۔ اس معمولی لڑکی کی یہ مجال دیکھو آج میں آپ سے بات کر کے اُسے الف کی طرح سیدھا کرواتی ہوں بس تم نہ جاؤ۔"

رضیہ بیگم اس کی خوشامد کر رہی تھیں۔ تطہیر اندر آ گئی۔

"آپ نے بلایا آنٹی مجھے۔"

"نہیں تو کیا میرے فرشتے بلاتے۔"

رضیہ بیگم غصہ سے اس کی طرف لپکیں۔

"جی۔"

تطہیر گھبرا گئی۔

"تم نے میرے بھانجے کی بے عزتی کیوں کی۔"

"میں نے ان کی کوئی بے عزتی نہیں کی۔"

تطہیر نے کہا تو جاوید بیچ میں آ گیا۔

"آنٹی یہ جھوٹ بولتی ہے۔"

"اگر میں جھوٹ کہہ رہی ہوں تو سچ آپ اگل دیجئے۔"

تطہیر نے اس کی طرف طنزیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں نے کچھ نہیں کیا۔"

جاوید ایک دم گھبرا گیا۔

"محترم آپ نے وہ حرکت کی ہے جسے کوئی بھی شریف لڑکی برداشت نہیں کر سکتی۔"

"آپ جیسی مکار لڑکیاں میں نے بہت دیکھی ہیں۔ جو اپنا الزام دوسروں کے سر تھوپ دیتی ہیں۔"

جاوید نے اپنی بات کو گرتے دیکھ کر پینترا بدلا اتنے میں پھوپھی اماں شور سن کر رضیہ کے کمرے میں آ گئیں۔ جہاں نقشہ ہی بدلا پایا۔ سب خاموش تھے صرف جاوید اور تطہیر بول رہے تھے۔

"اتنا جھوٹ بھی نہ بولیں کہ لوگ آپ کے منہ پر تھوکنا بھی گوارا نہ کریں۔"

تطہیر نے کہا۔

"کیا کہا تھا اس نے جاوید۔"

رضیہ بیگم نے جاوید کے کندھے کو دبایا۔

"چھوڑیں آنٹی پھوپھی بُرا مان جائیں گی۔"

"کیا مطلب۔"

اب کے پھوپھی اماں نے پوچھا۔

"آپ کی بیٹی کا اعمال نامہ ہی ایسا ہے۔"

رضیہ بیگم بولیں۔ پھوپھی اماں چپ تھیں۔

"اسے اس لڑکی نے تو آپ کی آنکھوں پر پٹی باندھ رکھی ہے آپ بھی سادہ لوح۔ ان لڑکیوں کے ہتھکنڈوں سے بچئیے۔"

"کیا کر دیا تطہیر نے۔"

آپا پریشان سی ہو گئیں۔

"تم ہی کہو بیٹی کیا ہوا۔"

"امی تطہیر ان کے سینے سے لگ گئی۔" "امی جاوید بھائی نے۔"

رضیہ بیگم نے جاوید کا ہاتھ دبایا اور وہ اس کی بات کاٹ کر بولا۔

"کہو۔ کہو میں نے تمہاری بے عزتی کی ہے۔"

"ہاں۔ اور۔"

تطہیر نے جملہ مکمل کرنے سے قبل جاوید بول اُٹھا۔

"پھوپھی اماں آپ کی اس نام نہاد بیٹی نے مجھے بلایا میں اس کے پاس گیا۔ اس نے مجھ سے اُلٹی سیدھی باتیں کیں جب میں نے انکار کیا تو یہ بپھر گئی۔"

"کیا کہا تھا اس نے۔"

رضیہ بیگم نے پوچھا۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

جاوید نے ٹال مٹول سے کام لیا۔

"آپ یہ کیوں نہیں کہتے کہ اُلٹی سیدھی اول فول باتیں آپ نے کی تھیں۔ اور آپ کے بیہودہ فعل پہ بپھر جانا میرا فطری عمل تھا۔"

تطہیر بولی۔

"اپنے ناکام منصوبے پہ ماتم کرنے کا بہت بہتر طریقہ ہے۔ آپ کے پاس گیا آپ نے مجھ سے یہ نہیں کہا کہ آپ مجھ سے محبت کرتی ہیں۔ کیا آپ نے یہ نہیں کہا کہ آپ صرف دولت کی خاطر پھوپھی اماں کی بیٹی بنی ہیں۔ کیا میں یہ سب جھوٹ کہہ رہا ہوں۔" اب کی دفعہ جاوید نے ایک دم پلٹا کھایا۔

رضیہ بیگم کے ہونٹ کامیاب منصوبے پر خوشی سے پھیلے جا رہے تھے۔

تطہیر چلا اُٹھی۔

Waqar Azeem Pakistanipoint.Com

"ہاں۔ ہاں آپ سب جھوٹ کہہ رہے ہیں۔ آپ کو ایک شریف لڑکی پر الزام لگاتے شرم آنی چاہیئے۔"

"اے لڑکی۔ زبان سنبھال کر بات کرو۔ ورنہ ہم سے بُرا کوئی نہ ہوگا۔"

رضیہ بیگم زور سے چلائیں جس سے اسکا سانس پھول سا گیا۔

"میں زیادہ کچھ نہیں کہوں گی۔ صرف تطہیر سے یہ کہوں گی کہ وہ اللہ کو حاضر وناظر جان کر اس بات کی تصدیق یا تردید کردے" پھوپھی اماں کی آواز گہرے پاتال سے آتی محسوس ہوئی۔

"امی یہ جھوٹ ہے۔ یہ جھوٹ ہے مکر ہے فریب ہے"

تطہیر بلک اٹھی۔

"جھوٹے ٹسوے مت بہاؤ"

رضیہ بیگم نے چلتے چلتے کہا تو پھوپھی کو بھی غصہ آگیا۔

"رضیہ زبان سنبھال کر بات کرو۔ میں اصل بات معلوم کرکے رہوں گی"

پھر اس نے پھوپھی اماں کو سب کچھ بتا دیا۔ انہوں نے تطہیر کو یقین دلایا کہ اس کا حل ضرور تلاش کریں گی۔

وہ رات تطہیر کی نا یہ شب گہر میں گذری۔ آج اُسے اپنے ماں باپ شدت سے یاد آرہے تھے اگر وہ ان کے پاس ہوتی تو شاید یہ ہتک آمیز دن نہ دیکھنا پڑتا اپنے ماں باپ اپنے ہی ہوتے ہیں۔ اس نے بے بسی سے سوچا کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے اس قدر کڑے امتحان بھی لیتا ہے اگر نہیں تو میں کیوں اس امتحان میں شرکت کروں۔

اگر ہاں تو مجھ جیسی ناتواں لڑکی سے ہی جو بے سہارا ہو اللہ امتحان کیوں لے رہا ہے۔

اگلے روز صبح ہی سے سارے افرادِ خانہ ڈرائنگ روم میں جمع تھے رضیہ بیگم کا دل جشنِ فتح منانے کو چاہ رہا تھا۔

جاوید خراماں خراماں کمرے میں داخل ہوا۔ قدموں کی چاپ سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ جیسے کہہ رہا ہو۔

"نادان لڑکی۔ تم نے مجھ سے دشمنی مول لے کر سخت نادانی کی ہے۔"

ارجمند کے چہرے پر ملال کے آثار نمایاں تھے۔

پھوپھی اماں کو دیکھ کر یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے آج وہ کوئی اہم ترین فیصلہ کرنے والی ہوں۔

تطہیر اپنے مستقبل سے دامن بچانا چاہ رہی تھی۔

اور

افتخار احمد بنا کسی تاثر کے صوفے کے ایک کونے پڑے ہوئے سگریٹ سے دھوئیں کے سفید سفید مرغولے بنا رہے تھے۔

"افتخار"

پھوپھی اماں نے بھائی کو آواز دی۔

"جی آپا"

افتخار احمد سگریٹ بجھا کر کھڑے ہوگئے۔

"افتخار اور رضیہ۔ تم لوگ پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ میری اس گھر میں کیا حیثیت ہے"

انہوں نے کہا تو رضیہ بیگم سٹ پٹا کر رہ گئیں۔

"آپا آپ اس گھر کی بزرگ اور محترم ہستی ہیں۔ ہم سب آپ کی عزت واحترام کرتے ہیں"

افتخار نے سلجھے ہوئے انداز میں کہا۔

"پھر یہ بے حرمتی کیسی"

آپا کی آواز میں خاندانی جلال ٹپک رہا تھا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا"

افتخار احمد تھوڑا سا گھبرا گئے۔

"میں نے اپنے یہ بال دھوپ میں سفید نہیں کئے"

پھوپھی اماں نے اپنے بالوں کی طرف اشارہ کیا۔

"اگر میں فیصلہ کروں یا کوئی کام کروں تو سوچ سمجھ کر ہی تو کر سکتی ہوں نا"

انہوں نے تمام لوگوں کی طرف دیکھا۔ سب اقرار میں سر ہلا رہے تھے۔

"پھر کیا وجہ ہے کہ تطہیر کو میں نے جب سے بیٹی بنایا ہے اس روز سے اس پر الزامات اور رکیک الفاظ کی بوچھاڑ کی جا رہی ہے"

افتخار احمد نے یوں رضیہ کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہے ہوں۔ "اور کرو آپا کی بے عزتی"

رضیہ بیگم نے ندامت سے آنکھوں کو نیچے کر لیا۔

"آپا اگر نادانستہ طور پر ہم سے کوئی غلطی سرزد ہوگئی ہے تو ہم آپ سے دست بستہ معافی چاہتے ہیں"

افتخار احمد کی زبان لڑکھڑا گئی۔ "تطہیر آپ ہی کی نہیں میری بھی بیٹی ہے۔ بالکل ارجمند کی طرح۔"

اُن کے لہجہ میں خلوص سمویا ہوا تھا۔

رضیہ بیگم بل کھا کر رہ گئیں۔

جاوید پہلو بدل کر رہ گیا۔

ارجمند کے لب مسکراہٹ کے مارے پھیل گئے۔

اور تطہیر کی آنکھوں سے دو آنسو ٹپک پڑے۔

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

"جاوید۔ تم پنڈی اپنی امی کو ٹیلیگرام دو کہ وہ فوراً یہاں آجائیں میں ان سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں۔"

پھوپھی اماں جونہی جاوید سے مخاطب ہوئیں وہ گھبرا گیا۔ اس کا لہجہ لڑکھڑا گیا۔ وہ اُٹھا اور آکر پھوپھی اماں کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ آنکھیں بارِ ندامت سے جھکی ہوئی تھیں۔

"پھوپھی اماں مجھے معاف کر دیجئے میں بگڑ گیا تھا۔"

"کوئی بات نہیں بیٹے جوانی تو نام ہے دیوانگی کا مگر جب انسان کے جسم میں ضمیر کی ایک کرن بھی روشن ہے وہ انسان کہلائے گا۔ اس کے بعد میں انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہیں کر سکتی۔"

پھوپھی اماں نے پیار سے جاوید کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔

رضیہ بیگم اُٹھ کر باہر چلی گئیں۔ شاید وہ اپنی شکست کو سرِعام قبول کرنا نہیں چاہتی تھیں۔ ارجمند تطہیر سے لپٹ گئی۔

"میری پیاری بہن۔ مجھے معاف کر دو۔ میں تمہاری مددگار بننے کی بجائے اپنے آپ میں مگن رہی۔"

افتخار احمد تطہیر کے پاس آئے اور اپنے سینے سے لگا کر ڈھیروں دعائیں دے ڈالیں۔

•

جاوید کی امی سلمیٰ خانم گھبرائی گھبرائی بہن کے گھر پہنچیں اتفاقاً پھوپھی سے ہی پہلے ان کی مدبھیڑ ہوئی۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئیں۔

"آپا خیریت تو ہے۔ کس خدمت کے لیئے مجھے بلایا۔"

انہوں نے وہیں کھڑے کھڑے ان سے پوچھا۔

"ارے اندر تو چلو۔ پھر بات کروں گی۔"

پھوپھی اماں ان کو اندر لے آئیں۔ اور سب کو اطلاع دے کر اپنے کمرے میں بند ہو گئیں۔ سلمیٰ اپنی بہن سے پوچھ پوچھ کر تھک گئیں کہ کیا بات ہے۔ مگر انہیں معلوم ہوتی تو وہ کہتیں نا۔

جاوید الگ باولا بنا پھر رہا تھا۔ اس لمحے کو کوس رہا تھا جب وہ رضیہ بیگم کے کہنے میں آگیا تھا۔ اِک چھوٹی سی غلطی کا اتنا بڑا خمیازہ بھگتنا پڑے گا اس کے تصوّر میں بھی نہ تھا۔

شام کو پھوپھی اماں نے سلمیٰ کو اپنے کمرے میں بلا بھیجا، سب کے دل بے طرح دھڑک رہے تھے کہ جانے آنے والے لمحے میں کیا ہو۔ تقریباً دو گھنٹے کے بعد سلمیٰ ان کے کمرے سے برآمد ہوئیں۔ انکا چہرہ عرقِ مسرت سے گلنار ہو رہا تھا۔ سب ان کی طرف لپک پڑے اور انہوں نے وہ سب کہہ سنایا جو آپا نے کہا۔ افتخار احمد اس کے بعد فیصلے سے بہت خوش ہوئے ارجمند جھوم اُٹھی۔ رضیہ بیگم بھی ذرا سی پس و پیش کے بعد خوش ہو گئیں اور یہ فیصلہ تھا جاوید اور تطہیر کی شادی کا۔

گھر میں شادی کی تیاریاں زور و شور سے جاری تھیں رضیہ بیگم بھی بہ نفس نفیس اس خوشی میں شامل تھیں اور آخر کار وہ دن آ ہی گیا جس کا انتظار تھا۔

افتخار احمد کی کوٹھی برقی قمقموں میں ستاروں کی طرح چمک رہی تھی۔ رنگین ریشمی آنچل چاروں طرف سرسرا رہے تھے اور سوٹوں سے اُٹھتی ہوئی اِنٹی میٹ پیورٹ اور پوڈی کلون کی ملی جلی خوشبو رومانی فضا کو فروغ دے رہی تھی۔ اور آخری کمرے میں تطہیر دلہن بنی بے انتہا خوبصورت لگ رہی تھی۔ اسکا معصوم حسن اس کی معصومیت کی گواہی دے رہا تھا۔

رخصتی کے وقت رضیہ بیگم نے بھی اُسے سینے سے لگا کر سینکڑوں دعاؤں سے نواز ڈالا۔ افتخار احمد نے وقار کے ساتھ اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا اور وہ پھوپھی اماں کی نیک دعاؤں تلے شہنائی کی مدھر گونج میں نئے فلیٹ میں آگئی۔ اور

حجلہ عروسی میں شرماتی شرمائی سی تطہیر کو دیکھ کر جاوید کا احساس ندامت بڑھ گیا۔ وہ اس کے قریب آگیا۔ اور اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بولا۔

"تطہیر مجھے معاف کر دو میں بھول گیا تھا کہ ہر انسان کے لہو کا رنگ ایک ہے۔ میں فراموش کر گیا تھا کہ انسانیت کا رنگ بھی ایک ہے۔ میں نے تمہیں بہت دُکھ دیا۔ تم ہم سے بہت بلند ہو۔ عظیم ہو۔ مجھے معاف کر دو۔ میری شریکِ حیات میں تجھ سے معافی چاہتا ہوں۔"

جاوید کے ہاتھ اب تک اس کے سامنے جڑے ہوئے تھے۔ تطہیر نے اس کے ہاتھوں پر اپنے سرد ہاتھ رکھ دیئے۔ اور پھر بہاروں کے سایوں میں یوں گم ہوئی کہ اس نے مڑ کر یہ بھی نہ دیکھا کہ رخشِ بہاراں بے زمام اس کی طرف دوڑا چلا آرہا ہے۔



Waqar Azeem Pakistanipoint.Com

**گھٹائیں** کُھل کر برس رہی تھیں اور آسمان جی بھر کر رو رہا تھا۔ بادل آج سارا غبار نکال دینے کے درپے تھے۔ کھڑکی کے پاس کھڑی پردوں کو تھامے وہ نڈھال ہوتی شیشوں پر سے پھسلتے دم توڑتے ہوئے بارش کے موٹے موٹے قطروں کو دیکھ رہی تھی جو اس کے آنسوؤں کی طرح سرد تھے۔ اس کی آنکھیں یوں خشک ہو گئی تھیں جیسے اس نے اپنے سارے آنسو ان بادلوں کے سینے میں اُتار دیئے ہوں اور اب بادل کھل کر اسی کے آنسو ساری کائنات پر برسا رہے ہوں۔

یہ قطرے کتنے اَرزاں تھے جو یوں برس رہے تھے اور اس کے اپنے آنسو اس کے اندر اتر گئے تھے جو جگر کاٹ رہے تھے اور رُوح ان کے بوجھ سے دبی جا رہی تھی آنسوؤں کا بوجھ کتنا بھاری اور سلگانے والا تھا۔

چُپ چاپ پلکوں سے منجمد آنسو ٹوٹ کر بکھرے اور کہیں ان بے شمار قطروں کے ساتھ گم ہو گئے۔ پھر کتنے ہی آنسوؤں نے اس کی آنکھوں میں جلن پیدا کی۔

وہ منہ پھیر کر دوسری طرف چلی گئی۔

"ارے بیٹے کبھی امّی سے بھی ناراض ہوتے ہیں ہم کل آپ کی سالگرہ منائیں گے!" عروج نے تڑپ کر اسے گلے لگا لیا۔

"اگر تم بھی روٹھ گئیں بیٹی تو! اس دنیا میں میرا کون رہ جائے گا!"

اس کے آنسو پھر چھلکنے لگے اور گوشی کے چہرے پر گر گئے۔

"امّی آپ رو رہی ہیں!"۔

گوشی نے اپنے ننھے ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام لیا۔

"آپ روئیں نہیں امّی۔ میں ناراض نہیں ہوں گی!"

گوشی نے نہایت معصومیت سے اپنے گلابی گلابی ہونٹ اس کی جلتی آنکھوں پر رکھ دیئے۔ عروج نے پھر اسے سینے سے بھینچ لیا۔

۸ دسمبر

یہ تاریخ ہر سال اسے رُلانے آجاتی تھی۔ کبھی خوشیوں کا احساس دلاتی

اور کبھی مایوسیاں دامن میں بھر کر لاتی۔ مجبوب

## بغیر عنوان کے

لبنیٰ غزل

مگر رُوح کا بوجھ کم نہ ہوا۔ جانے کیسا بوجھ تھا۔ لگتا تھا کسی نے برف کی سِل دل پر رکھ دی ہو۔

"امّی!" ننھی گوشی کی آواز آئی تو وہ چونک پڑی، جلدی سے بھیگی بھیگی پلکیں آنچل سے رگڑ ڈالیں اور گوشی کی طرف پلٹ گئی۔

"امّی آپ کو یاد ہے آج کیا تاریخ ہے"۔ پانچ سالہ گوشی نہایت معصومیت سے اس کا ہاتھ کھینچ کر بولی

"بیٹے ہمیں تو یاد نہیں۔ آپ بتائیں!"۔

"آج ۸۔ دسمبر ہے نا ہماری سالگرہ ہے!"

"ارے ہمارے بیٹے کی سالگرہ ہے۔ ہمیں یاد نہیں رہا۔ اپنی امّی کو معاف کر دینا بیٹے!" اس نے اسے قریب کھینچ کر پیار کیا

"ہم آپ سے نہیں بولتے آپ ہمیشہ ایسا کرتی ہیں۔ جب بھی ہماری سالگرہ کا دن آتا ہے آپ کھڑکی میں کھڑی رہتی ہیں!"

ہستیوں سے بچھڑنے کا احساس اب تک دل میں تازہ تھا۔

اس کے دل سے یہ یادیں مٹتی نہیں تھیں بلکہ اور گہری ہو جاتی تھیں جب گوشی اسے اپنی سالگرہ کی یاد دلاتی تھی۔

آج بھی ایسا ہوا تھا۔ گوشی نے اپنی معصومیت میں اس کے زخموں کو چھیڑ دیا تھا۔ زخم تو پہلے ہی سے پڑے تھے اب رِسنے بھی لگے۔

کیفان! ۸ دسمبر خوشی۔ دُکھ اور یاد اس کے دل سے ہر جذبہ لپٹ گیا تھا۔

ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو کیفان یہاں سے اُٹھ کر گئے تھے ان کی آمد کے آثار اب تک کمرے کی فضا میں سانس لے رہے تھے۔ کانچ کی خوبصورت ایشٹرے میں ان کی چھوڑی ہوئی سگریٹ دھیرے دھیرے اس کی رُوح کی طرح سُلگ رہی تھی۔

کیفان!۔

جن سے صرف اس کا جذباتی تعلق تھا۔ یہ تعلق، یہ رشتہ تو زندگی بھر نہ ٹوٹ سکتا تھا۔

محبت کا عظیم رشتہ

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

بلند۔ پاکیزہ
جسے کبھی شکست نہیں ہو سکتی اور وقت کے ہاتھ کبھی
پامال نہیں کر سکتے۔ یہ جذبہ تو ہر دور میں زندہ رہتا ہے۔
جب ہی تو آج اتنے سالوں بعد کیفان بوٹ آئے تھے،
شاید اس عظیم رشتے کی یاد دلانے۔ تجدیدِ وفا کرنے۔

مگر
یہ کیا ہوا تھا۔
اتنے سالوں بعد ملے تو رُوح کی پیاس بجھانے کی بجائے
بوجھ ڈال کر چلے گئے تھے۔

"مجھے تو تم ہی نے آزمائش میں ڈالا تھا عروج، یہ تمہارا وعدہ تھا کہ میرا عشق سچا ہوا تو تم اک نہ اک دن ضرور مل جاؤ گی مگر یہ کیسا ملن ہے کہ تم مجھ سے اور دُور ہو گئی ہو۔ تم نے سب پر ظلم کیا ہے عروج خود پر۔ مجھ پر۔ اپنے شوہر پر اور اپنی اولاد پر۔ اب شاید میں نہ آسکوں۔ میں تو تمہارے وعدے کی لاج نبھانے آیا تھا عروج۔ مگر تم نے تو اپنا ہی وعدہ بھلا دیا ہے۔ پھر مجھ سے کیا اُمید رکھ سکتی ہو!"

وہ یہ کہہ کر چلے گئے تھے

اور عروج ان قدموں کو دیکھتی رہ گئی تھی جن پر آنکھوں نے سجدے کئے تھے اور جن کی خاک اس کے مقدس آنسوؤں نے چُومی تھی۔

"میں نے کبھی ایسا ملن نہ چاہا تھا جس سے آپ بدگمان ہو جائیں کیفان!"

خوشی کو سلانے کے بعد وہ خود سو نہ سکی۔

نیند کتنی پُرسکون اور دلکش ہوا کرتی ہے۔

مگر اس کی نیندیں اس پر حرام ہو گئی تھیں۔

گزرتے ہوئے یہ تکلیف دہ لمحے اس کی آنکھوں کے سامنے پھیلتے چلے گئے۔

آخری سمیسٹر کے فائنل ٹسٹ بے حد قریب آگئے تھے۔

وہ ثوبیہ کے ساتھ اس کے گھر چلی آئی تھی۔ وہ پڑھنے کے لئے ثوبیہ کے عامر بھائی سے مدد لیا کرتی تھی۔ اور وہ بھی اسے بہنوں کی طرح عزیز رکھتے ہوئے اس کی ہر مشکل دُور کرتے تھے۔

اُس شام بھی وہ شماریات کے چند فارمولے اور کچھ سوال حل کروانے کے لئے ثوبی کے ساتھ آگئی تھی۔

"تم اندر بھیا کے کمرے میں چلی جاؤ بھابی بھی وہیں ہوں گی میں ابھی آتی ہوں!"

ثوبی اسے عامر بھائی کے کمرے کے پاس چھوڑ کر آگے بڑھ گئی۔

"عامر بھائی آج تو آپ سے بہت سارے سوال حل کروانے ہیں آپ کو ضرور وقت نکالنا ہو گا میں اس وقت تک یہاں سے ٹلوں گی نہیں جب تک آپ مجھے سب کچھ اچھی طرح سے نہ سمجھا دیں!"

وہ عامر بھائی کو کھڑکی میں کھڑا دیکھ کر وہیں سے چلائی اور کھڑکی کے قریب کھڑے ہونے والے شخص نے اس کی ساری بات سن اور سمجھ کر رُخ پھیرا!

"محترمہ یہ بھی بتائیں کہ آپ کے سوالات کی نوعیت کیا ہو گی تاکہ میں تیاری کر لوں آپ کو سمجھانے کی!"

نہایت شگفتہ سا انداز۔ مؤدب لہجہ۔ خوبصورت آواز

"آپ ـــــ آپ عامر بھائی تو نہیں ہیں!"

وہ کچھ بوکھلا سی گئی۔

"یقیناً آپ کا عامر بھائی نہیں ہوں!" اجنبی نے "بھائی" پر بے حد زور دے کر کہا

میں معافی چاہتی ہوں محترم۔ میں سمجھی تھی کہ آپ عامر بھائی ہیں!" وہ گھبرا کر کمرے سے باہر جانے لگی۔

"ویسے محترمہ اپنے سوالات کی نوعیت تو بتا دیں جانے کب اور کہاں آپ کے سوالات کی اسی طرح بوچھاڑ ہو گئی تو!"

متبسم سی ہنسی کی مدھم مدھم آواز خود بخود اس کے دل تاروں کو گدگدانے لگی۔

'بعد میں بتا دوں گی!۔ وہ دروازہ کھولنے لگی۔

تو اس کا مطلب ہے دوسری ملاقات کی توقع ہے!۔ بڑی خوبصورتی سے اظہار رائے ہوا۔

"جی!" وہ حیرانی سے اس بیباک سے شخص کو دیکھنے لگی

'آپ خود ہی تو کہہ رہی ہیں کہ بعد میں بتا دوں گی!" اجنبی اس کے قریب آگیا

"آپ نہایت غلط سوچ رہے ہیں محترم! وہ تیزی سے کہہ کر پلٹ گئی۔ کچھ غصہ۔ کچھ جھنجھلاہٹ

"اچھی لڑکی ہے!" لبوں پر بڑا خوبصورت تبسم بکھر گیا۔

"ثوبی۔ ثوبی!" عروج اسے پکارتی وطن میں پہنچ گئی۔

"کیا ہوا!" چائے دم دیتے ہوئے ثوبی نے پلٹ کر پوچھا

"وہ تمہارے بھیا ـــــ"

'کیا ہوا انہوں نے کچھ سمجھانے سے انکار کر دیا ہے کیا؟' ثوبی نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا

'نہیں بھئی۔ تمہارے بھیا اور بھابی تو وہاں موجود ہی نہیں!'

'ارے کہاں گئے آہ!۔ اب ثوبی بھی چونکی

'ان کی جگہ جانے کون بڑے اطمینان سے کھڑا تھا!"

'ارے کون تھا وہ!' ثوبی دلچسپی سے ہنسی۔

'مجھے کیا پتہ گھر تمہارا، مہمان تمہارا!" عروج کا موڈ بگڑنے لگا۔

"تم تو ناراض ہونے لگی ہو آؤ دیکھیں وہ ہے کون!" ثوبی اس کے ساتھ کچن سے باہر آگئی۔

"وہ ہم ہیں ثوبی!" وہ مسکراتے ہوئے وہیں آگیا۔

"ارے کیفان بھائی آپ!" ثوبی چلائی

عروج حیرانی سے ان دونوں کو دیکھنے لگی

ضروری کوئی ان کا قریبی عزیز ہوگا جب ہی اتنی بے تکلفی سے عامر بھائی کے کمرے میں موجود تھا۔

مگر مجھ سے فری ہونے کی کوشش کیوں کر رہا تھا

عروج نے پہلے ان کے بارے میں اطمینان سے سوچ لیا۔

پھر ان پر غصہ آنے لگا۔

کیفان اس کے چہرے کے بدلتے ہوئے تاثرات کو بڑے غور سے دیکھ رہے تھے۔

"تم انہی کے بارے میں کہہ رہی تھیں عروج!"

ثوبی نے مسکرا کر اس سے پوچھا

"ہاں۔ مجھے کیا علم تھا کہ یہ تمہارے قریبی عزیز ہیں!"

وہ نگاہیں جھکا کر بڑی معصومیت سے بولی تو کیفان ہنس دیئے۔

"سوال تو آپ نے اس طرح صادر کرنے کی کوشش کی تھی جیسے میں آپ کا قریبی عزیز ہوں!" ان کی آنکھیں جگمگانے لگیں۔

"میں سمجھی تھی کہ آپ عامر بھائی ہیں۔ غلطی تو انسان سے ہو ہی جاتی ہے آپ نے تو ہماری بات ہی پکڑ لی!" وہ انگلیاں مروڑنے لگی۔

"ہم نے بڑی فراخدلی سے آپ کی غلطی معاف کی محترمہ!" وہ ذرا سا جھک کر ہنسے پھر ثوبی سے مخاطب ہوئے۔

"ثوبی تم نے تعارف تو نہیں کروایا۔ اتنا تو جان چکا ہوں کہ یہ تمہاری سہیلی ہوں گی مگر تھوڑی بہت معلومات تو تم بھی بہم پہنچاؤ نا!"

ان کی نگاہوں میں احساس سے بھرپور جذبے جھانکنے لگے تھے جو عروج کے دل میں بھی اترنے کے خواہشمند تھے۔

"نام تو آپ دونوں کو ایک دوسرے کے معلوم ہو ہی چکے ہیں، صرف رشتوں کی وضاحت ضروری رہ گئی ہے۔ کیفان بھائی یہ تو میری بڑی پیاری سہیلی ہے عروج۔ جو میرے ساتھ پڑھتی ہے۔ ساتھ آتی جاتی ہے اور قریب ہی رہتی ہے۔ اور عروج یہ ہمارے بڑے ہی اچھے کزن ہیں کیفان!"

"کیفان!" ثوبی کے زور دے کر بتانے پر عروج کے لبوں نے دھیرے سے گنگنایا۔

مشکل نام تھا مگر دلچسپ اور خوبصورت بھی۔

اور ان کی شخصیت دل میں جانے کیوں کوئی خوشگوار سا احساس بیدار کر گئی۔

"ارے یہ دل کو کیا ہو رہا ہے!" اس نے گھبرا کر دل کو ڈانٹ دیا——

"عامر بھائی اور بھابی کہاں ہیں؟"

ثوبی نے کیفان سے پوچھا۔

"مجھے تو خود معلوم نہیں۔ میں تو ابھی کچھ دیر پہلے ہی یہاں پہنچا ہوں۔ فیضو بابا سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ دونوں کسی پارٹی میں گئے ہوئے ہیں!"

"آنے دیں بھیا کو پوچھوں گی ان سے۔ میں کہہ کر بھی گئی تھی کہ مجھے اور عروج کو کچھ سوالات سمجھنے ہیں!"

"بھئی یہ سوالات کا کیا چکر ہے؟" کیفان نے پوچھا

"ہمارے آخری ٹیسٹ قریب ہیں اس لئے زیادہ محنت سے پڑھ رہے ہیں شماریات کے کچھ فارمولے سمجھنے ہیں!"

"ارے تو ہم سمجھا دیں گے فکر کرنے کی کوئی بات نہیں!" وہ بڑے وثوق سے بولے۔

"ہمارے سوالات آپ کی سمجھ میں نہیں آئیں گے!"

"جناب آپ نے ہمیں سمجھ کیا رکھا ہے۔ ہم نے یونہی تو اتنی ڈگریاں حاصل نہیں کر لیں!" وہ اکڑ کر بولے

"اچھا بھئی آپ ہی سمجھائیے گا پہلے چائے تو پی لیں!"

"ہاں پہلے چائے ہو جائے اتنی دیر سے یہاں کھڑا ہوں اور تم نے پوچھا بھی نہیں!"

"آپ نے خود بنالی ہوتی!"

"مجھے تو لگ رہا ہے اب ایسے کام بھی خود کرنے پڑیں گے!" وہ مسکرا دیئے

"تو پھر اپنے لئے ایک عدد بیوی لے آیئے نا!" ثوبی کچن میں سے چائے کی ٹرے اٹھا لائی۔

"عروج تم چائے بناؤ میں ابھی آئی!" وہ پھر کچن میں چلی گئی۔

"ثوبی کی بات پر غور کرنا ہی پڑے گا اور عمل بھی!"

عروج کے کچھ قریب ہوتے ہوئے قدرے جھک کر

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

انہوں نے سرگوشی کی تو کپ میں گرم گرم چائے انڈیلتے ہوئے اس کا ہاتھ لرز گیا اور دوسرے ہاتھ پر گرم گرم چائے گر گئی۔

اُف! ہلکی سی چیخ نما آواز اس کے لبوں سے نکلی۔

"میں نے ایسی تو بات نہیں کہی کہ آپ بے قابو ہو کر اپنے ہاتھ پر ظلم کرنے لگیں!"

غیر ارادی طور پر کیفان نے اس کا جلا ہوا ہاتھ تھام لیا۔

"اف!" اک سرد سی لہر اس جلتے ہوئے زخم سے ہوتی ہوئی پورے تن من میں پھیل گئی۔ اس نے جلدی سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ کیفان مسکرا دیئے۔

"میں ابھی دوا لے کر آتا ہوں!"

وہ جلدی سے عامر بھائی کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

ثوبی بھی کچن سے نکل آئی ہاتھ میں ایک ٹرے تھی جس میں مختلف چیزیں رکھی تھیں۔ عروج اپنا ہاتھ پکڑے کراہ سی رہی تھی اور آنکھوں میں آنسو آنے کو تھے۔

"کیا ہوا عروج؟" ثوبی نے اس کے ہاتھ کو دیکھ کر پریشانی سے پوچھا۔

"ہونا کیا تھا ایسے موقعوں پر اکثر ایسا ہی ہوتا ہے!" کیفان جلدی سے کمرے سے باہر نکل کر ان کی طرف بڑھے۔

"کیا مطلب؟"۔ ثوبی سمجھ نہ سکی۔

"بے دھیانی میں کام کرنے سے تو یہی ہوگا۔ چائے گرا لی ہاتھ پر!" وہ مسکرائے۔

عروج کی آنکھوں میں مارے بے بسی کے آنسو آنے لگے مگر ضبط کر گئی۔ کتنی ڈھٹائی سے سارا الزام اس پر دھر دیا تھا۔

"لائیے اپنا ہاتھ دکھائیں!" انہوں نے اس کے ہاتھ کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا۔

"شکریہ۔ میں خود لگا لوں گی!" اس نے میز پر رکھی ٹیوب اٹھا لی۔

"لگا لیجئے!" کیفان مسکرا کر پیچھے ہٹ گئے۔ عروج نے بڑی احتیاط سے دوا لگا لی۔

چائے پی کر وہ کچھ دیر بیٹھی۔ ثوبی کے ساتھ اسٹڈی کرتی رہی۔ پھر چلی آئی۔ ثوبی نے بہت روکا مگر وہ نہ مانی تھی۔ اگر عامر بھائی نہ ہوتے تو وہ کافی دیر بیٹھ کر ان سے سمجھ کر ہی جاتی۔

مگر اب کیفان سے کیسے سمجھتی جو کچھ دماغ میں تھا وہ بھی کھوئے جا رہی تھی۔

کچھ تلخ۔ کچھ شیریں سے احساسات لے کر وہ گھر واپس آگئی چھوٹے سے لان میں عادل بھائی وہیل چیئر پر بیٹھے ٹانگوں پر سیاہ گرم کمبل پھیلائے شام کا اخبار دیکھ رہے تھے۔

گیٹ کھلنے کی آواز پر چونک پڑے۔

"آج بڑی دیر کر دی عروج!"

"یونیورسٹی سے ثوبی کے گھر جاتے ہوئے دیر ہو گئی تھی بھیا!"

اس نے بڑے پیار سے ان کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

"جلدی آجایا کرو بیٹے۔ میں گھبرانے لگتا ہوں۔ معذور آدمی ہوں محرومیوں کا احساس کچھ زیادہ ہونے لگتا ہے جب تم میرے پاس نہیں ہوتی ہو!"

عادل بھیا نے بڑے پیار سے اس کا ماتھا چوما۔

بھیا! وہ بھائی کی محرومیوں پر بے چین ہو گئی۔

"جلدی سے مجھے چائے بنا دو سر میں بہت درد ہو رہا ہے!"

"اور آپ یوں سردی میں بیٹھے ہیں!"

"تمہارا انتظار کر رہا تھا نا!"

وہ بڑے درد سے مسکرائے۔

"میں ابھی آپ کے لئے شاندار سی چائے بناتی ہوں اب آپ آرام کریں!"

وہ ان کی وہیل چیئر گھسیٹنے لگی۔

بھیا کی محرومی کا احساس اس کے دل میں چھید کرنے لگا تھا۔

جنگ میں محاذ پر لڑتے ہوئے وہ شدید زخمی ہوئے تھے اور ان کی ایک ٹانگ ضائع ہو گئی تھی، جب سے وہ بہت سنجیدہ ہو گئے تھے۔ ورنہ ان کی شوخ فطرت تو بہت مشہور تھی۔ اب تو، بھیا کا قہقہہ سننے کے لئے ترس گئی تھی۔ ان کے چہرے پر خوشیوں کے سائے دیکھنے کی تمنا میں وہ کڑھ کر رہ جاتی۔

"اے خدا تو میرے بھیا کو پھر پہلے جیسا کر دے!"

دکھی دل کے ساتھ اس نے خدا سے فریاد کی اور چائے بنانے لگی۔

چاندنی راتوں میں وہ یوں بھی اداس ہو جاتی تھی۔ انجانے

Waqar Azeem Pakistanipoint.Com

سے دکھ اس کی رگوں میں اُترنے لگتے تھے۔ کوئی ساتھی کوئی ہمدرد نہ تھا جو اس سے پوچھتا کہ تم کیوں اُداس ہو؟

"کیا دکھ ہے تمہیں! تمہارے چہرے پر غم کے یہ سائے اچھے نہیں لگتے! تم تو مسکرانے کے لئے ہو! تم تو محبت کرنے کے لئے ہو جانے کے لئے ہو۔"

مگر کوئی نگاہ ایسی نہ تھی جو اس کی صورت کو اپنے آپ میں بسا لیتی۔

لیکن آج۔ آج تو جانے کیوں یہ چاندنی تن من میں لطیف سے انگارے بھرنے لگی تھی۔

انوکھا سا کوئی لطیف سا جذبہ اس کے رگ و پے میں مچلنے لگا تھا۔

یہ چاند کا چہرہ
کیفان کا چہرہ کیوں بن رہا تھا
یہ چاندنی۔ لطیف سی ٹھنڈی چاندنی

اس کس لطیف کی طرح کیوں اس کے رگ و پے میں سمائی جا رہی تھی۔ اس کے ہاتھ کی جلن ٹھنڈی سی ریشمی آگ میں کیوں بدل گئی تھی۔

عجیب سی مہک اسے اپنے وجود سے اٹھتی محسوس ہو رہی تھی۔

شاید
شاید اس کا نام محبت ہے
محبت

اس کے لب مسکرانے لگے۔

محبت کا پہلا پہلا احساس کتنا بے قرار کر دینے والا تھا۔ جانے کیسی چبھن دل میں ہو رہی تھی۔

مگر
یہ چبھن تو اس لمس لطیف کی طرح اسے عزیز ہو گئی تھی بے قرار کر دینے والے احساس میں اس کا سکون محفوظ ہو گیا۔

اور
اس کی نیندیں بے حد ہلکی پھلکی ہو کر اسے انجانے سے سپنے دکھانے لگی تھیں۔

اس کی آنکھوں میں خواب اُترے ہوئے تھے

یا پھر
رت جگوں نے انہیں پرکشش سا روپ بخش دیا تھا۔

گلابی گلابی ڈورے اس کی شب بیداری کے غماز تھے اُس کی آنکھوں میں خمار اُتر رہا تھا۔

عادل بھائی کئی دنوں سے گھر میں ہی تھے آج ذرا طبیعت گھبرائی تو کریم کے ساتھ باہر نکل گئے۔ ان کے دوست ڈاکٹر آصف کا گھر قریب ہی تھا۔ کریم ان کی وہیل چیئر گھسیٹتا انہیں وہیں لے گیا تھا۔

عروج گھر میں تنہا بیٹھی پڑھ رہی تھی مگر پڑھنے میں دل کہاں لگ رہا تھا۔ نظریں کتاب کے خشک فارمولوں میں اُلجھی ہوئی تھیں۔

لیکن
دماغ کچھ اور سوچ رہا تھا۔

اور
دل جانے کہاں بھٹک رہا تھا۔ شاید کیفان کے پہلو میں۔

"یا خدایا مجھے کیا ہو رہا ہے!"

اس نے پھر دل کو ڈانٹا، مگر کمبخت مانتا ہی نہ تھا۔ خوامخواہ آٹے سیدھے خیالات کو پناہ دے کر اسے گمراہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔


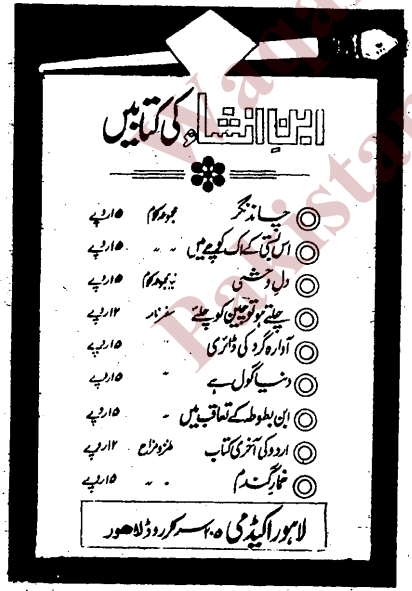

یہ دل بھی کیسی عجیب شے ہے
نہیں آتا تو کسی پر مدتوں نہیں آتا۔
اور
آنے کے لئے صرف ایک لمحہ کافی ہوتا ہے
محبت
نہیں ہوتی تو ایک عمر تک نہیں ہوتی
اور
اگر اس کا احساس ہو جائے تو چند لمحوں میں صرف ایک جھلک دیکھ کر زندگی کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ اور عروج کا یہ فیصلہ پہلی نظر کے وار پر ہو گیا تھا۔ اپنا یہ انوکھا خوبصورت اور اٹل فیصلہ اسے بے حد عزیز تھا
اس پر اسے ناز تھا
اپنے دل کی پسند پر فخر تھا۔
مگر
پھر جانے کیا تلخ خیال دل میں سوراخ کرنے لگا۔
سارے سپنے زہر گھولنے لگے
کہیں۔ کہیں یہ خواب تو نہیں۔ سراب تو نہیں۔

اس کی رُوح بے قرار سی ہو کر اندیشوں میں ڈوب سی گئی، جانے کیوں وہ دکھی سی ہو گئی شام کی ساری اداسیاں اور سوگواریاں آپ ہی آپ دل میں اترنے لگی تھیں۔
"عروج!"
ثوبی نے اسے دروازے میں سے ہی پکارا وہ تو کھو سی گئی ہوئی تھی۔
"عروج!"
ثوبی نے پھر قریب آ کر پکارا تو وہ چونک گئی۔ ہاتھ سے کتاب گرتے گرتے بچی۔
"ماشاء اللہ بہت پڑھائی ہو رہی ہے۔ کتاب میں اس قدر غرق ہو کہ ہماری آواز بھی سنائی نہیں دی!"
ثوبی نے اس کے ہاتھ سے کتاب لے لی تو اس کا دل چاہا کہ کہہ دے۔
"کتاب میں غرق ہو کر آس پاس کا ہوش رہتا ہے
مگر
عشق میں ڈوب کر تو اپنی ذات تک انسان فراموش کر بیٹھتا ہے۔
اور میں بھی عشق کے سمندر میں ڈوب گئی ہوں!"
وہ سوچ کر رہ گئی مگر کہہ نہ سکی۔
"ہر وقت پڑھتی رہتی ہو کبھی تو انجوائے کر لیا کرو!"
ثوبی بولی
"انجوائے کرنے کے لئے کیا رکھا ہے!"
جانے کیسے اس کے منہ سے یہ بات نکل گئی۔
"بتا دوں!"
ثوبی معنی خیز مسکراہٹ سے بولی
"کیا؟"
"اس دنیا کی سب سے حسین شے!"
"اب بتا بھی چکو۔ میرا وقت بہت قیمتی ہے!"
عروج بولی
"وہ شے ہے محبت!"
ثوبی بے دھڑک بولی
"محبت!"
عروج کا دل دھڑکا۔ کائنات کا سب سے حسین ترین جذبہ اس کے دل میں پرورش پا چکا تھا۔ رُوح میں ہی جوان ہو گیا تھا۔

تو کیا اس کے دل کی ثوبی کو خبر ہو گئی۔
کیسے؟
کب؟
وہ خود چونک گئی
دل کا راز سرِ عام کیوں کر آ گیا!
خوبصورت سی سوچیں اس کے دماغ میں ہلچل مچانے لگیں
"میں تمہیں محبت کا فلسفہ سمجھانے سے تو رہی جو تم ہونق ہو کر میرا چہرہ دیکھ رہی ہو۔ ہاں اتنا ضرور بتا سکتی ہوں کہ آج نہیں تو کل تمہیں محبت ضرور ہو جائے گی۔ اور کس سے ہو گی یہ تمہیں خود بخود پتہ چل جائے گا۔ چلو اٹھو کیفان بھائی تمہارا انتظار کر رہے ہیں!"
اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔
انتظار!
بے قراری کا دوسرا نام
تو کیا اُدھر بھی یہ بے قراری ہے۔ محبتوں کی میٹھی کسک ہے!

Waqar Azeem
Pakistanipoint.com

اک انجانا سا خوشی سے بھرپور احساس اسے سرشار کر گیا وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی، اور لرزتے قدموں کے ساتھ اپنے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھنے لگی۔

"کیفان بھائی مجھے چھوڑنے آئے تھے۔ تو کہنے لگے کہ عروج سے اک بات کہنی ہے۔ میں نے سوچا چلو اسی بہانے تم سے ملاقات بھی ہو جائے!"

ثوبی نے ڈرائنگ روم تک پہنچتے پہنچتے اُسے ساری بات بتائی۔

ڈرائنگ رُوم کا پردہ اُٹھا

اور

اس پر سحر طاری ہو گیا

دھوئیں کے پیچھے دُھندلا یا دُھندلا یا سا خواب آلود چہرہ اور اک خوبصورت قد آور وجود۔ پُر کشش شخصیت۔ ساری فضا روشن ہو گئی، سارا ماحول خوشبوؤں سے بھر گیا۔ ۵۵۵ کے قیمتی برانڈ اور قیمتی غیر ملکی پرفیوم کی مہک نے ساری فضا کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔

کتنی خوشگوار تھی اس کے محبوب کی آمد۔

ہوا کے کسی معطر جھونکے نے کیفان کو اس کی آمد کا احساس دلایا تو وہ چونک کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ خوبصورت ہاتھ کی انگلیوں میں دھیرے دھیرے سلگتا ہوا سگریٹ انہوں نے جھک کر ایش ٹرے میں مسل دیا۔

"تشریف رکھیں" عروج کا لہجہ مدھم مدھم سا تھا۔ کیفان صوفے پر بیٹھ گئے۔ وہ بھی ان کے مقابل بیٹھ کر کچھ سمٹ سی گئی۔

اُسے تنہا چھوڑ کر ثوبی جانے کہاں چلی گئی تھی۔

"آپ مجھ سے ناراض ہیں!"

کیفان نے بات شروع کی۔

"نہیں تو!"

اس کے چونکنے کا انداز بے حد معصوم تھا۔

"میں تو یہی سمجھ رہا تھا!"

"اس شام تو آپ یہی تاثر چھوڑ کر آئی تھیں!" وہ کرید نا چاہ رہے تھے۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں!"

"پھر ——"

"پھر کیا!"

"آپ آئی کیوں نہیں!"

ان کی شکایت خوبصورت تھی

"وقت نہیں ملا!"

"اچھا بہانہ ہے!" وہ دھیمے سے ہنس دیئے۔

"آج کل فائنل ٹیسٹ شروع ہونے والے ہیں اس وجہ سے ذرا اسٹڈی میں مصروف تھی!"

وہ ناخن کُریدنے لگی

"آپ کو سمجھنے میں کوئی مشکل تو نہیں ہو رہی۔ اُس دن آپ شاید اسی لئے حاضر ہوئی تھیں!"

"جی ہاں۔ ابھی تک وہی صورت حال ہے!"

وہ مسکرا دی

"بعض باتیں سمجھ میں آ کر بھی نہیں سمجھی جاتیں!"

انہوں نے سگریٹ سلگانے کے لئے لائٹر جلاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ اس نے بھی ان کی طرف دیکھا۔ وہ بڑے اطمینان سے سگریٹ کا کش لے رہے تھے۔ عروج کا دل دھڑک کر رہ گیا۔

کچھ کہتے کہتے وہ رک کیوں گئے!

وہ تڑپ کر رہ گئی۔

"میں آپ سے ایک بات کی معافی مانگنے آیا تھا!"

"کس بات کی!"

اس نے چونک کر نگاہیں اُٹھائیں۔ وہ اسی کی طرف دیکھ رہے تھے۔

اُف وہ نگاہیں!

وہ نگاہیں تھیں کہ کسی نے سحر پھونک دیا تھا۔ سمندر کی طرح گہری اور لہروں کی طرح بے چین لہریں۔

جو سمندر کا شباب بن کر چٹانوں سے ٹکراتی ہیں تو دُور تک ان کی صدائیں بکھر جاتی ہیں کچھ کہنے کی آرزو انہیں بھی ہوتی ہے۔ کناروں سے گلے ملنے کے لئے وہ بیتاب ہو ہو کر اٹھتی ہیں اور مچل مچل کر اظہار کرتی ہیں۔

ایسا ہی لہروں کا سا اضطراب کیفان کی آنکھوں میں کروٹیں لے رہا تھا۔ جو اظہار کے لئے کوئی راستہ تلاش کر رہا تھا۔

کم از کم عروج تو یہی سمجھ سکی تھی ان نگاہوں کی آرزو پاش پاش ہوتے نہ دیکھنا چاہتی تھی اس نے اپنے آپ کو تیار رکھنا چاہتی تھی۔

کیفان جو کہنا چاہ رہے تھے وہ شاید بھول چکے تھے، مگر ان کی نگاہیں بولنے کی کوشش میں عرُوج کے سراپے میں کچھ ڈھونڈ رہی تھیں۔ اس کے چہرے پر کچھ تلاش کر رہی تھیں۔

"آپ کچھ کہنے والے تھے!"

عروج ان نگاہوں کے انداز سے کچھ گھبرا کر بولی۔

"میں یہ کہہ رہا تھا کہ اس شام مجھ سے گفتگو کے دوران کچھ گستاخیاں بھی سرزد ہوئی ہیں جو یقیناً آپ کو ناگوار گزری ہوں گی۔ بخدا میرا کوئی غلط مطلب نہ تھا آپ اسے مذاق سمجھ کر فراموش کر دیں۔ میں آپ سے معافی چاہتا ہوں!"

اُن کا لہجہ بے حد شائستہ تھا

"مذاق!"

کوئی چیز دل کے اندر ٹوٹتی چلی گئی۔

"تو سب کچھ مذاق تھا!"

وہ دھیرے سے بڑبڑائی۔

"آپ نے شاید بہت بُرا مان لیا ہے جب ہی تو معافی نہیں دے رہیں!"

وہ مسکرائے۔

"نہیں! نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں آپ نے تو ایسی کوئی بات نہیں کی جس کی معافی مانگی جائے!"

وہ دھیرے سے بولی

"میری عادت ہی کچھ ایسی ہے!"

"ہاں عروج۔ کیفان بھائی ہر ایک سے مذاق کرتے ہیں!"

اچانک ثوبی اندر آگئی۔ ہاتھ میں تھمی ہوئی ٹرے اس نے میز پر رکھ دی۔

"ارے ثوبی تم نے یہ تکلیف کیوں کی۔ میں بنا لاتی!"

"میں۔ نے سوچا آپ دونوں کھل کر گفتگو کر لیں جب تک میں جلدی سے کافی بنالوں۔ کیفان بھائی اپنے اس دن کے رویے سے شرمندہ ہیں!" وہ بولی

جھکی جھکی عروج کافی بنانے لگی۔ کچھ دیر پہلے انہیں دیکھ کر چہرے پر دھنک اُترنے لگی تھی مگر اب چہرے کے دُکھی تاثرات کافی سے اُٹھتی بھاپ کے پیچھے چھپا لئے۔

عادل بھیا کے آنے سے پہلے وہ دونوں جا چکے تھے۔ اور وہ یوں تنہا بیٹھی تھی جیسے اپنا سب کچھ ہار چکی ہو، منزل پر پہنچنے کے سارے راستے مسدود ہو چکے ہوں۔

کسی کی جان گئی آپ کی ادا ٹھہری! والا معاملہ تھا۔ وہ جانے کیا کچھ سمجھ بیٹھی تھی۔ معاملہ بالکل برعکس نکلا تھا۔ ثوبی نے بھی تصدیق کر دی تھی کہ وہ ہر ایک سے مذاق کرنے کے عادی ہیں۔

اور

یہ مذاق عروج کے لئے جان لیوا ثابت ہو رہا تھا۔

مگر

وہ نگاہیں

وہ بولتی۔ کچھ کہتی۔ راز اُگلتی نگاہیں بے معنی تو نہ تھیں۔ زبان خاموش ہو تو نظریں بولتی ہیں اور کیفان کی نگاہیں ہی تو کچھ کہنے کے لئے بیتاب تھیں۔

پھر

پھر ایسا کیوں ہوا

اس کے خوابوں کی تعبیر ملنے سے پہلے ہی کیوں لُوٹ لی گئی۔ منزل پر پہنچنے سے قبل ہی اُسے واپس لَوٹا دیا گیا۔

مگر نہیں!

ایسا نہیں ہو گا

نگاہیں کبھی جھوٹ نہیں بولتیں۔ جذبے بے اثر نہیں ہوتے۔ عشق میں تو مر مر کے جیا جاتا ہے۔ پھر کیوں وہ ابھی سے گھبرا گئی۔ ابھی تو ابتدا ہے۔ اور تمنا شدت اختیار کر کے پوری ہو تو زیادہ لطف آتا ہے۔ پیاس بڑھا کر بجھائی جائے تو تسکین زیادہ ملتی ہے۔ اس لئے وہ بھی محبتوں کی پیاس بڑھا کر قربتوں کی تمنائی تھی۔ شاید یونہی دل بہل جائے۔



Waqar Azeem Pakistanipoint.Com

لیکن
وہ پھر ڈر سی گئی۔ جانے کیوں خوف زدہ ہو گئی۔
شاید
کوئی اس کے اندر سے بولا تھا۔
نگاہوں سے ادا ہونے والے سارے حرف جھوٹے ہیں سب باتیں لغو ہیں۔
اعتبار مت کرنا
اعتبار مت کرنا
وہ رو سی پڑی
منزلوں کے نشان گم تھے
اور
راستے کانٹوں سے بھرے پڑے تھے۔

اسے احترام تمنا کا احساس تھا
یا
احتیاط جنوں کا خیال آڑے آگیا تھا۔
اُس نے اپنے جذبات پر بند باندھ لینا چاہا تھا۔ اپنے آپ کو وہیں روک لینا چاہا تھا جہاں وہ ٹھہر گئی تھی آگے بڑھنے کے خیال سے پاؤں کے چھالے پھوٹنے کا اندیشہ تھا۔
اور
وہ نہیں چاہتی تھی کہ پوری طرح خواب دیکھ کر چونکے۔ اور خوابوں کے لٹنے پر وہ ریزہ ریزہ ہو جائے۔ اس لئے اس نے اپنے ادھورے سپنوں کو اپنی نیندوں میں لپیٹ کر کہیں چھپا لیا تھا۔ اپنی اَن دیکھی خوشیوں پر چپکے چپکے رو لی کہ وہ بعد میں خوشیاں منا کر ماتم نہیں کرنا چاہتی تھی۔
اس دن ثوبی اسے زبردستی ساتھ لے گئی تھی۔ عامر بھیا کی شادی کی سالگرہ تھی اور اس خوشی میں انہوں نے گھر میں چھوٹی سی تقریب کا اہتمام کیا تھا۔
وہ جانا نہ چاہ رہی تھی مگر ثوبی نے بے حد مجبور کیا تھا کہ اگر وہ نہ گئی تو عامر بھائی ناراض ہو جائیں گے۔ ثوبی نے یہی خبر اسے سنائی تھی۔
جبکہ
وہ کچھ اور سننا چاہتی تھی
شاید۔ شاید
کیفان اس کے منتظر ہوں۔ اس کے نہ آنے سے اُن کے لئے محفل میں کوئی رنگ نہ ہو۔
لیکن
ثوبی نے ایسی کوئی اطلاع اسے نہ دی۔ وہ کچھ بجھ سی گئی تھی۔
ثوبی اُسے برآمدے میں چھوڑ کر خود تیزی سے اندر بھاگ گئی اور وہ مُردہ سی چال کے ساتھ لان عبور کر کے برآمدے کی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ نگاہیں چمکیلے فرش پر تھیں۔ یکایک اُوپر اُٹھ گئیں۔ دل نے دھڑک کر تصدیق کر دی تھی کہ آنے والا کیفان کے سوا کوئی نہیں۔ اور پھر اس کی نگاہوں نے بھی دیکھ لیا تھا۔
کیفان ڈرائنگ روم میں سے بڑے مسرور سے لوٹے تھے۔ گہرے نیلے رنگ کے قیمتی سوٹ میں ان کا دراز قد نمایاں ہو رہا تھا۔ اور دل میں اُتر جانے والی اپنی سحر انگیز شخصیت لئے وہ اس کے قریب آرہے تھے۔
اسے یک دم بہاروں کا خیال آگیا
خوشبوؤں کا احساس ہونے لگا
آس پاس نہایت دلکش مہک بکھر گئی۔ اس کی ہر سانس معطر ہو گئی۔ جی چاہ رہا تھا کہ اس خوشبو کو اپنے تن من میں بسا لے۔
یہ مہک
کیفان کے وجود سے اُٹھ رہی تھی یا ان کی قربتوں نے اسے مہکا دیا تھا۔ وہ اپنے آپ میں سمٹ گئی۔
مگر یہ کیا
اتنا معمولی سا اظہار روایتی سا جملہ۔
وہ تو کوئی انوکھی سی تعریف۔ کوئی نیا نرالا جملہ سننے کی منتظر تھی جو آج تک کسی محبوب نے اپنی محبوبہ کی تعریف کے لئے استعمال نہ کیا ہو۔
وہ آنا نہ چاہتی تھی مگر کیفان کے خیال سے آئی تھی۔ اپنے آپ کو خوب سنوارا ایسا تھا کہ اس کے حسن کو سجدہ کرنے والی نگاہیں ہوں گی۔ کیفان کا وجود سراپا انتظار ہو گا۔
لیکن
اس کے ارمانوں پر اوس پڑ گئی۔ آج وہ اس قاتلانہ حد تک حسین لگ رہی تھی کہ اسے اپنے آپ پر پیار آرہا تھا کیفان کا یہ روایتی سا جملہ سن کر اس کے دل میں آگ سی لگنے لگی جی چاہا کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بھاگ جائے یہ رُوپ تو میں نے تمہارے لئے سجایا تھا کیفان معمولی سی تعریف کر کے اپنا فرض ادا کر دیا!
اس کی آنکھوں میں شبنم سی جمنے لگی۔ حلق میں کڑوا سا دھواں بھرنے لگا تھا آنسوؤں کی جلن سے۔

"آیئے نا یہاں کیوں کھڑی ہیں۔ سب آپ کا انتظار کر رہے ہیں!"

کیفان بولے تو وہ چونک سی پڑی۔

"مجھے تو آپ کے انتظار کی ضرورت تھی کیفان!"

ڈولتے قدموں کے ساتھ وہ کیفان کے ساتھ اندر آگئی۔

"ارے یہ تم ہو عروج۔ اتنی حسین لگ رہی ہو کہ دل چاہتا ہے ابھی تمہیں اپنی بھابی بنالوں مگر افسوس میرا کوئی بھائی نہیں!"

ثوبی کی بھابی نے لپک کر اسے اپنے ساتھ لپٹالیا۔ وہ دھیرے سے مسکرا کر رہ گئی۔ عامر بھائی بھی یہیں چلے آئے۔

"جی چاہتا ہے دیر سے آنے پر تمہیں کوئی پیاری سی سزا دوں مگر آج میں تمہیں کچھ نہ کہہ سکوں گا۔ آج تو ساری محفل تمہاری ہے عروج!" عامر بھائی نے بڑے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"عامر بھائی میں تو صرف آپ کی خوشیوں کے لئے آتی ہوں۔ خدا کرے آپ ہمیشہ ایسی خوشیاں مناتے رہیں!"

اس نے خوبصورت سا پیکٹ پُرخلوص دعاؤں کے ساتھ ان کی طرف بڑھا دیا۔

"عروج تم نے یہ تکلیف کیوں کی!"

"میں تو اپنی خوشی سے لائی ہوں۔ عامر بھائی کیا آپ میری خوشی قبول نہیں کریں گے!" عامر بھائی ہنس دیئے۔

سب مہمانوں کے درمیان اور پرخلوص دعاؤں اور خوبصورت تحائف لیتے ہوئے عامر بھیا اور بھابی نے اپنی خوشی سب کے ساتھ منائی۔ عروج ان کی خوشیوں میں برابر کی شریک تھی اور خوب انجوائے کر رہی تھی۔ ایک طرف کھڑے کیفان اسے دیکھ رہے تھے۔ عروج نے اک نگاہ اٹھا کر بھی ان کی طرف نہ دیکھا تھا۔ وہ اپنی پلیٹ پر جھکی ثوبی کے کسی مہمان سے باتیں کر رہی تھی۔ بیحد مطمئن اور پُرسکون نظر آرہی تھی۔

مگر

جانے کب اور کیسے اس کی نگاہ کیفان پر جا پڑی۔ اپنے دل پر اختیار نہ رہا تھا۔ ان کی طرف دیکھا تو دل میں درد سا اٹھا وہ سگریٹ سلگانے کے لئے جھکے تھے۔ ان کے بالوں کی لٹ پیشانی پر جھک آئی۔ اس کا دل چاہا کہ وہ اپنی نازک انگلیوں سے یہ لٹ سنوار دے

مگر

دوسرے لمحے وہ سنبھل گئی۔ کیفان نے سگریٹ سلگا کر لائٹر جیب میں ڈال لیا تھا۔ اس نے جلدی سے نگاہیں جھکالیں اور پھر باتوں میں مصروف ہوگئی۔ ہنس رہی تھی، مسکرا رہی تھی۔

"جب تمہیں میری پرواہ نہیں تو میں تمہاری فکر کیوں کروں تم چاہتے ہو کہ میں تم سے کہوں کہ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔ تمہاری زندگی کا سب سے بڑا ارمان ہو! مگر میں ایسا نہیں کروں گی!

میں اپنے جذبوں پر پہرے بٹھالوں گی۔ مگر اظہار محبت میں پہل نہ کروں گی۔ چاہے جل جل کر مر جاؤں! اس نے بھی جل کر سوچا تھا۔ وہ اپنا ہی خون جلا رہی تھی۔ کیفان تو بڑے مطمئن نظر آرہے تھے۔"

لوگ ہوتے نہیں دل کے جیسے چہروں سے نظر آتے ہیں!

صورت سے تو کتنا مہربان ہمدرد اور محبت کرنے والا لگتا ہے۔ نگاہیں ہر دم بولتی رہتی ہیں۔ پھر — پھر زبان کیوں نہیں بولتی۔ کوئی اقرار۔ کوئی اظہار کیوں نہیں ہوتا! وہ اپنے آپ سے اُلجھ کر سوچے جا رہی تھی۔

"عروج یہاں کھڑی کیا سوچ رہی ہو۔ باہر آؤ۔ موسیقی کی محفل جمی ہوئی ہے۔ ایک بڑے ہی اچھے سنگر سے تمہیں ملوائوں!"

ثوبی نے آکر اس کا ہاتھ کھینچا تو وہ چونک گئی۔ موسیقی اس کی کمزوری تھی اور درد و سوز میں ڈوبے ہوئے گیت اُسے بے حد پسند تھے۔ اور وہ ان میں اس حد تک ڈوب جاتی تھی کہ اس کے آنسو نکل آتے تھے۔

اور

اب بھی اس کی یہی کیفیت تھی

جانے کون تھا جو بے حد اطمینان سے سب کے درمیان بیٹھا گا رہا تھا۔ ایک بیحد پرسوز سی غزل اس کے ہونٹوں پر بکھری ہوئی تھی اور جس کی آواز نے سارے ماحول کو اُداس کر کے رکھ دیا تھا۔ عروج کے دل پر قیامت سی گزر رہی تھی۔

اور

جب اُسے معلوم ہوا کہ وہ فنکار آنکھوں سے معذور ہے تو وہ بے اختیار اس کے قریب چلی گئی اور اس کے فن کو بے پناہ سچی اور پُرخلوص داد دینے لگی۔ وہ بہت سراہ رہی تھی اس کے انتخاب غزل اور آواز کو۔

کیفان اس کے قریب آئے۔ کچھ دیر رُکے اور پھر دو قدم آگے بڑھ گئے۔ عروج ان کے اس انداز بے رُخی پر تڑپ کر رہ گئی۔ وہ اندر چلی آئی۔ اب جانے کی تیاری بھی کرنی تھی اور یوں بھی دل اُکتا گیا تھا۔ وہ ثوبی کے کمرے میں اپنی شال لینے

جا رہی تھی۔

"بہت پسند آئی ہے اس کی آواز کہ آپ کے آنسو نکل آئے!"

جانے کوریڈور کے کس کونے سے نکل کر کیفان اس کے سامنے آگئے۔ واقعی وہ اس وقت بہت متاثر ہوئی تھی کہ اُس کے آنسو نکل آئے تھے۔

"بدذوق ہوگا وہ انسان جو متاثر نہ ہوا ہو!" اس نے اُن پر طنز کیا۔

"مجھے معلوم ہے یہ تم مجھے کہہ رہی ہو عروج۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ مجھے ایسے لوگ پسند نہیں۔ مجھے معذور لوگوں سے شدید نفرت ہے۔ لوگوں سے ہمدردی اور محبت حاصل کر کے اپنا مطلب پورا کرتے ہیں!" وہ دھیمے سے لہجے میں چیخ رہے تھے۔ ان پر وحشت طاری تھی۔ آنکھوں میں نفرت اور چہرے پر غصے کے آثار تھے۔

معذور لوگوں سے نفرت!۔ ان کی آواز کی بازگشت عروج کے اردگرد پھیل گئی۔

"تم میرے سامنے اس سے ہمدردی کر رہی تھیں اور مجھے شدید غصہ آرہا تھا اس لئے کہ۔ اس لئے عروج کہ"۔

"آپ نے اپنے جذبات بیان کر کے اپنی شخصیت بے نقاب کر دی ہے کیفان صاحب!" وہ تیزی سے آگے بڑھی۔

"مگر عروج میری بات تو سنو!" وہ اس کے پیچھے لپکے۔

مگر عروج میں جانے اتنی تیزی کہاں سے آگئی تھی کہ اُن کے ہاتھ ہی نہ آئی۔ اس نے ثوبی کے کمرے سے شال لی۔ اور باہر آگئی۔ کیفان اس کے پیچھے پیچھے آئے تھے مگر وہ اُن کی پہنچ سے دُور جا چکی تھی۔ وہ اس سے کچھ کہنا چاہتے تھے مگر وہ سننے کے لئے قطعی تیار نہ تھی۔

ثوبی اور عامر بھائی اُسے گھر چھوڑ گئے تھے۔

وہ اندر آئی تو عادل بھائی ڈرائنگ روم میں ہی بیٹھے اس کے منتظر تھے۔ ان کے نڈھال سے چہرے پر پریشانی رقصاں تھی۔ فکر کے سائے منڈلا رہے تھے۔

"بھتیا!" اس نے اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے انہیں پکارا وہ چونک کر مڑے۔ اور اپنی وہیل چیئر کا رُخ اس کی طرف موڑنے کی ناکام کوشش کرنے لگے۔

"میں تمہارا انتظار کرتے کرتے تھک جاتا ہوں عروج میں تو تمہیں تلاش کرنے باہر بھی نہیں جا سکتا۔ جلدی آجایا کرو نا!" ان کے لہجے میں اتنی یاسیت تھی کہ عروج کا دل پھٹنے لگا۔ وہ تیزی سے ان کے قریب آگئی۔ جی چاہا اُن کے سینے میں منہ چھپا کر رو دے اور کہہ دے۔

"بھتیا خدا نے مجھے ایسا محبوب دیا ہے جسے معذور لوگوں سے نفرت ہے!" وہ ان کے زانو پر سر رکھ کر سسک پڑی۔

"کیا ہوا بیٹے!"

عادل بھتیا بے چین ہو گئے۔

"کچھ نہیں بھتیا آپ کی محرومیوں، مجبوریوں اور اپنی غلطیوں کا احساس ہونے لگتا ہے!"

"میں جانتا ہوں عروج۔ تم کبھی کوئی غلط کام نہیں کر سکتی ہو۔ مجھے تم پر پورا اعتماد ہے!"

عادل بھتیا نے بڑے پیار سے اس کی پیشانی چوم لی۔ وہ ان کی خاطر مسکراتی ہوئی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ ورنہ دل تو چاہ رہا تھا کہ آج جی بھر کر روتی اور عادل بھتیا سے کہہ دیتی کہ تمہاری بہن ایک بہت بڑا غلط قدم اُٹھا چکی ہے۔ محبتوں کا اعتبار کبھی کبھی فریب بھی تو دیتا ہے۔ اور اب وہ اس فریب سے آشنا ہو رہی تھی۔

اپنے دل کے اس غلط فیصلے پر وہ خود پشیمان ہوئی جا رہی تھی۔

دل بھی بجھا بجھا سا تھا اور رُوح پر بھی بوجھ سا تھا۔ کسی کام میں دل نہ لگ رہا تھا۔ وہ اپنے آپ کو پڑھائی میں مصروف رکھنا چاہتی تھی مگر ذہن اس قدر مائوف تھا کہ کچھ سمجھ میں نہ آرہا تھا۔

آج پھر وہ ثوبی کے ساتھ آئی تھی۔ ہواؤں تھا کہ وہ اور ثوبی آخری کلاس لینے کے بعد لائبریری چلی گئیں۔ ابھی گاڑی کے آنے میں کچھ وقت تھا۔

وہ دونوں کام ختم کر کے باہر نکلیں تو کیفان گاڑی لئے کھڑے تھے۔

"آؤ عروج!"

ثوبی دروازہ کھولتے ہوئے بولی

"نہیں تم جاؤ میں پوائنٹ کی بس سے چلی جاؤں گی مجھے ابھی یہاں ایک کام ہے!"

کیفان کو دیکھ کر وہ کترانے لگی۔

بہانے مت بناؤ چلو بیٹھو!"

ثوبی نے اُسے کھینچ کر اندر بٹھا کر دروازہ بند کر دیا۔ کیفان نے خاموشی سے کار ریورس کر لی۔ سارا راستہ خاموشی سے کٹا۔ عروج نے کوئی بات نہ کی، ثوبی نے کچھ پوچھا بھی تو "ہوں، ہاں" میں جواب دیتی رہی۔ اور سامنے لگے آئینے میں سے کیفان کی

نظروں سے بچنے کے لئے اِدھر اُدھر پہلو بدلتی رہی۔ ابھی اس دن والی تلخی بھولی نہیں تھی۔ اس کا گھر آ گیا تھا۔ وہ اُترنے لگی تو کیفان کی دھیمی سی آواز اس کے کانوں سے ٹکراتی ہوئی دل میں اُتر گئی جسے صرف وہ ہی سُن سکی۔

"ایسی بھی کیا ناراضگی، اگر بیٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا تو صاف کہہ دیتیں۔ بہانے بنانے سے فائدہ!" وہ دھیرے سے بڑبڑائی۔ دروازہ بند کر کے ثوبی کا شکریہ ادا کیا حالانکہ کیفان کا ممنون ہونا چاہیے تھا۔

دھیمے دھیمے قدموں سے وہ اندر چلی گئی۔ سب کچھ یاد کر کے اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

"عروج!" عادل بھیا کی آواز آئی تو وہ چونک گئی۔ جلدی سے بھیگی پلکیں صاف کیں اور کتاب بند کر کے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ عادل بھائی اپنی وہیل چیئر گھسیٹتے ہوئے اس کے کمرے کی طرف ہی آ رہے تھے۔

"جی بھیا!" وہ دروازہ کھول کر قریب آ گئی۔

"عروج ذرا کافی تو بنا دو!"

"کون آیا ہے بھیا؟" "ڈاکٹر آصف ہیں۔ تمہیں پوچھ رہے ہیں تم جلدی سے کافی بنا کر لے آؤ!"

"ابھی لائی بھیا!" وہ مسکراتی ہوئی کچن کی طرف بڑھ گئی۔ ڈاکٹر آصف، عادل بھیا کے بہترین دوستوں میں سے تھے کئی بار عادل بھیا کو علاج کے لئے کہہ چکے تھے مگر عادل بھیا مانتے نہ تھے۔ وہ کافی کے ساتھ خشک میوہ لے کر ڈرائنگ روم میں چلی آئی۔

"آداب!" وہ آصف کو دیکھ کر بولی

"آداب!" ان کے لبوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کیسی ہیں آپ؟" انہوں نے پوچھا تو وہ مسکرا کر رہ گئی۔

"بالکل ٹھیک ہوں آپ کی دعاؤں سے!"

"مجھے تو آپ کمزور لگ رہی ہیں!" انہوں نے اس کے ہاتھ سے کافی کا مگ لیتے ہوئے کہا۔

"اسے ہر وقت میری فکر لگی رہتی ہے!" عادل بھیا بولے

"اب اپنے بھیا کی فکر کرنا چھوڑ دیں آپ!"

"کیوں؟" وہ جلدی سے بولی۔ عادل بھائی بھی ہنس پڑے

"انشاء اللہ آپ کے بھیا بہت جلد اچھے ہو جائیں گے۔ اور اپنے پاؤں پر چلنے لگیں گے!" آصف نے سمجھایا۔

"کیا یہ ممکن ہے؟" وہ کچھ اُداس سی ہو کر بولی۔ ہمیشہ ہی ایسی اُمید اسے دلائی جاتی تھی۔

"بالکل ممکن ہے۔ میں باہر جا رہا ہوں آپ کے بھیا کو ساتھ لے جاؤں گا اور پھر آپ کے بھیا خود چل کر واپس آئیں گے!"

آصف بہت پراُمید تھے۔

"پھر بھیا آپ چلے جائیں نا آصف بھائی کے ساتھ!"

عروج التجا کرنے لگی۔

"میں چلا تو جاؤں مگر تم بالکل اکیلی ہو جاؤ گی!"

عادل بھائی نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔

"اس کا انتظام ہم کر لیں گے!"

آصف نے کچھ اتنی تیزی سے کہا کہ عروج ان کی اس بات پر چونک گئی۔ ان کی بات اسے کچھ عجیب سے معنی لئے محسوس ہوئی۔ عادل بھائی بڑے مطمئن نظر آ رہے تھے انہوں نے آصف کی بات کا کوئی نوٹس نہ لیا ہاں عروج ضرور پریشان ہو گئی تھی۔

"میرا خیال ہے عروج اب تم جا کر پڑھ لو، تمہارا بہت وقت ضائع ہو چکا ہے!"

عادل بھیا نے کسی مصلحت کی بناء پر اسے وہاں سے اُٹھا دینا چاہا تو وہ خاموشی سے اُٹھ کر برتن سمیٹنے لگی۔

"کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے آواز دے لیجئے گا بھیا!" وہ جاتے جاتے بولی۔

"آپ ڈسٹرب ہوں گی!" آصف بولے

"نہیں بالکل نہیں!" وہ مسکرا کر پلٹ گئی۔

اپنے کمرے میں آ کر وہ کچھ بے چین سی ہو گئی تھی بھٹکی ہوئی رُوح کی طرح اِدھر اُدھر گھومنے لگی تھی، جانے آصف کی باتوں کا کیا مطلب تھا۔ کچھ سمجھ گئی۔ کچھ نہ سمجھی، سمجھنے والی بات سے دل میں انجانے سے اندیشے اُبھرنے لگے تھے۔

کہیں آصف!... اس کا دل خوف سے دھڑک اُٹھا۔

"نہیں۔ نہیں!" وہ آپ ہی آپ چیخ اُٹھی

اور

پھر وہی ہوا جس کا اُسے خدشہ تھا۔

آصف کے جانے کے بعد عادل بھیا اس کے کمرے میں آئے تھے۔

بیڈ لائٹ کی مدھم مدھم سی روشنی بکھری ہوئی تھی بے حد اُداس سی پھیکی روشنی میں عروج بیڈ پر نیم دراز تھی۔ عادل بھیا کے آنے کی آہٹ سنی تو فوراً اُٹھ بیٹھی، اس کی ریشمی زلفیں اردگرد بکھری ہوئی بڑی پریشان سی لگ رہی تھیں۔ اس نے

انھیں دونوں ہاتھوں سے سمیٹ کر پیچھے کیا۔ چہرے پر تھکن کے آثار تھے۔ اور آنکھوں میں نیند کا ہلکا ہلکا گلابی خمار اُتر رہا تھا۔

مدّتوں کے روکے ہوئے منجمد آنسوؤں کی سُرخیاں کانپ رہی تھیں۔

"تم سونے کی تیاری کر رہی تھیں شاید!" عادل بھیّا اپنے دخل اندازانہ ہونے پر بولے۔

"نہیں تو! یونہی لیٹ گئی تھی!" وہ اداسی سے مسکرائی۔

"میں تم سے اک بات کہنا چاہتا تھا عروج!" وہ اپنی بات کہنے کے لئے الفاظ ڈھونڈنے لگے۔

"جی فرمائیے!"

اس کی حالت ایسے قیدی کی سی ہو گئی جو اپنی منتخب ہونے والی سزا سننے کا منتظر ہو۔

"آصف تم سے شادی کرنا چاہتا ہے!" عادل بھیّا نے رُکتے رُکتے کہا۔

خلافِ توقع عروج نے بڑے اطمینان سے ان کی بات سُنی چند لمحے بڑے ضبط سے خاموش رہی پھر بولی

"تو یہ شرط رکھی ہے انہوں نے آپ کے علاج کی!"

اس نے اپنی تمام تر قوتیں مجتمع کر کے کہا۔ اس کے لہجے میں سرکشی کا انداز بھی تھا۔ بھرپور طنز اور اک ٹھوس سی شکایت بھی تھی۔

"یہ شرط قطعی نہیں ہے عروج!"

"تو پھر کیا ہے وہ آپ کی مجبوری اور میری مجبوری سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں!" وہ دھیمے سے لہجے میں احتجاجاً بولی۔

"تم اُسے غلط سمجھ رہی ہو عروج۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ وہ مجھے اپنے ساتھ محض اس لئے باہر لے جائے کہ تم سے شادی کر سکے۔ نہیں عروج ایسی بات نہیں!"

"تو پھر انہوں نے ایسا کیوں سوچا ہے!"

"یہ بات تو اس نے مجھ سے بہت پہلے کہہ رکھی تھی۔ مجھے اس کے بارے میں سب کچھ معلوم ہے۔ وہ تمہیں ہی اس قابل تصوّر کرتا ہے کہ تم اس کی شریکِ حیات بنو اور اس کی اس خواہش کا اظہار مجھ پر بہت پہلے ہو چکا تھا۔ عروج میں ہی تم سے کہہ نہ سکا تھا مگر اب مجبور ہوں۔ یقین کرو تمہارے بھیّا کا انتخاب غلط نہیں ہے۔ وہ فرشتہ ہے۔ اور پھر یہ خوشی مجھے نہ جانے کتنی مدّتوں بعد مل رہی ہے۔ میں نے ہر مناسب جگہ تمہارے رشتے کی بات کرنے کے لئے قدم اُٹھانا چاہا مگر ہمیشہ مجھے یہی احساس ہوتا رہا کہ میں ہی تمہاری راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہوں۔ مگر آصف کی طرف دیکھو وہ ایسے سطحی ذہن کا مالک نہیں ہے۔ اس نے تمہیں دیکھا ہے تمہارے کردار کو پرکھا ہے۔ تمہاری خوبیوں کو پہچانا ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ مجھ جیسا بھائی ہونے کے باوجود تمہیں اپنا رہا ہے۔ ورنہ اب تک تو تم میری وجہ سے محرومیوں کا شکار رہی ہو۔ اچھی طرح سے سوچ لینا عروج پھر مجھے جواب دینا اتنا خیال ضرور رکھنا کہ کسی کو کچھ دینے کیلئے اپنا بھی کچھ قربان کرنا پڑتا ہے!" عادل بھیّا بڑے ناصحانہ انداز میں یہ سب کچھ اس سے کہہ کر جا چکے تھے۔

اور

عروج جانے کس سوچ میں ڈوب گئی۔ اس کی نگاہوں میں چپکے سے وہ زمانہ لہرا گیا۔

جب

عادل بھیّا کی پروموشن ہوئی تھی۔ وہ کیپٹن سے میجر ہو گئے۔ اس دن وہ بہت خوش تھے اور انھوں نے اسے ناہید سے بھی ملوایا تھا۔ جسے وہ بے پناہ شدت سے چاہتے تھے اور اس سے شادی کے خواہشمند تھے۔ بھولی بھالی اور بے حد پیاری سی ناہید کو دیکھ کر اس کے دل میں شدّت سے یہ خواہش بیدار ہو گئی کہ فوراً ناہید کو اپنی بھابی بنا لے۔

مگر

کچھ خواہشیں پوری ہونے سے پہلے کچل جاتی ہیں۔ بعض آرزوئیں تشنہ بھی تو رہ جاتی ہیں!

ایسا ہی کچھ عادل اور عروج کے ساتھ ہوا تھا۔ ناہید کے گھر والوں نے یہ شرط رکھی تھی کہ عادل کی شادی ناہید سے اسی صورت میں ہو سکے گی جب عروج کی شادی ناہید کے بھائی سے ہو۔ عادل ایسی شادیوں کے قائل نہ تھے۔ وہ راضی ہو بھی جائے مگر ان کی بدقسمتی تھی کہ ناہید کا بھائی اس قابل نہ تھا کہ وہ عروج کی زندگی داؤ پر لگا دیتے۔ اپنی نازک سی بہن کے ساتھ یہ ظلم وہ قطعی برداشت نہ کر سکتے تھے۔ ناہید کا بھائی کسی طرح بھی تو عروج کے قابل نہ تھا نہ شکل و صورت میں اور نہ ہی اخلاق و کردار اور قابلیت میں آوارگی اس کی فطرت تھی۔ پھر عادل کس طرح اندھے کنوئیں میں عروج کو دھکیل دیتے۔ انھیں اپنی اکلوتی اور لاڈلی بہن کی خوشیاں بے حد عزیز تھیں۔ اس لئے ناہید سے شادی سے انکار کر دیا۔ اپنی محبت تج کر اپنے آپ کو اس کی

خوشیوں پر قربان کر دیا تھا۔ اور پھر اس کے بعد ایک ایک کر کے ہر خوشی رخصت ہوتی گئی۔ جنگ میں ان کی ٹانگ ضائع ہو گئی تھی۔ مگر پھر بھی انہوں نے عروج کو کسی غم کا احساس نہ ہونے دیا۔ اسے پھولوں کی طرح رکھا۔ اس کی ہر خوشی کو اپنی خوشیوں پر مقدم رکھا۔ اب ان سب قربانیوں کا بھرم رکھنے کا وقت آ گیا تھا۔ اب اس کی باری تھی۔ اپنی خوشیاں ان کی عزت پر قربان کر دینے کی۔ واقعی کسی کو کچھ دینے کے لئے اپنا بہت کچھ قربان کرنا پڑتا ہے۔

عادل نے پہلے اپنا فرض ادا کر دیا تھا۔ اب اسے اپنے سارے قرض چکانے تھے۔ ایک احساس اس کے رگ و پے میں اترتا گیا کسی سرد سی لہر کی طرح۔ یوں لگتا تھا جیسے رگوں میں خون منجمد ہو گیا ہو۔

"مجھے معذور لوگوں سے نفرت ہے!"

اک تیر سا دل میں اتر گیا۔ اپنے اطراف کیفان کی یہی آواز نفرت سے بھرپور لہجہ اور غصے سے سرخ ہوتا چہرہ گردش کرتا نظر آنے لگا۔

وہ تڑپ کر رہ گئی۔

کس امید پر دل کو سمجھاتی کہ اس کی منزل اس کے سامنے ہے۔ کوئی اظہار نہ تھا۔ کوئی اقرار نہ تھا۔ کیفان کی طرف سے۔ پھر کیسے وہ عادل بھیا کی خواہش کو ٹھکراتی۔

جانے رات کا کونسا پہر تھا۔ وہ دل میں طوفان سا لئے اٹھی۔ اور عادل بھیا کے کمرے تک آ گئی۔ وہ اب تک جاگ رہے تھے۔ کمرے میں ہلکی سی روشنی تھی۔ وہ بیڈ پر تکیے کے سہارے نیم دراز ابو کی تصویر سینے سے لگائے آنکھیں موندے جانے کیا سوچ رہے تھے۔ چہرے پر انجانے سے دکھ رینگ رہے تھے شاید انہیں عروج کے دل کی خبر ہو گئی تھی اور وہ اس کے ساتھ ہونے والی اس زیادتی پر شیان و پریشان تھے۔ دور کھڑی عروج کچھ اندازہ نہ لگا سکی، دبے قدموں سے وہ قریب چلی آئی۔

"بھیا سو گئے کیا؟" اس نے دھیرے سے پکارا۔

"ہوں!" وہ چونک کر اٹھ بیٹھے

"تم ہو عروج۔ اس وقت!"

وہ کچھ پریشان سے ہو گئے۔ شاید بارش کے طوفان سے وہ ڈر گئی تھی۔

"کیا بات ہے عروج۔ ڈر لگ رہا ہے!" انہوں نے اُسے اپنے پاس بٹھالیا۔

"ہاں بھیا بہت ڈر لگ رہا ہے اس طوفان سے کہیں ہمیں لے نہ ڈوبے۔ مجھے کہیں چھپا لیں بھیا!" وہ ان کے سینے سے لگ کر رو پڑی۔

"پگلی!"

وہ سمجھ نہ سکے کہ اس کے اندر جو طوفان ہے وہ اس سے اس کے وجود کو چھین لینا چاہتا تھا اور شاید چھین بھی لیا تھا جب ہی تو وہ سب کچھ ہار کر اور اپنا سب کچھ اس طوفان کے حوالے کر کے ان کے پاس چلی آئی تھی۔

"بھیا آپ نے جس خواہش کا اظہار کیا ہے نا میں اس کی تکمیل کروں گی!"

اس نے اپنا آنسوؤں سے دھلا دھلا چہرہ اوپر اٹھایا۔

"کیا!" وہ چونک سے گئے

"ہاں بھیا آپ جو چاہتے ہیں وہی ہوگا!" وہ اپنے آنسو صاف کرنے لگی۔

"تم نے سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے نا!"

"اس لئے تو ابھی سنانے چلی آئی ہوں کہ آپ کی خوشی کے لئے میں صبح تک انتظار نہیں کر سکتی تھی!"

اس نے بھیگی بھیگی پلکیں جھکا لیں۔

"مجھے تم سے یہی امید تھی عروج تم نے مجھے آصف کے سامنے سرخرو کر دیا ہے!" انہوں نے بڑے پیار سے اس کی پیشانی چوم لی۔ اس کی روئی روئی آنکھیں بے حد حسین لگ رہی تھیں۔ ہلکی ہلکی سرخیاں اس کے دل کا کرب اور روح کے گہرے اضطراب کو واضح کر رہی تھیں۔ مدھم مدھم روشنی اور پر اسرار سا آنچل لے میں اس کا آنسوؤں سے بھیگا چہرہ جس پر اس کی زلفوں کی لٹیں بکھر گئی تھیں۔ عادل کو اتنا معصوم لگا کہ بے اختیار اسے پھر گلے سے لگا لیا۔ اتنی پیاری بہن کے جدا ہونے کے تصور نے انہیں ابھی سے نڈھال کر دیا۔

"خدا کرے عروج تم سدا خوش رہو۔ میرے حصے کے سکھ تمہیں ملیں۔ میری عمر بھی تمہیں لگ جائے۔!" وہ اسے دعائیں دیتے رو سے پڑے۔

"جانے کیوں؟"

عروج بھی نہ سمجھ سکی۔

اس نے خود ہی اپنے دل کو مار لیا تھا جس شے کے

Waqar Azeem Pakistanipoint.Com

ملنے کی امید ہی نہ ہو اسے حاصل کرنے کے لئے محنت رائیگاں جاتی ہے۔ یہی کچھ سوچ کر عروج نے کیفان کی طرف بڑھتے ہوئے اپنے قدموں کو روک لیا تھا۔

کیفان اس کے نصیب میں نہ تھے۔ اور ان کا پیار اس کی تقدیر نہ بن سکتا تھا۔

پھر کیوں وہ اپنی آنکھوں کو انجانے سپنے دیکھنے کی سزا دیتی۔ اس نے تو اپنی نیندوں کو بھی سلا دیا تھا کہ وہ کبھی نیند میں بھی کیفان کے لئے جگی تھی۔ اب خواب نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ اسے ان دنوں کی یاد آتی تھی جب وہ نگاہیں ہر دم اسی کے اردگرد رہتی تھیں۔

کچھ بولتی

کچھ کہتی

مگر

پھر بھی گونگی آنکھیں اور بے زبان اظہار سے معذور جذبے۔

"تم نے کچھ بھی نہ کہا کیفان اور میں کیوں تمہاری گونگی محبتوں کے آگے ہار گئی!"

اس نے چپکے سے اپنے دل کی شکست تسلیم کرلی تھی۔ اور بڑے حوصلے سے اپنے آپ کو حالات کے حوالے کر دیا تھا۔

مگر

وہ ایک بار پھر کمزور پڑنے لگی۔ اس کے حوصلے بکھرنے لگے۔ ارادے متزلزل ہونے لگے۔

نہایت غیر متوقع طور پر کیفان اس شام اس کے گھر آگئے تھے۔ وہ گھر پر تنہا ہی تھی، عادل بھیا آصف کو خوشخبری سنانے گئے تھے۔ عروج کا فیصلہ ان کے حق میں تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ جلد از جلد اس فرض کو بخوبی ادا کر دیں۔ اس لئے خود ہی آصف کے یہاں چلے گئے تھے۔

وہ سرد سے ڈرائنگ روم میں آتش دان میں سلگتی لکڑیوں کو چٹختے ہوئے دیکھ رہی تھی جو لمحے لمحے کے وقفے سے چنگاریاں پیدا کرتی تھیں۔ دھیرے دھیرے سلگتی یہ لکڑیاں چیخ کر اپنے جلنے کا اظہار کر سکتی تھیں۔ چیخ سکتی تھیں اور احتجاج کر سکتی تھیں۔ مگر وہ نہ تو احتجاج کر سکتی تھی اور نہ ہی چیخ سکتی تھی۔ ہاں چپکے چپکے سلگ ضرور رہی تھی۔ وہ خاموش تھی۔ طوفان آکر گزر چکا تھا اور ایک طوفان آنے والا تھا۔ وہی خاموشی، بربادی ویرانی اس کے روپ میں سما گئی تھی۔

"اندر آسکتا ہوں!"

وہ اس پُر وقار سے لہجہ پر چونکی، اس دل سے ٹکراتی مانوس سی آواز پر نگاہیں اُٹھا کر دیکھا ایک لمحے کو وہ ڈگمگا سی گئی۔

کیفان دروازے میں کھڑے تھے۔ چہرے پر بے پناہ سنجیدگی تھی اور نگاہوں میں درد سا پگھل رہا تھا۔ وہ اپنی جگہ پر کانپ سی گئی۔ سردی کی ایک بھرپور لہر اس کی ہڈیوں تک میں سرایت کر گئی۔ وہ کچھ کہے بنا کیفان کو دیکھنے لگی۔

"تم اتنی ناراض ہو کہ مجھے بیٹھنے کو بھی نہیں کہو گی عروج!"

کیفان نے اس کی خاموشی سے اُکتا کر دو قدم آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"اوہ نہیں۔ ایسی تو کوئی بات نہیں آپ تشریف رکھیں!"

وہ کچھ شرمندہ سی ہو گئی۔

"شکریہ!"

کیفان بڑے تکلّف سے بیٹھے۔

"آپ اگر کچھ دیر تنہا بیٹھنے کی زحمت گوارا فرمالیں تو عنایت ہوگی میں ابھی حاضر ہوئی!" عروج معذرت کر کے چلی آئی۔


ناصر زیدی کی شخصیت کے ۵۱ عکس

ڈوبتے چاند کا منظر

مجموعۂ غزل

پہلے سال چھپا دوسرے ایڈیشن کے بعد

نیا مجموعۂ کلام

وصال

بھی شائع ہو گیا ہے

ملنے کا پتہ: ماہنامہ ادب لطیف - ۱۵ سرکلر روڈ لاہور

"خدایا میں کیا کروں!" اس کی ہمتیں جواب دینے لگیں۔ بمشکل وہ کافی بنا کر لائی تو جی چاہا کہ ان کے سامنے ہی نہ جائے کہ دل میں درد پوری شدتوں سے جاگنے لگا تھا۔

"تمہیں تکلیف تو نہیں دینا چاہتا تھا مگر میں بھی بہت مجبور ہو کر تمہارے پاس آیا ہوں!" اس کے ہاتھ سے کافی کا مگ لیتے ہوئے کیفان نے کہا۔ عروج خاموش رہی۔

"تمہاری یہ خاموشی مجھ پر گراں گزر رہی ہے عروج۔ میں جانتا ہوں تم میرے اس دن کے رویے پر خفا ہو۔ میں بہت شرمندہ ہوں عروج!" ان کے لہجے میں دکھ سا تھا۔ اور نہ چاہتے ہوئے بھی عروج کو ان کی بات یاد آگئی جس نے دل میں پھر سوراخ سے کر دیے دل چاہتا تھا کہ اس جان سے زیادہ عزیز محبوب کی ساری خطائیں معاف کر دے جو خود چل کر اس کے پاس شرمندہ شرمندہ سا آیا تھا۔ مگر دوسرے لمحے اس کی انا آڑے آگئی۔ ساری محبتیں جھاگ کی طرح بیٹھنے لگیں۔

"کیسا خود غرض۔ خود پرست اور بے حس ہے یہ خوبصورت شخص۔ جسے صرف تن درست و توانا لوگوں سے محبت ہے۔

"آپ کو معذور لوگوں سے نفرت ہے نا!" اس کے لہجے میں چنگاریاں سی چٹخنے لگیں۔

"عروج!" کیفان اپنی ہی کہی ہوئی بات سن کر کانپ سے گئے۔

"میں بہت شرمندہ ہوں عروج۔ میں نے جذبات میں آکر وہ بات کہہ دی تھی۔ میں یہ اظہار کر کے بہت پچھتایا ہوں۔ اتنے دن تک تمہاری ناراضگی برداشت نہیں کر سکتا تھا اس لئے خود چلا آیا ہوں عروج!"

"مگر آپ کو کس نے مجبور کیا ہے یہاں آنے کے لئے، میرے اور آپ کے درمیان تو ایسا کوئی رشتہ نہیں!"

اس نے ان کے دل پر وار کیا۔ وہ تڑپ سے گئے۔ بے چینی سے پہلو بدل کر رہ گئے۔

"زبان چپ رہے تو نظر بولتی ہے کیا تمہیں اس بات پر یقین نہیں۔ سچے جذبوں کے لئے اظہار کی ضرورت نہیں ہوتی عروج۔ محبت تو اظہار کی محتاج نہیں ہوتی۔ میں تو یہی سمجھتا رہا تھا کہ تم سب کچھ سمجھ چکی ہو۔ مجھے جان چکی ہو۔ اس دن میں تم سے بہت کچھ کہنا چاہتا تھا مگر تم نے مہلت ہی نہ دی!"

"آپ نے کچھ نہ کہتے ہوئے بھی سب کچھ کہہ دیا تھا کیفان صاحب!"

"پھر اب میری بات کیوں نہیں سمجھ رہی ہو عروج۔ میں تمہیں دل و جان کے تمام رشتوں سے چاہتا ہوں اور اسی خلوص سے اپنانا چاہتا ہوں!" کیفان کا یہ سیدھا سادھا سا اظہار محبت اس کے دل میں جانے کیسی کیسی قیامتیں برپا کر گیا لیکن اب وہ سنبھل چکی تھی۔

"مگر شاید آپ میری حقیقت معلوم ہو جانے کے بعد مجھے اپنانے کا تصور بھی نہ کریں گے!"

"خدا کے لئے عروج ایسا نہ کہو!"

وہ تڑپے

"آپ کو یہ جان کر شاید مجھ سے نفرت ہو جائے کہ میں ایک معذور بھائی کی بہن ہوں۔ میرا بھائی اپنا آپ نہیں سنبھال سکتا تو مجھے کیا سہارا دے گا۔ میرے عادل بھائی ایک ٹانگ سے محروم ہیں اور آپ کو تو معذور لوگوں سے نفرت ہے نا!"

اس کے لہجے کی ساری تلخی زہر کے قطروں کی طرح ان کے رگ رگ میں پھیل گئی۔ عروج کے اس انکشاف پر وہ لرز سے گئے ہاتھ سے کافی کا مگ چھوٹتے چھوٹتے بچا۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو عروج!"

"بالکل درست کہہ رہی ہوں۔ میرا خیال ہے ثوبی نے آپ کو نہیں بتایا ہوگا ورنہ آپ یہاں کا رخ نہ کرتے۔ میں نے ہی اسے منع کر رکھا ہے کہ کسی کو نہ بتائے عامر بھائی کو بھی نہیں معلوم۔ مجھے اپنی مجبوریوں اور محرومیوں کے اظہار اور لوگوں کی ہمدردی سے نفرت ہے اور اگر آپ کو یہ بات معلوم ہوتی تو شاید آپ مجھ سے اظہار محبت نہ کرتے۔ مجھے اپنانے کا خیال دل میں نہ لاتے۔ صرف ہمدردی کے دو لفظ ادا کر کے اپنا فرض پورا کر دیتے

اور مجھے

کسی کی بھی ہمدردی اچھی نہیں لگتی!" جانے اس نازک سی لڑکی میں اتنی ہمت کہاں سے آگئی تھی وہ بس کہیں بتانا چاہتا تھا۔ اپنی کوئی بات اپنا ماضی تم سے چھپانا نہیں چاہتا تھا عروج۔ تم سے پہلے اک لڑکی میری زندگی میں آئی تھی۔ مجھے اس سے محبت قطعی نہ تھی ہاں ہمدردی ضرور تھی۔ وہ ہماری کزن تھی۔ اور نابینا تھی خاندان کا کوئی لڑکا اسے اپنانے کو تیار نہ تھا۔ امی ابو چاہتے تھے کہ میں اسے اپنا کر نیک کام کر جاؤں۔ چنانچہ میں نے امی ابو کی خواہش کا احترام کیا۔ اس لڑکی کا اس دنیا میں ہمارے سوا کوئی نہ تھا۔ میں نے انسانیت کے ناتے اس سے منگنی کی اور اسے آنکھوں کے علاج کے لئے باہر لے گیا۔ مگر ایسی مشکل صادق آئی۔ نیکی کر دریا میں ڈال، اس کی آنکھوں کا علاج ایک خوبصورت۔ دولتمند انگریز ڈاکٹر نے کیا تھا جب اس کی آنکھوں کا کامیاب آپریشن ہوا تو اس نے سب سے پہلے اسی ڈاکٹر کو دیکھا۔ اپنے مسیحا کو وہ سب کچھ سمجھ بیٹھی۔ محسن کو فراموش کر دیا۔ اور

پھر ایک دن اس نے مجھے منگنی کی انگوٹھی واپس کرتے ہوئے اس انگریز ڈاکٹر سے شادی رچالی۔ جو مجھ سے کہیں زیادہ خوبصورت اور دولتمند تھا۔ وہ ساری زندگی اندھیروں میں بھٹکی تھی نا اس لئے وہاں کی روشنیاں دیکھ کر اپنی دُنیا گم ہوگئی۔ میں دل پر بوجھ سا لئے چلا آیا۔ ابو کو اس حقیقت کا علم ہوا تو وہ صدمے سے جان دے بیٹھے۔ انہوں نے بیٹی کی طرح اسے پالا تھا اور اس نے یہ صلہ دیا تھا۔ اُمّی بیمار پڑ گئیں۔ اور میرے دل میں بھی گرہیں سی پڑ گئیں۔ اب جب بھی کسی معذور شخص کو دیکھتا ہوں تو وہ یاد آجاتی ہے۔ اپنے ساتھ اتنا تلخ تجربہ ہوا تھا جب ہی تو ایسا کرنے پر مجبور تھا۔ اس دن مجھے اس نابینا فنکار کو دیکھ کر وہ یاد آگئی تھی اس لئے اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا تھا!"

"آپ کی سوچ کا انداز کسی حد تک غلط بھی ہے ضروری تو نہیں کہ سب ایک جیسے ہوں!"

"ہاں عروج! میں اپنی یہ غلطی تسلیم کرتا ہوں۔ مجھے ایسا نہیں سوچنا چاہئے۔ میری اس غلطی پر مجھے معاف کردو عروج!" کیفان کی پُرنم آنکھوں میں پُردرد سی التجا تھی۔ اور لہجے میں بیچارگی۔

اس کا محبوب

جو اسے جان سے زیادہ عزیز تھا یوں اس کے سامنے سراپا التجا بن گیا تھا۔ اس کا دل بھرنے لگا۔

پلکوں پر سرد سا لہو جمنے لگا۔

اپنے اس محبوب کو منالے

یا

اپنی انا کو سنبھالے

اس کے فیصلے ریشم کی طرح اُلجھنے لگے۔ دل تو چاہتا تھا کہ بڑھ کر اس محبت کے گلے لگ کر رُو پڑے۔ جس کی آرزو میں وہ بہت تڑپی تھی۔ جس کا وصل اس نے سپنوں میں تلاش کیا تھا

مگر اب تک ناکام رہی تھی۔ لیکن اب اچانک اور بالکل غیر متوقع طور پر کیفان اپنی ساری محبتیں اس پر نچھاور کرنے چلے آئے تھے تو کیا وہ اب بھی پیاسی رہے! منزل سامنے تھی تو کیا اب بھی وہ سہاروں کی تلاش میں لڑکھڑاتی۔

وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ آگے بڑھی۔ کیفان کی محبت ہاتھ پھیلائے کھڑی تھی۔ اور وہ ان بازوؤں میں سمٹ کر چین پالینا چاہتی تھی۔

لیکن

وہ لڑکھڑا سی گئی۔

ٹھوکر لگی تھی یا پاؤں پھسلا تھا۔ کوئی احساس ضرور تیر کی طرح دل میں جا لگا تھا۔ اس کے قدموں میں زنجیریں سی پڑ گئیں۔ وہ نڈھال ہونے لگی۔

بھیا کا مان توڑ دو گی کیا!

وہ تو آصف کو تمہارا پیغام دینے گئے ہیں! انہیں خوشی دے کر موت سے ہمکنار کردو گی!

جانے کیسے کیسے چہرے اور سوال اس کے ارد گرد منڈلانے لگے۔

عروج میں تمہارا منتظر ہوں! خواب آلود سا چہرہ جگمگایا۔ اک مدھم سی آواز اُس کے آس پاس گونجی۔

کیفان! وہ جیسے خواب میں بڑبڑائی۔ وہ گر رہی تھی۔ نڈھال ہو رہی تھی۔ کیفان اس کی پکار پر تڑپ کر آگے بڑھے۔

"عروج!" انہوں نے اس کے کمزور سے ڈولتے وجود کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔ وہ بھی تھک سی گئی تھی۔ ان کے شانے پر سر رکھ کر وہ بے چین سی ہوگئی۔ چند لمحے کے لئے منزل ملی تھی تو کیوں نہ سُستا لیتی۔


دنیا بھر میں

پاکستانی اخبارات، رسائل وجرائد
درسی کتابیں اور ہر قسم
کی کتابیں منگوانے کے لئے
رابطہ قائم کیجئے

شاہدہ ٹریڈرز

۵۰-جے بلاک ۶
پی-ای-سی-ایچ ایس
کراچی


Waqar Azeem
pakistanipoint.com

"کیفان!" دوسرے لمحے وہ تڑپ کر ان سے علیحدہ ہو گئی۔

"ایسی کونسی مجبوریاں تمہیں روک رہی ہیں عروج!" کیفان کی نگاہوں کے سارے جذبے بولنے لگے تھے۔

"آپ اسے بیوفائی سمجھیں یا مجبوری مگر یہ حقیقت ہے کہ میں آپ کا ساتھ نہیں دے سکتی!"

"مگر کیوں عروج!"

کیفان تڑپے۔ اس کے صحیح الدماغ ہونے پر شک ہونے لگا

"آپ کو مجھ سے محبت ہے!" بڑے عجیب سے لہجے میں اس نے پوچھا۔

"محبت عقیدت۔ پرستش۔ زندگی۔ سب کچھ تم ہو عروج۔ میرا سب کچھ تم ہو!" انہوں نے بیقرار ہوتے ہوئے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا

"اُف! ایک ہوک سی دل میں اُٹھی۔ یہ سب کچھ سننے کے لئے محبتوں کے اظہار کے لئے اس کی رُوح ترس رہی تھی۔

مگر

اب سب کچھ مل رہا تھا۔ بچھڑا ہو رہا تھا تو اس کا دامن سمٹ گیا تھا یا ان محبتوں کا متحمل نہ تھا۔ خدا نے اسے محبت بھی ترسا ترسا کر دی۔

"خدا اپنے عزیز بندوں کا امتحان لیتا ہے۔ انھیں آزمائش میں ڈالتا ہے۔ نعوذ باللہ میں خدائی کا دعویٰ نہیں کرتی مگر آپ کی تھوڑی سی آزمائش چاہتی ہوں!"

"تم کیا چاہتی ہو عروج۔ میں تمہاری ہر بات ماننے کے لئے تیار ہوں!"

"تو پھر میری محبتوں کو چُپ چاپ دامن میں سمیٹ کر چلے جائیں!"

"عروج!" وہ بے چینی سے اُسے دیکھتے رہ گئے۔ کیوں پیاسا مار دینا چاہتی تھی وہ۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں کیفان اسے کوئی خواب یا میرا مذاق مت سمجھئے گا۔ اگر آپ کو مجھ سے سچی محبت ہے تو یقیناً آپ میری بات تسلیم کر لیں گے!"

"تو تم میری محبت کا امتحان لینا چاہتی ہو!"

"یہی سمجھ لیجئے!"

"عروج کیا تم یہ چاہتی ہو!"

"بالکل!" اس کا فیصلہ اٹل تھا۔

"کتنے عرصے کا بن باس کاٹوں۔ کب تک میری محبتوں کی آزمائش چاہو گی!" وہ ٹوٹتے ہوئے لہجے میں بولے

"جب تک خدا نے چاہا۔ اگر آپ کی محبت سچی ہے تو مجھے یقین ہے ہم زندگی کے کسی مقام پر ضرور ملیں گے اور یہ میرا وعدہ ہے کہ اس وقت میں ہر رکاوٹ ہٹا کر۔ ہر بندش توڑ کر آپ کے پاس آجاؤں گی بشرطیکہ آپ وعدہ نبھائیں!"

"تم میرے وعدوں میں کبھی کھوٹ نہ پاؤ گی۔ میرے ارادوں کو کبھی متزلزل محسوس نہ کرو گی۔ اگر تمہاری محبت کی بنیاد یہی شرط ہے تو مجھے یہ قبول ہے۔ میں جا رہا ہوں عروج اور ایک دن واپس پلٹ کر ثابت کر دوں گا کہ میرا عشق زندہ ہے۔ اس وقت مجھ پر اعتبار کر لینا!"

انہوں نے جلتی ہوئی سگریٹ ایش ٹرے میں مسلی اور تیزی سے باہر چلے گئے۔

طوفان گزر گیا۔ خاموشی چھا گئی۔ سکوت بولنے لگا۔ اور عروج شکستہ شکستہ سی دل میں اُٹھتے درد کو سنبھالتی کھڑکی سے پلٹ آئی۔ کیفان جا چکے تھے۔ ہمیشہ کے لئے۔ یا پھر واپس آنے کے لئے۔

عروج کوئی فیصلہ نہ کر سکی۔ اپنی زندگی کی باگ ڈور تو اس نے بھیا کی التجا پر آصف کے ہاتھ میں دے دی تھی۔ اور اب تو کوئی آس۔ کوئی اُمید نہ تھی محبتوں کے وصل کی۔ اسی لئے تو اس نے کیفان کو خالی ہاتھ لوٹا دیا تھا۔

"وہ زندگی بھر ان کا سامنا نہ کرے گی!۔ اپنی محبتوں کو دفن کر اس نے فیصلہ کر لیا

یہ آزمائش زندگی بھر جاری رہے گی۔ اور مر کر ثبوت لے گا کہ جذبے سچے اور پُرخلوص تھے یا نہیں۔

وہ پلٹ آئی۔

دل ایک بار پھر دھڑکا۔ جذبات پھر مچلے۔ کیفان کی یاد اک ٹیس کی طرح دل میں اُبھری۔ وہ اپنی ایک نشانی چھوڑ گئے تھے جان بوجھ کر یا بھول کر۔ خوبصورت ڈائری سینٹر ٹیبل پر کیفان کی یاد بن کر پڑی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے کانپتے ہاتھوں سے وہ ڈائری اُٹھا کر کھولی۔ کیفان کی خوبصورت رنگین تصویر مسکرا رہی تھی۔ اندر بیتابانہ اپنی محبتوں کا اظہار تھا۔

وہ تڑپ سی گئی۔

"یہ کیسی محبت تھی جس کا استقبال جدائیوں نے کیا۔ یہ کیسا وصل تھا جس کی ابتدا تشنگیوں سے ہوئی اب محبت ملی تو کیا فائدہ۔ جب وہ تڑپ رہی تھی۔ ترس رہی تھی تو خدا کو رحم نہ آیا تھا

اور اب اس پر کیفان کی چاہتوں کے راز کھل گئے تھے اب وہ اس قابل نہ رہی تھی کہ اس محبت کو سمیٹ سکتی۔ واقعی خدا بہت بے نیاز ہے۔ جسے چاہتا ہے نوازتا ہے۔ جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔ عروج کو کیفان کی محبت نوازی بھی نہیں۔ ایک جھلک دکھا کر لوٹ لی۔

"خدایا میرا حافظہ مجھ سے چھین لے!" ڈائری کو سینے سے بھینچے وہ بڑی شدتوں سے رو پڑی۔

اور پھر اس کا حافظہ جیسے اس سے چھن ہی گیا۔ بڑی خاموشی سے اس نے اپنے ماضی کو دفن کر دیا کیفان کی ڈائری کو اسی جگہ چھپا دیا کہ اس کی اپنی نظر نہ ڈھونڈ سکتی تھی۔ اس کو اپنے آپ سے کیا ہوا وعدہ نبھانا تھا کہ اب وہ زندگی بھر ان کا سامنا نہ کرے گی۔ اس لئے وہ ڈائری واپس کرنے نہ گئی۔ اگر اس کی محبتیں پاؤں کی زنجیر بن جاتیں تو ——

تو شاید اس کی اتنی بڑی قربانی رائیگاں جاتی۔ عادل بھیا کو خوشی دینے کے لئے اپنی محبت قربان کر کے وہ سرخرو ہو گئی تھی۔

"محبت کی معراج وصل نہیں!"

لوگ محبت کئے بغیر بھی زندہ رہتے ہیں۔

اس نے اپنے دل کو سمجھا کر اپنی گمشدہ و خوابیدہ محبتوں کو دفن کر دیا تھا۔

پھر زندگی کے ہر لمحے میں اس نے گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ ساتھ کیفان کا انتظار کیا۔ انہیں یاد کیا۔ انہیں پکارا۔ مگر وہ نہ آئے۔

اپنا وعدہ نبھا رہے تھے۔ آزمائش پوری کر رہے تھے۔

اور محبتوں کی سچائی کا ثبوت دے رہے تھے۔ اپنے زندہ عشق کے ساتھ جو عروج تک واپس پلٹتا تھا۔ زندگی کے بہت سارے دن چپکے سے گزر گئے۔ اس عرصے میں وقت نے اسے خوشیوں سے بھی آشنا کیا اور دکھوں میں مزید اضافہ بھی کیا۔ آصف نے اپنا وعدہ پورا کر دیا تھا۔ عادل بھیا کو اپنے ساتھ باہر لے گئے تھے۔ اتنا عرصہ وہ آصف کی بہن کے ساتھ رہی تھی۔ اب عادل بھیا ٹھیک ہو کر خود چلتے ہوئے اس کے پاس آئے تھے تو اس کی آنکھوں میں مارے تشکر کے آنسو آ گئے تھے۔ مصنوعی ٹانگ لگنے سے محرومی اور معذوری کا تکلیف دہ احساس بہت حد تک کم ہو گیا تھا۔ وہ دن اس کی زندگی کا یادگار دن تھا۔

اس دن کی یاد اک ہوک بن کر دل میں چبھ گئی۔

تقدیر اس سے خوشیاں چھین لینے کے درپے تھی۔ عادل بھیا کی شادی کا ارمان اس نے خوب اچھی طرح نکالا۔ اپنی پیاری سی بھابی کو پا کر وہ بہت خوش تھی۔ مگر یہ خوشی اسے مہنگی پڑی تھی شادی کے ایک سال بعد ہی ایک اندوہناک حادثے نے اسے اس کے بھیا اور بھابی سے محروم کر دیا تھا۔ وہ ثوبی کے گلے لگ کر بہت روئی تھی۔ محبوب سے بچھڑنے کا غم کیا کم تھا کہ تقدیر نے آخری سہارا بھی چھین لیا۔ اس دن روتے روتے اس نے ثوبی کو ہر بات بتا دی تھی کہ کیوں اس نے کیفان کو خالی دامن لوٹایا تھا۔ صرف بھیا کی خاطر، اب نہ وہ شاخ ہی باقی رہی تھی اور نہ ہی آشیانہ۔

وہ ایک بار پھر تنہا ہو گئی۔ رشتوں کا کوئی ہجوم اس کے آس پاس نہ تھا اس کا غم بانٹنے والا کوئی نہ تھا۔ اسے تسلی دینے والا کوئی نہ تھا — آصف بھی نہ تھے

وہ اپنے دکھ کسے دیتی کس کے سامنے جا کر زخم چاک کرتی۔ کوئی دیکھتا اس دل کی ویرانی اور روح کے سناٹوں میں چیختے ہوئے زخم۔

ننھی گوشی کو سینے سے لگائے چپکے چپکے رستے زخموں کو سمیٹتی رہتی۔ اک گوشی ہی تو اس کا واحد سہارا تھی ورنہ وہ تو کبھی کی مر گئی ہوتی۔ یادوں کے ہجوم میں اس کا دم گھٹنے لگتا تھا یادوں اور دل پر کسی کو اختیار نہیں ہوتا۔ اس لئے دل تڑپتا رہتا تھا اور یادیں ایک ایک کر کے چلی آتی تھیں۔

اور

ایسے میں ایک بھرپور یاد اس وقت اس کے دل میں کروٹ لے کر بیدار ہو گئی

جب

کیفان چلے آئے

"کیفان!" دور تک بازگشت پھیلتی چلی گئی اس کی صداؤں کی۔

وہ اسے بہت بلند۔ اور عظیم نظر آئے۔ اپنی اسی نکھری نکھری شخصیت کے ساتھ وہ اس کے سامنے کھڑے تھے۔ ان کے روپ میں اک رعب سا تھا۔ اور آنکھوں میں فاتحانہ سی چمک۔ جیسے کہہ رہے ہوں۔

"دیکھ لو عروج۔ میں نے اپنی محبتوں کی سچائی کا ثبوت دے دیا ہے۔ ہماری محبتیں بے داغ ہیں۔ عشق زندہ ہے اسی لئے تو وقت ایک بار پھر تمہارے در پر لے آیا ہے۔ آؤ عروج اب ہم ایک ہو جائیں۔ اب کوئی دیوار باقی نہیں ہے۔ آؤ عروج میں کب

سے تمہارا منتظر ہوں۔ آج مجھے مایوس و خالی ہاتھ مت لوٹانا۔ آج مجھے پیاسا نہ رکھنا!"

کیفان کی نگاہیں بول رہی تھیں۔ اور عروج کی رُوح اپنے وعدے کی زنجیروں میں لپٹی پھڑپھڑانے لگی۔ اب کوئی رکاوٹ نہ تھی۔

گوشی

ان کے راستے کی دیوار بن گئی۔

کیفان کی نگاہوں میں درد گھلنے لگا اور قطرہ قطرہ لہجے سے ٹپک گیا۔

"مجھے تو تم نے آزمائش میں ڈالا ہوا تھا عروج۔ یہ تمہارا وعدہ تھا کہ میرا عشق سچا ہوا تو تم اک نہ اک دن مجھے ضرور مل جاؤ گی مگر یہ کیسا ملن ہے کہ تم مجھ سے اور دُور ہو گئی ہو۔ تم نے سب پر ظلم کیا ہے عروج۔ خود پر۔ مجھ پر۔ اپنے شوہر اور اپنی اولاد پر۔ اب شاید میں نہ آسکوں۔ میں تو تمہارے وعدے کی لاج نبھانے آیا تھا عروج۔ مگر تم نے تو اپنا ہی وعدہ بھلا دیا ہے پھر مجھ سے کیا اُمید رکھ سکتی ہو!" کیفان اسے ایک بار پھر فرقتوں کا دَرد دے کر چلے گئے تھے۔ یہ بازگشت اس کی رُوح اور دل سے لپٹ گئی تھی۔

"کیفان!" مدتوں بعد پھر ان کی ڈائری اور تصویر سینے سے لگا کر وہ رو پڑی۔

"آج تو مجھے کچھ کہہ لینے دیتے کیفان۔!"

باہر طوفان بڑی شدت اختیار کر گیا تھا۔ کھڑکیاں کھل گئی تھیں اور پٹ زور زور سے بج رہے تھے۔ اک خوفناک سا شور تھا ایسے میں گوشی ڈر کر چیخ پڑی۔

"امی۔ امی!"

وہ لپک کر اس کے قریب آئی۔ اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

"بیٹے میں آپ کے پاس ہوں۔ ڈریں مت!"

اُسے اپنے بازوؤں میں بھینچ کر وہ پیار کرنے لگی۔ ہاتھ میں کیفان کی تصویر تھی جسے وہ نگاہوں سے پیار کر رہی تھی۔

"امی کوئی آرہا ہے!" گوشی ڈرتے ڈرتے بولی۔

"نہیں بیٹے باہر کوئی نہیں ہے!"

"امی ہے کوئی وہ دیکھیں نا!" گوشی نے خوفزدہ لہجے میں اس کی توجہ دروازے کی جانب دلائی۔ دروازہ کھلا تھا اور کوریڈور میں کسی کا سایہ کانپ رہا تھا۔ ایک لمحے کو وہ بھی ڈر گئی۔

اور پھر

اسے اپنی نگاہوں پر اعتبار نہ آیا۔

"کیفان!" اس کے آہ کرنے والوں ہونٹوں سے یہ نام مچل کر فضاؤں میں گم ہو گیا۔ وہ بارش میں بھیگے ہوئے تھے۔ اتنی طوفانی بارش میں بھیگے ہوئے تھے۔ اتنی طوفانی بارش اور اندھیری رات میں لوٹ کیسے آئے۔ وہ تو کبھی نہ آنے کے لئے چلے گئے تھے۔

"آپ ——"

"ہاں عروج میں آگیا ہوں۔ ثوبی نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے تم نے مجھے پہلے کیوں نہ بتایا کہ تم نے آصف سے شادی کی ہی نہیں۔ وہ خود ہمارے راستے سے ہٹ گئے تھے اور گوشی تمہارے عادل بھیا کی بیٹی ہے۔ اتنی بڑی حقیقت تم نے مجھ سے کیوں چھپائی!"

وہ اس کے قریب آگئے۔

"آپ محبت کے اتنے بڑے وعید دار بنتے ہیں۔ یہ اندازہ نہ لگا سکے۔ مجھ پر ایسا ہی اعتماد تھا کہ میں بیوفا نکلوں گی!" اس کی آنکھیں پھر جھلملانے لگیں۔

"نہیں عروج تم بے وفا نہیں ہو۔ تم نے تو آج بھی میری تصویر کو سینے سے لگا کر رکھا ہوا ہے۔ یہ تمہاری محبت کی انتہا ہے۔ مجھے معاف کر دو عروج میں نے تمہیں کتنا غلط سمجھا تھا!" کیفان ایک عرصے بعد پھر سراپا التجا بن گئے تھے۔ عروج کی آنکھوں میں دُکھ آنسو بن کر تیرنے لگے۔

"عروج!" کیفان نے اس کا آنسوؤں بھرا چہرہ تھام لیا۔

"تمہارا گنہگار ہوں معاف کر دو!" ان کی آواز رندھنے لگی۔

"کیفان!" اول کے سارے درد آج وہ بہا دینا چاہتی تھی۔ پھر اتنی محبت سے کیفان نے پکارا تو وہ بے اختیار ہو کر ان کی پھیلی بانہوں میں سمٹ گئی۔

"آج ہم تجدید وفا کریں گے عروج۔ ہماری ساری آزمائشیں ختم ہو گئی ہیں۔ ہمارا عشق سچا تھا نا۔!" کیفان نے دھیرے سے اس کی مہکتی زلفوں پر اپنے لب رکھ دیئے۔

"امی!" گوشی کی آواز پر دونوں چونکے۔

"امی۔ یہ وہی تصویر والے انکل ہیں نا جنہیں آپ روز دیکھتی ہیں!"

گوشی نے کیفان کی اسی خوبصورت تصویر ہاتھ میں تھام رکھی تھی۔

"ہاں بیٹے یہ کیفان اور عروج ایک ساتھ بولے۔ مگر عروج کی محبت کی وہ معصوم گواہ بن گئی تھی۔

→

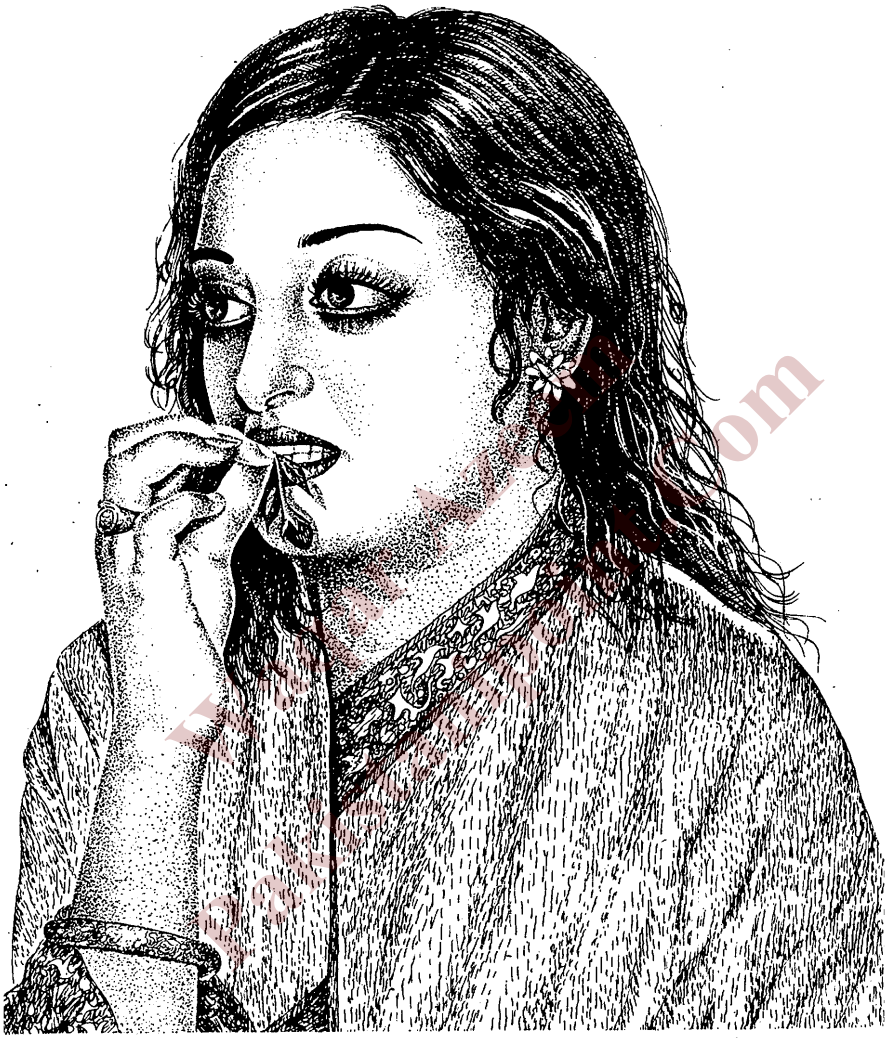

# اک خواب لرزاں سا

شاہین ملک

# مسٹر

میں کوئی جیب نہیں آپ مجھے غلط سمجھے "

اُزینہ کا تصوراتی محل بھی چکنا چور ہوا تھا اس کی گولڈن آئی شیڈو سے سجی سنہری بڑی بڑی آنکھوں میں اب بھی کہیں نچلی تہہ میں تھوڑا سا غرور۔ تھوڑی سی تمکنت باقی تھی اور اگلے ہی لمحے جب اس نے مڑنے کے لئے قدم اُٹھائے تو ایک اَن جانی سی خواہش دِل میں اُبھری کہ وہ اپنی بات کا کچھ ردِ عمل تو دیکھے مگر وہ خود پر جبر کرتے ہوئے ہٹ گئی تھی دُکھ شاید اس کو بھی ہوا تھا پر جانے کیوں وہ اس سے نظر نہ ملا سکی تھی اپنی بات کا ردِ عمل دیکھنے کے لئے بھی نہیں اور اب جب کہ وہ اپنی کرسی پر آ چکی تھی کچھ سوچ رہی تھی مگر ذہن اب بھی شہنشاہ کی بات میں اُلجھا ہوا تھا۔

" آج کا پروگرام کامیابی سے نہیں چل سکے گا۔ وہ خود کو سمجھانے میں بُری طرح ناکام ہو رہی تھی پھر اُس سے زیادہ دیر بیٹھا بھی نہ گیا باتیں بڑھتی جا رہی تھیں کچی شستہ انگریزی کے جملوں میں دلیلیں دی جا رہی تھیں۔ کئی ہاتھ بڑھ رہے تھے مگر وہ سمٹ سمٹا کے گھر چلی۔ خالہ امی کے کمرے کی روشنی ابھی جل رہی تھی ننھے شرجیل کے رونے کی بھی آواز آ رہی تھی وہ گھبرا گئی اور یہ آواز اُسے اپنے ساتھ گھسیٹتی ہوئی کمرے تک لے گئی۔

" تم آگئیں اُزینہ "

خالہ امی کو اس کے جلد آنے پر حیرت تھی۔

" ہاں خالہ امی... اِسے کیا ہوا ہے؟"

ننھا شرجیل اب بھی رو رہا تھا تب اس کا بھی جی چاہا اس کی آواز میں اپنی آواز شامل کر دے۔ پتہ نہیں خالہ امی نے اس کی بات کا کیا جواب دیا تھا۔ اُس کے رونے کی کیا وجہ بتائی تھی اُسے تو بس یوں لگا ننھے کے ساتھ ساتھ اس کے کمرے کی ہر چیز رو رہی ہو۔ بالکل جیتے جاگتے انسانوں کی طرح اچانک اُس کی نظر گھڑی پر پڑی " شہنشاہ۔ تم..." ہلکی سی چیخ تھی جو اس نے اپنے اندر قید کر لی تھی۔

" خالہ امی کیا بجا ہے "

اس میں ہمت نہ ہوئی کہ وہ خود وقت دیکھ سکتی۔

" پونے گیارہ "

" لاؤ مجھے دیدو "

شرجیل چپ ہو چکا تھا۔ اس نے شرجیل کو خالہ امی کے ہاتھ میں دیدیا۔ اور بغیر کچھ کہے چل دی۔

میں نے پچھلے دو برسوں میں کبھی ماضی کی راکھ نہیں کُریدی پر یہ آج ہر طرف تم ہی تم کیوں نظر آنے لگے ہو۔

وہ بہت دُکھی ہو رہی تھی۔

اس نے سوچا تھا کہ وہ زندگی بھر ساتھ نبھانے کا عہد کر کے مقدس رشتوں کے نازک بندھن باندھے سدا اُس کے ساتھ چلتا ہی رہے گا۔ وہ نہ صرف اُس کا تصوراتی صنم تھا بلکہ حقیقی دنیا میں بھی اس کا بہت کچھ بلکہ سب کچھ تھا خوبصورت باتیں خوبصورت آواز میں کرنے والا وہ جس کی آنکھوں میں چمک اُزینہ کے نام سے آتی تھی اور جسے بن دیکھے وہ کمبلایا کمبلایا پھرتا تھا۔ سارے میں اسی کو ڈھونڈتا تھا۔ کوئی شریر مسکراہٹ کوئی غم زدہ حسن، کوئی غزالی آنکھیں اُزینہ کی دلکشی کم نہ کر سکی تھیں۔ وہ دن تھے کوئی جنہیں آج بھی یاد کر کے وہ بے ساختہ مسکرا دی تھی اور تب خواب کی سی حالت لئے ہوئے ایک زندہ اور جیتی جاگتی حقیقت اپنی تمام تر تلخیاں سمیٹے سامنے آ گئی۔ دسمبر کی ایک خوشگوار شام تھی اس کا موڈ بھی بہت اچھا تھا یونہی بات بے بات مسکرانے کو جی چاہ رہا تھا۔ اس کی برسوں کی شدید آرزو مسٹر ٹو کلر کی مزدا کی صورت میں پوری ہو چکی تھی۔ مما پاپا کی لاڈلی آج ہواؤں میں اڑی جا رہی تھی۔

" ذرا بچ کے !

سامنے سے آنے والے نے چشمہ اتار کے بے ساختہ کہا تو وہ بھی جھینپے بنا نہ رہ سکی۔

" اوہ معاف کیجئے گا۔ "

اس نے بڑی معصومیت سے معذرت کی۔

" معاف کیا "

وہ خاصی بے رُخی سے بولا۔

" مگر جناب ملنا کس سے ہے آپ کو۔ "

اُس عجیب و غریب شخص نے اس پوری کی پوری اُزینہ کا معائنہ کر ڈالا بالکل غیر شاعرانہ انداز سے۔

" جی "

وہ پھر گویا ہوئی۔

" مسٹر اور مسز فرقان ہوتے ہیں یہاں؟ "

" جی ہیں "

اُسے بھی کرید لگی ہوئی تھی۔

" پھر یہ کہ شرف ملاقات بخش دیجئے "

آنے والے نے بے حد ناگواری سے کہا تھا۔

" آیئے "

وہ اُسے ساتھ لئے ہوئے ڈرائنگ روم تک لے آئی اور پھر نہایت مودبانہ انداز میں بیٹھنے کی پیشکش کر ڈالی۔ مگر آنے والے صاحب پر اس کے اس اخلاقی مظاہرے کا کوئی خاص اثر نہ ہوا تھا۔



Waqar Azeem Pakistanipoint.com

"ممی ایک نہایت بدتمیز شخص وارد ہوا ہے آپ سے اور ڈیڈی سے ملنے آیا ہے۔"

اُس نے بھی چڑ کر قدرے اُونچی آواز میں کہا۔

"کون ہے؟"

"کوئی شہنشاہ یا نواب قسم کا آدمی لگتا ہے ویسے وہ جو کوئی بھی ہے میں نے اپنی زندگی میں ایسی چیز نہیں دیکھی۔"

وقت کچھ آگے بڑھا تب اُس شہنشاہ اور نواب قسم کی چیز کو اپنے گھر میں بیٹھا دیکھ کر وہ کھول ہی جاتی۔

"بھئی ویسے کیسے نہ آیا کرے تمہارے ڈیڈی کا نیا بزنس پارٹنر ہے۔"

"اوہ"

اس ایک لفظ میں اس کا سارا دُکھ سمو گیا تھا۔

"لو چائے لے جاؤ۔"

ممی کے اِس فقرے نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔

"جی اچھا۔"

اُس نے کونین کی گولی نگل کر فرمانبرداری کی انتہا کر دی۔ زرد بھاری پردے ہٹا کے وہ اندر داخل ہوئی تو کوئی بھی نہیں چونکا کیسی غیر انسانی بات ہو گئی تھی۔

رسمی مراحل سے گزر کر وہ چائے بنانے لگی۔

"اُزینہ کو تم نے ٹی وی پروگرام میں دیکھا ہو گا۔"

خدا جانے اِس احمق کے سامنے ڈیڈی اس کی اہمیت کیوں بتا رہے تھے ایک دم سے اُسے غصّہ آ گیا۔

"جی... جی نہیں معاف کیجئے گا میں ٹی وی نہیں دیکھتا میرا مطلب ہے فرصت ہی نہیں ملتی۔"

"اچھا... اچھا بھئی میں بھی زیادہ دلچسپی نہیں رکھتا۔ بس اُزینہ کا پروگرام مِس نہیں کرتا۔ تم تو جانتے ہو یہ میری اکلوتی بیٹی ہے۔"

اُس نے شکر کی مقدار جاننی تو باتوں کا سلسلہ منقطع ہو گیا اِس سے بڑی ایک فنکار کی کیا بے عزتی ہو سکتی ہے اسی کے سامنے اس کے فن کا کوئی معترف نہ ہو۔ جانے کیوں اِس سے اس نے خود کو بہت قابلِ رحم چیز سمجھا۔ اپنے کمرے میں آ کے وہ اپنے بارے میں سوچنے لگی جانے کیوں لوگ خوبصورت لباس میں سج سجا کے خود کو کسی اور ہی دنیا کی مخلوق سمجھنے لگتے ہیں جو اپنے سامنے والے کو درخورِ اعتنا ہی نہیں سمجھتے اور پھر یہ شخص تو بڑا ہی غیر مہذب ہے اور جب شام ڈھلے وہ واپس جا رہا تھا۔ تو وہ لان میں چہل قدمی کر رہی تھی تب جانے کیسے تمام غیر مہذبانہ حرکات بالائے طاق رکھ کے وہ اُسے دیکھ کے مسکرا دیا تھا۔

"یہ ابھی کیا ہوا تھا کیا یہ وہی بدتمیز شخص تھا تو گویا وہ مسکراتا بھی ہے لیکن اگلے ہی لمحے دل اس کی نفرت سے پھر بھر گیا تھا۔

"تو تم نے بہت کچھ جج کر لیا ہے۔"

پھر اُسے خود پر بے اندازہ غصّہ آ گیا کیوں وہ چہل قدمی کر کے گویا اپنی ذہنی پریشانی کا اظہار کر رہی تھی دو پل ٹک کے نہیں بیٹھا جا سکتا تھا کمرے ہی میں۔

"ویسے آپ بتائیں کون سے پروگرام میں آتی ہیں۔"

"واہ صاحب بڑا احسان کریں گے مجھ پر مجھ ہی کو دیکھ کے وہ اندر ہی اندر کھول رہ گئی اس کے باوجود وہ اس سے یہ سب نہ کہہ سکی۔

"جی اب تو کنٹریکٹ ہی ختم ہو گیا۔"

"اوہ... پھر اب کیا کر رہی ہیں۔"

"آج کل ایک اسٹیج ڈرامہ ہو رہا ہے۔"

صاحب پورا انٹرویو ہی لینے پر اُترے ہوئے ہیں۔

"ویسے شادی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

ایک دم ہی شادی جیسے رومان پرور موضوع پر آ گئے صاحب بڑی تیز رفتاری ہے وہ صاف گوئی سے سوچ گئی۔

اُس نے بغیر متاثر ہوتے جواب دیا۔

"اچھا خیال ہے۔"

"یعنی؟"

شاید وہ کسی اور طرف نکلا ہوا تھا یا اپنی بات واضح طور پر سمجھا نہیں پایا تھا۔

ویسے صاحب ابھی لمحے اندازہ ہو جائے گا۔ کہ آپ کتنے پانی میں ہیں۔ اب وہ اُسے زچ کر رہی تھی۔

"یعنی کیا؟"

وہ بالکل نہ سمجھنے کی اداکاری کرتے ہوئے بولی۔

"یہی کہ اپنے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟"

وہ کچھ شرمندہ سا ہو رہا تھا۔

"اپنے بارے سے مراد میں یا آپ... کیونکہ آپ نے فرمایا اپنے۔"

اس نے نچلا ہونٹ چباتے ہوئے اُس شوخ و شنگ لڑکی کو دیکھ کے جانے کیا سوچا اور پھر مدعا بیان بھی کر ڈالا تو مسٹر یہ تھا تمہارا مغرور سا انداز یہ تھی تمہاری شخصی آن بان اڑان تو بڑی اُونچی تھی جناب کی یہیں کیوں آ کے تان ٹوٹی۔ وہ بھی بالکل عام لوگوں کی طرح سے اپنے بارے میں اِس نے اُس کی زندگی کا فیصلہ سُننا چاہتا تھا جس کے لئے وہ اُسے سوچنے کی مہلت دے کر گیا تھا۔ اُسے ریڈیو ٹی وی اور اسٹیج پر اپنے کئے ہوئے ایسے کئی کھیل یاد آ گئے جن میں ایسے موقعوں

پردہ شرمایا" لجایا کرتی تھی اور آج اس غیر مہذب شخص نے جب اس سے یہ سب کہا تو ان چیزوں سے کوئی دلچسپی محسوس نہ ہوئی۔ شاید ازینہ کے نزدیک اس شخص سے صرف ایک یہی مہذب بات سننے کی توقع نہ تھی۔ ڈھیر سارے دن گزر جانے کے بعد بھی وہ کوئی فیصلہ نہ کر پائی تھی۔ بہت کچھ چاہ رہی تھی اور ذہن ساتھ نہ دے رہا تھا کوئی کچا گھروندا نہ بنا دینا تم کہ جسے تمہاری شہنشاہیت پل بھر میں مسمار کر دے

"میں کیا ہوں، جانتے ہو، نہیں ... بالکل نہیں پھر کیوں اتنے ڈھیر سارے خواب دیکھ لئے ہیں تم نے، اتنے ڈھیر سارے خوابوں کو جب منزل نہ ملے تو ریزہ ریزہ بھی ہو جاتے ہیں یہ ریت بہت پرانی ہے اور دنیا میں ہم تم ایک دوسرے کو دوش دیتے عمریں گذار دیتے رہیں۔

اور

میں ایسا نہیں چاہتی کہ ایک ریت میرے نام سے بھی دہرائی جائے۔

تب ایک شام اُس نے شہنشاہ سے سب کہہ سن لیا۔ خدا جانے کیوں ایسی بے یقینی سی تھی اُسے وہ جذب سے بولتا گیا تھا اور وہ آنکھیں جھپکے بنا ان لفظوں کو صداقتوں کے ترازو میں تول رہی تھی۔

" آخر اس بے یقینی کی وجہ "

وہ پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

" بڑی معمولی لیکن قابلِ غور ہے میں نے آنکھ کھول کے اپنے اردگرد آپ کی طرح نام ہی کے نہیں کئی ناجائز رعب و دبدبے والے بھی شہنشاہ دیکھے ہیں۔"

بظاہر معمولی مگر اصل میں بڑی گہری بات کہہ گئی تھی۔ مان گیا تھا وہ بھی۔

" آپ جانتے ہیں میں ایک فنکار ہوں اُسے آپ میری خود غرضی کہہ لیں مگر یہ حقیقت ہے میں شوق کو داؤ پہ نہیں لگا سکتی کسی کی بھی خاطر نہیں۔"

اس نے اپنی پسند کو بھی بالائے طاق رکھ دیا تھا۔

" آپ مجھے روایتی مرد سمجھتی ہیں "

شہنشاہ کی آنکھوں میں اس کے لئے ایک سوال تھا۔

" میں کیا جانوں "

" آپ مجھے کافی دنوں سے دیکھ رہی ہیں "

اس کی آواز سے امید جھلک رہی تھی۔

" ہاں دیکھ تو رہی ہوں "

" تو اور کیسے کسی کو جان سکتے ہیں "

" پرکھ کے "

" وقت آپ کے ہاتھ میں ہے "

وہ خوش دلی سے بولا۔

" مگر میں تو سمجھتی ہوں ایک یہی چیز کسی کے ہاتھ میں نہیں ہوا کرتی۔"

" نفسیات اور فلسفہ دونوں آپ پہ آ کر ختم ہو گئے۔"

وہ سگریٹ سلگاتے ہوئے بولا۔

" مگر آپ بور نہیں ہوتے "

وہ اس کے کمالِ ضبط پہ ہنس پڑی۔

" آپ بولتی جائیے میں بور نہیں ہوں گا۔"

گویا نہ بور ہونے کی شرط عائد کر دی اُس نے۔

" پوچھئے کیوں "

وہ پُر اشتیاق نظروں سے اُسے دیکھے گیا۔

اور وہ "نہ" کی لمبی سی گردن ہلا کے رہ گئی۔

جوں جوں وہ قریب آتا گیا ازینہ کو اس کی آنکھوں پہ یقین آتا جا رہا تھا۔ آخر ایک دن اس کی آنکھیں کہہ اُٹھیں۔

" میں ہار گئی تم جیت گئے۔"

اور یوں ساری بحث آج ختم ہو چکی تھی۔ اُس نے شہنشاہ کی آنکھوں میں رنگینی اپنی شام کی روشنیوں پہ یقین کر لیا تھا۔ لہجوں میں موجزن اک چاہت کا سمندر جب اپنے نام کی سمت بڑھتے دیکھا تب بے اختیار اُن لمحوں کو سینت سینت کر کے رکھنے کو جی چاہا۔

جانے کتنے ماہ و سال گزر گئے تھے وہ لمحوں کو تو سینت کر نہ رکھ سکی تھی مگر ہاں خوشگوار یادیں ضرور اس کے ساتھ ساتھ تھیں۔

کہ

ایک دن پُروا کے نرم روئی جیسے جھلملاتی گرمیوں کی لو محسوس ہوئے تھے۔

سینت سینت کر رکھنے والے لمحے نظروں سے کیا اُوجھل ہوئے کہ دل پل پل الاؤ میں جلنے لگا۔

مگر

وہ ایک فنکارہ تھی۔

وہ صاف چھپا گئی مگر آگے بڑھتے ہوئے قدم وہ نہ روک سکی اور نہ روک سکتی تھی کہاں یہ کہ اُس کا اپنا شہنشاہ بڑے ظرف کا مظاہرہ کرنے کو کہہ رہا تھا۔

" آپ چپ چاپ کر لیجئے جو کرنا ہے "

یہ کہہ کر وہ اس کے سامنے ہلکی پھلکی ہو گئی۔



Waqar Azeem Pakistanipoint.Com

لیکن

وہ دل کو من بھر بوجھ تو دے گیا تھا پھر ہلکا پھلکا کیسے رہا جا سکتا تھا۔

ایک دن صبح جو دیکھا تو سرائے میں نہ تھا۔

جانے کس دیس گیا ہے وہ دیوانا۔ ڈھونڈو

وہ کہاں گیا کسی کو بھی تو پتہ نہ تھا۔ عجیب بات تھی اس کے اپنے والدین تک لاعلمی کا اظہار کر رہے تھے آزینہ کے والدین کو پتہ ہونا تو بڑی بات تھی دوست احباب سب سے پوچھ لیا کرید کرید کے پوچھ لیا۔ لیکن خدا جانے غائب کہاں ہو گیا تھا وہ۔

" آخر جا کہاں سکتا ہے وہ؟"

" بھابھی ہم کھوج میں لگے ہوئے ہیں انشورنس میں کوئی احمد صاحب ہیں کہتے ہیں کہ سولہ کی شام کو اکٹھے دیکھے گئے تھے۔ شاید انہیں علم ہو۔"

اس کی آنکھوں کی وحشت سب کو اس ہوش مند دیوانے کو ڈھونڈنے پر مجبور کر رہی تھی رات ہوتے ہی وہ تکیے میں منہ چھپا کر رو دی۔ اب میں ان سب کو کیسے بتاؤں کہ وہ ایک معمولی سی لڑکی سے شادی کر کے بہت دور چلا گیا ہے جہاں سے اب اس کا لوٹنا مشکل ہے وہ اتنا بڑا قدم میرے والدین کی موجودگی میں نہیں اٹھا سکتا تھا جب ہی تو وہ آخری دنوں میں بڑے خلوص کا مظاہرہ کرتے کو کہہ رہا تھا تو وہ دل بہار کے اک سپنا ہوتے اس روح فرسا منظر سے وہ پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔ اُسے حقیقت کا علم تھا۔ شہنشاہ کی طبیعت کا بھی اُسے اندازہ تھا پیار اس کے باوجود وہ دل کو نہ سمجھا پائی۔

وہ اسی شدت سے اُسے پکار لیتا، ہر ہر دستک پہ چونک جاتا اور تن تنہا درد کے صحراؤں میں بھٹکتا پھرتا۔ یہ دل کیسا بے درد تھا، اس دل کے ہاتھوں کتنے زخم کھائے تھے اُس نے پہلے اُس بے وفا شخص کی باتوں اور آنکھوں پر اعتبار نہ کرتا تھا کہ شہنشاہیت کا خوف لاشعور میں جگہ بنائے بیٹھا تھا، سارے در بند کئے بیٹھا تھا تب بڑا سکھ تھا پھر جب آنکھوں پہ اعتبار کیا تو وہ ہونٹ چبا کے درد کی شدت کو سہہ گئی اور پھر جب کچھ عرصے بعد شرجیل پیدا ہوا تو بھی اُس کے دکھ کو محسوس کئے بنا نہ رہ سکے لفظ مبارک کہنے کا کسی میں حوصلہ نہ تھا۔ چپ چاپ سے ہونٹ اور بولتی آنکھیں اس سے بہت کچھ کہہ سن رہے تھے مگر اس کی زبان ایک ہی بات کا ورد کرتی جاتی تھی، وہ دیوانا۔ ڈھونڈو۔

" کیا اس معصوم کی آواز بھی اُسے واپس نہیں لا سکتی۔"

سب لوگ خاموش تھے وہ اس کے درد کو محسوس کر رہے تھے اس نے تمام لوگوں کے چہرے پڑھے تو اپنی سانس کی ڈوری درد کی اک لے محسوس ہوئی۔ جس پہ ہر موسم میں، وہ برکھا رُت ہو کہ خزاں صرف اور صرف درد کے پُرسوز نغمے ہی گائے جا سکتے ہوں۔

" تم کب تک اس کی بے وفائی کی لکیر پیٹتی رہو گی۔"

اور سچائی کی آواز تھی۔

" جب تک وہ آ نہیں جاتا۔"

پھر وہ اِک لڑکی سودائی سی خود ہی کو مؤثر طریقے سے سمجھانے لگتی۔

" وہ اب نہیں آئے گا۔ اسے بھول جاؤ ورنہ تم شرجیل کی زندگی کے ساتھ انصاف نہیں کر سکو گی۔"

" شرجیل"

وہ کانپ کر رہ گئی۔

تم میری زندگی کا محور ہو، تمہارے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں ہو گی۔ تمہاری ماں سب بھول جائے گی۔ صرف تمہیں یاد رکھے گا۔"

" بیٹا"

وہ جذباتی سی ہو کے اُسے یوں پکار گئی جیسے وہ بولنا جانتا ہی تو ہوا ور ننھا شرجیل یوں ہمک ہمک کر اس کے پاس آنا چاہ رہا تھا وہ دیر تک اُس کے سینے سے لگی آخری غبار نکالتی رہی آج کے بعد اُسے چپ سی تو ضرور لگ گئی تھی مگر پھر کسی نے آنسو بے آبرو ہوتے نہیں دیکھے اس نے اپنی مصروفیت خود بڑھالی تھیں ڈرامے، کمپرنگ پبلسٹی فلمیں اسٹیج کہاں کہاں اس نے ہاتھ پاؤں نہیں مارے تھے اور اب جو چند گھنٹے ملتے تو وہ تھکن کی نذر ہو جاتے یا پھر وہ بے مقصد شرجیل کے قریب بیٹھی رہتی سوتے ہوئے کو بھی گود میں اُٹھا کے پیار کر لیتی۔ خالہ اماں کو صرف اس کی نگہداشت کے لئے رکھا ہوا تھا مگر اس کے باوجود وہ ذرا ذرا سی بات پہ پریشان ہو اٹھتی۔ آرام حرام کر لیتی۔ اور جب خود سونے کو لیٹتی تو رات ایک صدی بن جاتی تب۔

تب

اُس نے دل کو مار کے ایک فیصلہ کر ڈالا۔

یہ اپنا دل چاہے تڑپتا رہے، سلگتا رہے مگر اس کے لب مسکرائیں گے وہ قہقہوں کا بھرپور ساتھ دے گی اور دنیا کے ساتھ قہقہے لگائے گی اس سے بڑھ کر وہ اپنے غم کا مداوا اور کس طرح کر سکتی تھی بھلا۔ اور وہ یہ صحیح بھی ہے جب زیست کی چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا چھایا ہوا ہو۔

اپنی کرن کھو چکی ہو۔

مگر



Waqar Azeem Pakistanipoint.com

اپنی تمام تر قوتوں کو مجتمع کر کے اُسے زندہ رہ کر زندہ دلوں میں بھی خود کو شمار کرنا ہو... تو... راہ میں بڑے کٹھن مرحلے بھی آتے ہیں۔ دل بجھتا بھی ہے روشن بھی ہوتا ہے آس بندھتی بھی ہے پھر ٹوٹ بھی جاتی ہے مگر اُسے پھر بندھانا ہوتا ہے۔ اگر آج وہ فنکارہ نہ ہوتی۔

اور پھر ایک ماں بھی نہ ہوتی۔

تب ٹوٹی ہوئی آس پھر کبھی نہ بندھتی۔

اور اب چند دنوں سے وہ مختلف تقریبات کی محفلوں میں بطور فنکارہ جانے لگی تھی مقصد صرف اور صرف بھرپور قہقہوں میں اپنی پھیکی سی مسکراہٹ شامل کر کے خود کو بہلانا تھا۔ مگر ڈائس پر آتے ہی دل دھڑک سا جاتا یہ درد کی ایسی پکار تھی جسے وہ انگڑائیاں لیتے اچھی طرح جان جاتی تھی۔

آنکھیں درد کی پکار کے ساتھ اپنی وحشتوں کو سمیٹ لیتی تھیں اور پھر ایک آرزو اندر ہی اندر مچلتی جاتی۔

اگر وہ سرِراہ کبھی مل گیا تو اُسے صرف شرجیل کی خاطر مانگ بیٹھوں گی۔ میں کروں گی یہ جرأت اُس معصوم کے لئے کیونکہ مجھ میں اتنا یارا نہیں کہ میں اس کے ابو کا اُسے بتا سکوں۔"

آج جانے کیوں اُسے اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہو رہا تھا۔

"میں نے خود کو خود تڑپانے کے لئے ایسا کیا کاش میں خود کو اُسی وقت بھلا دیتی اور اُسی بڑے ظرف کا مظاہرہ کر ڈالتی جو شہنشاہ کرنے کو کہہ رہا تھا مگر میں نے تو خود اُسے ہر کام چپ چاپ کر ڈالنے کا کہہ کر بہاروں کے مسکن پر خزاؤں کے ڈیرے ڈلوا لئے اب کچھ بھی ممکن نہیں۔"

جانے ساری کی ساری جمع کی ہوئی ہمتیں کہاں چلی جاتی تھیں اُس کی۔

مگر اب ہواؤں کا رُخ بدل رہا تھا۔

بہاروں کا نیا انداز سامنے آ رہا تھا۔

پر یہ کیسی بہار تھی اور کیسا نیا انداز کہ اپنے نام کی خوشیوں کو غیر محسوس طریقے سے بھی نہیں دیکھ پاتی تھی وہی ہر وقت اپنی آن کا خوف ہر وقت زمانے کی فکر اور اپنے نام کا لحاظ مگر اس سب کے باوجود وہ شخص کیسا تھا جو بڑھتا چلا آتا تھا۔ اب یہ ازینہ کو بھی کوئی دوش نہیں دیا جا سکتا تھا۔ اس نے تو راستے میں بھی اُس کے بڑھتے قدم روکے تھے۔

"حسن صاحب پلیز!"

وہ اس کی محبت پاش نگاہوں سے گھبرا کر بولی۔

"آپ خود پر سراسر ظلم کر رہی ہیں۔"

"کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟"

وہ بڑی تیزی سے بولی کہ شاید اس کے لہجے کو محسوس کرتے ہوئے وہ اپنی ہمتیں پست کر دے اور ایک قصۂ پارینہ سمجھ کر بھول بھال جائے لیکن وہ جانے کیوں ایسا نہ کر سکا اُس پر کچھ اثر نہ ہوا اور وہ بولتا چلا گیا ازینہ کو حیرت تو نہیں مگر خوشی بھی محسوس نہیں ہوئی کہ اُس دن وہ سپاٹ سا چہرہ لئے اُسے دیکھتی رہی تھی اور آج اس کے چلے جانے کے بعد ایک بار پھر وہ پریشان ہو گئی تھی اس کے لہجے کی بلند قامتی اور لپ نے لرزیدہ لب وہ اِک سرور سا اس کی اُس سے محبت کا اور اِک وہ تھی جیسے ویران سے ساحل پر ہوائیں سنساتی رہتی ہوں روتی بلکتی ہوائیں بار بار جیسے ورق ماضی دہراتی ہوں یا پھر وہ عادی ہو چکی ہو پچھلے منظر مڑ کے دیکھنے کی۔

تمہیں کیا حق پہنچتا ہے جو یوں ٹھہرے ہوئے پانیوں میں کنکر پھینک پھینک کر ان کی شوریدہ سری جگاتے ہو اور میں نے کتنے ریاضتوں سے اس سرکشیدہ گہرے پانیوں میں خاموشی کو جگایا ہے۔ ازینہ پر جھنجھلاہٹ سی سوار تھی۔

"میں نے زندگی اسی انداز سے گزارنے کا فیصلہ کیا ہے!"

آج اس کے لہجے میں بھی بلند قامتی جھلک رہی تھی۔

"مگر یہ تو پرانا فیصلہ تھا،"

وہ اب بھی اپنی بات پر قائم تھا۔

"جی پرانا بھی اور نیا بھی،"

آخری لفظ بھی پر اس نے پورا زور لگا دیا۔

حسن نے بے یقینی سے عالم میں گردن ہلائی۔

"آپ خدا جانے میرے حق میں فیصلہ کرتے ہوئے کیوں ہچکچا رہی ہیں جبکہ میں... وہ کچھ دیر رک کر پھر بولا میں آپ کے اور شرجیل کے بہتر مستقبل کی ضمانت دے رہا ہوں۔"

ہونہہ... اس طرح دی جاتی ہے کھوکھلے لہجے میں ضمانت اس طرح کہ اپنے آپ کو ہی اپنی آواز اجنبی لگے جب تم آج سے ہی اجنبی لگتے ہو خود ہی کو اجنبی لگتے ہو تو پھر ہم یہ فاصلے کیسے پاٹ سکیں گے بولو کیا دلیل ہے تمہارے پاس، نہیں نہیں کوئی بھی تو نہیں بس بہت کچھ جانتی ہو جبھی آنکھوں سے دیکھتے جاتے ہو مجھ کو اور جو میں جانتے بوجھتے چلمن اُٹھا کے دیکھوں تو نظریں کیوں پھیر لیتے ہو۔

اس نے نفرت سے سوچا۔

"آپ مجھ پر اعتماد کیوں نہیں کرتیں؟"

اُس نے گہری خموشی کو توڑ دیا تھا۔

"اس لفظ کا نام مت لیں آپ کو اندازہ نہیں کیسی ضربیں لگاتا



Waqar Azeem Pakistanipoint.Com

ہے یہ اچھے بھلے لوگوں کو پل بھر میں خاک کر دیتا ہے یہ ایک لفظ"
" مگر اس طرح تو..." وہ اسکی اجنبی آواز کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے بولی۔
" بے فکر رہیئے مجھے کچھ نہیں ہوگا۔"
پھر وہ تھکا تھکا سا بھینے واپسی کے لئے مڑا تو از راہ مروت وہ بھی چلنے لگی۔
" آپ زحمت نہ کیجئے میں آتے ہوئے واپسی کا راستہ متعین کر کے آیا تھا۔"
" عظمت ہے آپ کی۔"
تب وہ بے اختیار تحسین بھری نظروں سے دیکھ گئی۔
" اس پر بھی آپ آزمانا نہیں چاہتیں۔"
وہ اب بھی آس بھری نظروں سے اسے تک رہا تھا جاتے جاتے بھی جیسے امید کا کوئی سرا اب بھی اس کے دامن سے بندھا ہو لیکن وہ کچھ بول کر نہ دی۔
دنیا میں بہت سے ایسے عظیم لوگ ہوتے ہیں جو آدھے رستے تک عظیم ثابت ہوتے ہیں اور باقی آدھے رستے پر ان سے توقعات وابستہ کرنے والوں کو خود راستہ بدل لینا چاہیئے۔
موسم سرما کی پہلی بارش کے بعد فضا بہت نکھر گئی تھی آج اتفاق سے وہ فارغ تھی اپنے کمرے میں ایزی چیئر پر کب سے گری وہ چپ سی تھی کہ اس نے وزنی بوٹوں کی اپنی طرف بڑھتی ہوئی آواز پر آنکھیں کھول دیں۔
کون.... جانے کیوں آواز اندر ہی گھٹ کر رہ گئی تھی۔
تم... نامہربان اتنی جلدی.... سزا تو ابھی پوری نہیں ہوئی۔ ڈھیر سارے لفظ گیلے ہو کر دھندلے سے ہو رہے تھے آواز رندھ سی گئی تھی۔ وہ بھی کچھ نہ بولا تھا نگاہوں میں کئی سوال لبوں پر حیرانگیوں کی مہریں لگائے وہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے پھر آخر کو ازینہ نے آگے بڑھ کر سکوت توڑا۔
" شہنشاہ"
اور وہ جواباً بڑی دلشکن نظروں سے دیکھنے لگا برسوں سے رکھے شفاف سے آئینے پر ضربیں پڑنے لگی تھیں جس کیلئے اتنی ریاضت اور محنت کی وہ ہی۔ کچھ سوچا بھی نہ جا رہا تھا ایسے لگا جیسے ساری کرچیاں اس کے اپنے ہاتھوں میں پیوست ہو گئی ہوں اتنا زیادہ خون بہہ گیا ہو کہ وہ نڈھال ہوتی جا رہی ہو ہر سو مسکراہٹیں بکھیرنے والی ہستی نے خود پر مسرتوں کے دروازے بند کر لئے تھے۔ اب یہ اس کی ذہنیت تھی کہ جو وہ اڑھائی سال بعد آ کر بھی اسقدر دل شکن نظروں سے دیکھ رہا تھا۔
" "کچھ بولو"
"کیا بولوں۔ اگر تم مجھے سمجھتے ہو تو جان جاؤ میرے دل میں کیا ہے۔"
وہ اپنے اندر کے کئی طوفانوں سے گزر رہا تھا۔ کمرے میں گہرا سکوت چھا چکا تھا۔
" "تم مجھ سے ناراض ہو۔"
" "تم تو ذرا سی بات جان لیا کرتے تھے، پھر اب پوچھ کیوں رہے ہو۔"
جانے کب سے ازینہ کے دل میں یہ خواہش کروٹیں لے رہی تھی کہ وہ خود چپ چاپ بیٹھی رہے اور وہ آئے تو بولتا جائے کہتا جائے کہتا جائے حتیٰ کہ تمام باتیں ختم ہو جائیں تب ایک کہانی مکمل ہو جائے۔ اپنی ادھوری سی یہ کہانی۔
خالہ امی شرجیل کو لے آئیں، چند لمحوں بعد وہ جیسے ہی اندر داخل ہوئیں وہ بول اٹھی۔
" "اپنے بیٹے سے ملو"
ایک دم اس کے چہرے کے رنگ بدل گئے۔
اُسنے خالہ امی کی گود سے سویا ہوا شرجیل لے لیا اسکے چہرے پر نظر گاڑتے ہوئے بولا۔
"تم نے کچھ پوچھا نہیں"، اس کی آواز خوشی کے احساس سے لدی ہوئی تھی۔
اس کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔
"اب میرا یہ ارادہ ہے کہ میں یہیں رہوں گا۔"
" اچھا"
"میں چلتے چلتے تھک گیا ہوں اور صرف یہ گھر میرے امان کی جگہ ہے، اور سنو ازینہ۔ یہ روتا کیوں نہیں ہے"، وہ بڑی عجیب سی شکل بنا کر اسے دیکھ رہا تھا۔
"سویا ہوا ہے تم رونا ہوا دیکھنا چاہتے ہو اسے"، وہ اپنے طنز کو چھپا نہ سکی۔
نہیں یہ بات نہیں — اس کی کوئی آواز — مجھے زندگی دیدے گی۔
ہونہہ — دھوکا خوبصورت لیبل اور محض فریب، کب تک لفظوں سے عورت کو بہلاؤ گے اگر آواز زندگی دیتی ہے تو یہ دو سال کی ہو چکی ہے" تم بہت اپ سیٹ ہو رہی ہو" جیسے اسے بہت ہمدردی ہوئی ہو۔



Waqar Azeem Pakistanipoint.Com

تمہارا پرانا چلن ہے۔ ہمدردی کے دو لفظ بول کے عورت کو محکوم کر لیتے ہو مرد کبھی اپنی فطرت نہیں بدل سکتا اور خاص کر مشرق کا مرد۔

وہ سوچوں میں بہت آگے نکل گئی تھی گو اس نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا تھا مگر ذہن اسی کی طرف لگا ہوا تھا اسے آئے ہوئے ہفتہ بھر ہو گیا تھا۔ اس نے بہت ہی روایتی انداز میں اپنی تاریخ بیان کر دی تھی۔ اور اپنا زیادہ تر وقت شرجیل کے پاس ہی گزارتا تھا۔ ازبینہ کا رویہ کافی حد تک بدل چکا تھا کچھ یہی چھوٹی موٹی مسرتوں کے ہی تو وہ خواب دیکھتی تھی تصوّر میں کب چاہنے والوں کا ساتھ چھوٹتا ہے۔ وہ سامنے نہ سہی دل کے آس پاس تو جب بھی بستا تھا۔ گو تب سے اب تک انا و خودداری کو بہت عزیز اور گراں قدر شے سمجھ کر پاس رکھا تھا۔

مگر آج مسئلہ اپنے گھر کا تھا۔

اور لفظ اپنے گھر پر آ کے کچھ دیر کے لیئے سوچنا پڑتا ہے یہی ایک نقطہ ہے جس پر نگاہ مرکوز ہو جاتے تو گھر کی قسمت بدل جاتی ہے۔

ازبینہ کی ساری فنی سرگرمیاں ماند پڑ گئی تھیں گھر کے علاوہ جیسے موضوع ہی نہ رہا ہو۔ کسی کام میں دلچسپی نہ رہی ہو۔ اور اسی انداز سے اسی جوش و لولے سے وہ بھی شریکِ کار رہتا تھا۔

اور آج وہی عزور و تمکنت والی عورت گھر کیلئے سنجیدگی سے سوچ رہی تھی اور ملنے جلنے والے اُسے بے چاری فنکارہ کہہ کر یاد کر رہے تھے۔

ہماری مشرقی عورت کے ساتھ گھر کا تصوّر بندھا ہے اس کی عظمت ہی لفظ گھر میں پوشیدہ ہے۔ اور وہ حسین تصور اور رنگین خواب کے لیئے اپنے کردار میں عظمت پیدا کرتی ہے سالوں کا ریاض کرتی ہے مگر پھر بار ہمارے معاشرے کا ایک مرد آگے بڑھ کر اس عظیم عورت کا استحصال کر ڈالتا ہے، دیکھنے میں وہ بڑا معصوم لگتا ہے مگر بعض دفعہ عورت بہت کچھ جانتے ہوئے بھی لٹ جاتی ہے پھر خدا جانے معصوم کون ہوتا ہے۔ مرد یا عورت، اسیطرح معصومیت کا دعویٰ کرتے ہوئے شہنشاہ گھر میں داخل ہو گیا تھا۔ اور اب ازبینہ صرف گھر اور گھر کی خوشیاں قائم رکھنے کے لیئے یا دوسرے لفظوں میں اپنے دیکھے ہوتے خوابوں کی تعبیر پانے کے لیئے بہت کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی معصومیت کا دعویٰ کر رہی تھی۔

کہ وہ نہایت آہستگی سے آگے بڑھا اور اس کی گھومتی ہوئی کائنات کو چھوڑ کر چلا گیا۔

"کیا — کیا —" آخر کران دو لفظوں کے علاوہ کچھ اثاثہ باقی نہ بچا تھا۔

وہ اپنی دنیا میں مگن رہنا چاہتا تھا وہ گھر کے لیئے اپنے خوابوں کو بکھرنے نہیں دینا چاہتا تھا البتہ اس کے خون نے خراج ضرور وصول کر رہا تھا اتنی سفاکی دیکھاتے ہوئے اس کے خوابوں کا گمان بھی نہیں گزرا ہوگا کہ ذرا مڑ کے دیکھے تو ازبینہ کی رنگ بدلتی صورت پہ کتنے خواب لرزاں سے ہیں — کتنے خواب — ڈھیر سارے خواب — اس کے اور شہنشاہ کے گھر کے خواب — بلاآخر آج فیصلہ ہو ہی گیا تھا وہی جس کے روح فرسا خیال سے کئی راتوں کی نیند اڑ گئی تھی۔ بھوک پیاس مٹ گئی تھی۔

شرجیل تین سال کا ہو چکا تھا اس لیئے قانون کی رو سے اب وہ باپ کو مل جانا چاہیئے تھا۔ کس آسانی سے لٹ گئی تھی وہ کتنے مرے ہاتھوں سے اپنی زندگی کے محور کی اُنگلی اس بے رحم شخص کو تھما دی تھی اور اس کے چہرے پہ کتنی فتح مندی تھی "جب دامن جھٹکنا ہی تھا تو تھاما کیوں تھا کیا ہمسفر ایسے ہوتے ہیں" اس نے زندگی کا آخری گلہ کیا۔

"گھر جاؤ ازبینہ" خدا جانے اس کی آواز میں کیا تھا۔

"وہ راہداری ہی میں چیخ پڑی۔

"گھر — کون سا کس کا گھر"

"اس نے ٹھیک کہا اب وہ کس کا گھر تھا کس لیئے جاتی وہاں شرجیل تھا اور نہ وہ خود۔

وہاں تو بس اک خواب تھا لرزاں سا۔ مبہم سا۔





Waqar Azeem Pakistanipoint.com

# شکستہ سائبان

نبیر نقوی

Waqar Azeem Pakistanipoint.com

وہ ہلکے ہلکے سروں میں بجتے ہوئے اپنے پسندیدہ نغمے سن رہی تھی نغموں کے ساتھ اپنی آواز بھی ملا لیتی۔ ٹانگیں بڑے سے فوم کے گرین صوفے پر سمیٹے مزے سے پھیلی ہوئی تھی۔ روز اپر فریش کا ڈھیر سا اسپرے کر رکھا تھا ڈرائینگ روم اس کی بھینی بھینی خوشبو سے مہک رہا تھا۔

ہلکے سے شور پر اس نے گردن موڑ کر دروازے کی سمت دیکھا۔ ایک نوجوان بڑے اطمینان سے پہیوں والا سوٹ کیس دھکیلتا ہوا ڈرائینگ روم میں آ گیا۔ جلدی جلدی دیدے پٹ پٹا کر نوجوان کا جائزہ لیا۔ مگر کچھ پہچان نہ پائی۔

"کون ہو تم؟" اس نے بڑے رعب سے پوچھا — یہ تو جان گئی تھی اتنے آرام سے آنے والا ضرور کوئی جاننے والا ہوگا مگر ہے کون۔ وہ نہ جان سکی۔

سوٹ کیس ایک طرف رکھ کر وہ آرام سے صوفے پر نیم دراز سا ہو گیا۔ نوجوان کے اس پرسکون انداز پر قدرے حیران ہوئی۔ جاننے والا ہے مگر پھر بھی اسے اندر آنے کی اجازت تو طلب کرنی چاہیے تھی۔ پوچھا بھی تو کوئی جواب دیئے بغیر صوفے پر ڈھیر ہو گیا۔ وہ اس کے سر پر پہنچ گئی۔

نوجوان نے مسکرا کر اسکا سراپا دیکھا۔ بال شانوں سے اوپر تک کٹے ہوئے تھے جنہیں بڑی خوبصورتی سے رول کر رکھا تھا۔ گلابی گلابی سی رنگت گھنی پلکیں حیرانی سے جھپکاتی ہوئی۔ وہ بڑی کیوٹ سی لڑکی تھی۔

"آپ کون ہیں آخر بتاتے کیوں نہیں؟" اس کی مطالعہ کرتی نظروں سے اکتا کر بولی۔

"چور اچکا ہوں۔ ڈاکے کی غرض سے آیا ہوں میری تصویر تھانے میں لگی ہوئی ہے۔ جا کر دیکھ لیں بڑا خطرناک انسان ہوں پولیس میرا پیچھا کر رہی ہے۔"

"افوہ۔" اس کی تمہید پر وہ جھنجلا گئی۔ "میں کسی سے اتنی جلدی فری نہیں ہوا کرتی۔ اپنے متعلق بتائیں کہاں کی پیداوار ہیں یہاں کس غرض سے آئے ہیں؟" اس نے خاصی سنجیدگی سے پوچھا۔

وہ نوجوان اس کی سنجیدگی پر بھی سیریس نہ ہوا۔ البتہ مسکراہٹ سے ہونٹ پہلے سے زیادہ پھیل گئے۔

"آپ بتائیے مجھے پہلے یہ کہ آپ انکل جنید کی پہلوٹی کی اولاد ہیں یا منجھلی۔ ان کی دو صاحبزادیاں ہیں۔ ایک کا نام سارہ دوسری کا غالباً چادر۔"

"واٹ۔" لفظ چادر پر وہ گرم ہو گئی۔

"چادر نہیں رِدا۔ سمجھے۔" اس نے وضاحت کی۔

"بات تو ایک ہی ہوئی۔ مطلب دونوں کا ایک ہی ہے۔"

"بولنے کا فرق ہے۔" اس نے یاد دلایا۔

"اچھا جائیے میرے لئے چائے معہ دیگر کھانے پینے کے لوازمات لائیے اور آنٹی کو اطلاع کر دیں کہ رامین صاحب آ گئے ہیں۔" اس نے بڑی شان سے کالر اچکائے۔

"تو آپ ہیں رامین۔" ہوائی بیرہ۔"

"جی فلائٹ اسٹیوارڈ۔" وہ قدرے صوفے سے اٹھ کر بولا۔

"جی کوئی بات نہیں مطلب تو ایک ہی ہے۔" اور وہ جھپ سے باہر لپکی۔

"بولنے میں فرق ہے۔" اسی کا لفظ دہرایا۔ نکلتے نکلتے اس کے کانوں سے یہ جملہ ٹکرایا۔ وہ ٹھٹکی پھر آگے بڑھ گئی۔

رامین بے ساختہ مسکرایا۔ یقیناً یہ ردا ہی تھی وہ اس کے سراپے میں الجھا ہی تھا کہ چوڑیوں کی کھنک سے چونک اٹھا۔

"آپ آ گئے بھیا۔" سارہ اندر آ کر اس کی سمت بڑھی — سالونے سلونے رنگ بڑی چارمنگ سی لڑکی تھی۔ اس کے پیچھے رقیہ خانم تھیں۔

"آداب آنٹی۔" وہ سارہ کو کوئی جواب دینے نہ پایا تھا کہ اک بزرگ ہستی کو دیکھ کر سعادتمندی سے کھڑا ہو گیا۔

"رامین بیٹے۔ ماشا اللہ۔" اس کی پرکشش شخصیت پہ ماشا اللہ بے ساختہ انکے لبوں سے نکلا۔ انہوں نے اس کے کاندھوں پہ ہاتھ پھیرا۔ اسے بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود بھی بیٹھ گئیں۔

"آپ سارہ ہیں۔" اس کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔

"آپ نے کیسے جانا؟"

"لیجیئے جاننے کی بھی ایک رہی یہ ڈھیر ساری تصویریں آپ لوگوں کی سامیہ اور ثانیہ کے پاس ہیں۔"

"جی ہاں۔" وہ آہستگی سے ہنسی۔

"دونوں کیسی ہیں انہیں بھی لے آنا تھا۔"

"اطلاعاً عرض ہے بڑا النسر صرف میرا ہوا ہے ان دونوں کا نہیں۔"

واقعی بڑا حاضر جواب ہے دونوں بہنیں ٹھیک کہتی تھیں۔

Waqar Azeem Pakistanipoint.Com

اس نے دل میں سوچا۔

"چائے لے آؤں" کہہ کر ڈرائینگ روم سے نکلی۔ ردا راستے ہی میں مل گئی۔

دونوں نے مل کر خوب اچھی سی چائے بنائی۔ ڈھیروں لوازمات ٹرالی میں سجا کر ڈرائینگ روم میں لے آئیں۔

رامین بے حد بذلہ سنج طبیعت کا مالک تھا۔ منٹوں میں فری ہو جاتا تھا دوسروں کو بھی مجبور کر دیتا تھا کہ اس سے فری ہو کر بات کریں۔ اس وقت بھی رقیہ خانم کو خوب ہنس ہنس کر کسی ملک میں ہونے والے دلچسپ حادثے کے بارے میں بتا رہا تھا بڑے سلیقے سے بیٹھا تھا۔ ردا ٹرالی دھکیلتی ہوئی اسکے قریب لے آئی اور گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر پلیٹیں نکالنے لگی۔ سارہ لیدر کے رنگ برنگے اسٹول پر بیٹھ گئی تھی۔

"لڑکیوں! بھائی کو چائے اچھی طرح پلانا میری نماز کا وقت ہو رہا ہے۔" رقیہ خانم جاتے جاتے بولیں۔

ردا نے ہولے سے سر ہلایا چھوٹی تپائی اس کے آگے رکھی۔ رامین نے بدن ڈھیلا چھوڑا اور ٹانگیں آگے رکھی تپائی پر پھیلا دیں۔ اس نے ایک نظر اس کی ٹانگوں پر ڈالی۔

"پہلے چائے بعد میں کچھ اور؟"

اس نے کوارٹر پلیٹ اس کی سمت بڑھائی تھی وہ بول اٹھا۔ اس نے لب بھینچ کر پلیٹ واپس رکھی۔ اٹھ کر چائے بنانے لگی۔ کپ اس کی طرف بڑھایا۔

دونوں ہاتھ گُدی پر رکھے سر صوفے کی پشت پر ٹکا رکھا تھا۔ ردا کا ہاتھ بڑھا ہوا تھا وہ مزے سے اسے دیکھ رہا تھا۔ سارہ اس کے اس طرح دیکھنے پر دبی دبی مسکراہٹ سے مسکرا رہی تھی، مگر ردا کو قدرے الجھن سی ہو رہی تھی۔

عجیب انسان ہے "چائے کا کپ لے لیجئے۔" وہ ذرا تیزی سے بولی۔

"رکھ دیجئے۔" مدھم آواز میں ڈھیر ساری گنگناہٹیں شامل تھیں۔

"کہاں رکھ دوں؟" ان گنگناہٹوں نے اس کے دل میں ہلچل سی مچا دی تھی۔ مگر وہ لاپرواہی ظاہر کر رہی تھی۔

"کہاں رکھ دوں چائے؟" دوبارہ کہا۔

"یہیں رکھ دیں۔"

"تپائی پر تو آپ کی ٹانگیں رکھی ہیں۔" وہ اس کی لمبی لمبی ٹانگوں پر طنز کر کے بولی۔

وہ بے ساختہ ہنس پڑا۔ سارہ بھی کھلکھلا اٹھی۔

"لائیے۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر کپ لے لیا۔ اور ردا صوفے پر بیٹھ گئی۔

چائے کے دوران سارہ نے پوچھا۔

"بھیا تانیہ، سامیہ کیسی ہیں؟"

"بالکل ٹھیک ٹھاک۔"

"ہم پچھلے دنوں جب پنڈی گئے تھے تو آپ باہر گئے ہوئے تھے۔ ہمیں آپ کو دیکھنے کا بہت شوق تھا۔"

"دیکھنے کی چیز ہیں۔" وہ اکڑا۔

"بے بی آپ کونسے اسکول میں پڑھتی ہیں؟"

وہ قدرے فاصلے پر بیٹھی ردا سے پوچھنے لگا۔

"کیا۔۔۔ کیا۔۔۔ اسکول؟؟ ۔۔۔ میں آپ کو اسکول جاتی بچی لگتی ہوں۔" وہ تلملا سی گئی۔ "عرض ہے میں بی۔ اے آنرز کر رہی ہوں اور میرا آخری سال ہے۔"

"کیا واقعی؟" اس نے حیرت کا اظہار کیا۔ جو یقیناً مصنوعی تھا ورنہ وہ تو ان دونوں بہنوں کے بارے میں سب کچھ جانتا تھا۔ دونوں کی عادتیں کیسی ہیں تانیہ سامیہ نے ایک ایک بات بتا رکھی تھی۔ ردا اسکی بہنوں کو بہت پسند تھی۔ اور بڑی ہیرس بھی۔ اپنے بھائی سے بھی کہتیں ہم ردا کو بھابی بنائیں گے ۔۔۔ رامین کو ردا سے ملنے کا بہت شوق ہو گیا۔ کچھ ایسا اتفاق تھا کہ وہ ابھی تک اس لڑکی کو نہ دیکھ سکا تھا۔ اور اب جب ٹرانسفر ہو کر سیدھا انکے گھر آیا تو آتے ہی اس کی ملاقات ردا سے ہو گئی انجانے میں بہت مسرور ہو رہا تھا۔ ایک ہی نظر میں وہ اس کا گھائل ہو گیا تھا۔

"آہا! رامین بیٹے۔" ڈاکٹر جنید ڈرائینگ روم میں آ کر چلائے۔ سارہ نے شکر ادا کیا ردا کی شامت ختم ہو گئی۔

"آداب خالو جان!"

"ارے میاں کب آئے؟" انہوں نے رامین کو اپنے ساتھ لپٹا کر پیار کیا۔ اور اس کے برابر صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگے۔

"گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ ہو گیا تقریباً۔"

"ڈیڈی چائے بناؤں آپ کے لئے۔" ردا آ کر بولی۔

"ضرور بیٹو۔" انہوں نے بڑے پیار سے کہا۔

وہ مسکراتی ہوئی آئی اور چائے بنانے لگی۔ رامین نے دیکھا۔ چند لمحوں پہلے تو وہ منہ بگاڑتی پاؤں

Waqar Azeem Pakistanipoint.Com

چہکتی ہوئی گئی تھی۔ اب اس طرح خوش خوش تھی جیسے کچھ ہوا نہ ہو۔ اس کا یہ درگزر اسے بہت پسند آیا۔

"ڈیڈی چائے کے ساتھ کوئی سینڈوچز؟" اس نے پیالی ڈاکٹر جنید کو پکڑا کر پوچھا۔

"نہیں۔ چائے کافی ہے۔"

"امی آپ پئیں گی؟"

"اسے رہنے دو میرا تو کلیجہ جلتا ہے اس موئی چائے سے۔" رقیہ خانم نے انکار کر دیا۔

خوب باتیں ہو رہی تھیں۔ چائے کا دور چل رہا تھا۔

ڈاکٹر جنید کا خاندان بڑا مختصر تھا۔ دو بیٹیاں تھیں۔ بیٹے کی آرزو تھی مگر خدا کو نہ منظور تھا۔

ڈاکٹر جنید کی فیملی کو پاکستان آئے تین سال ہوئے تھے۔ عرصہ دراز سے ایران میں رہتے تھے دونوں لڑکیاں وہیں پیدا ہوئیں پلی بڑھی تھیں۔

یکایک انہوں نے پاکستان آنے کا ارادہ کر لیا۔ اور یوں اس ارادے کو عملی جامعہ پہنا دیا۔ اپنی ذاتی ڈسپنسری کھول لی۔ بہت جلد ان کا شمار شہر کے مشہور ڈاکٹروں میں ہونے لگا۔ ردا نے تو آتے ہی یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا تھا اور سارہ نے کالج میں۔ دونوں لڑکیاں بڑی پیاری تھیں۔ ردا کے دم سے گھر میں رونق تھی۔ شوخ و شریر ردا کو ڈاکٹر جنید ہمیشہ "بیٹو" کہتے۔ اسے اپنے ڈیڈی سے بڑی محبت تھی۔ امی تو ہر وقت اس پر تنقید کرتی رہتی تھیں۔ انہیں پتہ نہیں کیوں کبھی اس پر پیار نہ آتا۔ سارہ کی دلداری میں لگی رہتیں۔ اسے کتنا غصہ آیا کرتا تھا بچپن میں جب اسے موقع ملتا سارہ کو مار کر بھاگ جاتی۔ اس پر رقیہ خانم تھپیڑوں کی بارش کر دیتیں۔ ڈاکٹر جنید اسے کلیجے سے لگائے رکھتے وہ بھی ان سے چمٹی رہتی۔ شعور کی منزلوں میں قدم رکھ کر بھی وہ ماں کی محبت حاصل نہ کر سکی۔

"پتہ نہیں مجھ سے کیا خطا سرزد ہو گئی ہے جس کی بنا پر امی کا پیار مجھے نصیب نہیں ہوتا۔ میں کس قدر بدقسمت ہوں" ماں کو متوجہ کرنے کے لئے عجیب عجیب حرکتیں کرتی ہوں۔

ہر کام الٹا کرتی۔ مگر انہوں نے کبھی اسے پیار سے نہ سمجھایا بلکہ خوب ڈانٹا اور مارا۔ بچپن کی مار وہ اب تک نہ بھولی تھی۔ ماریں کھا کھا کر ڈھیٹ ہو گئی تھی۔ رقیہ خانم کو اس کے مردانہ وضع کے کپڑے پہننے پر سخت اعتراض تھا تو وہ زیادہ تر انہیں کپڑوں میں نظر آتی۔ سارہ اور ڈاکٹر جنید کی اسے بھرپور حمایت حاصل تھی۔ سارہ میں تو اس کی جان تھی۔ بہن کس قدر مخلص ہستی خدا نے بنائی ہے۔ دونوں کو کبھی یاد نہ تھا کہ کبھی آپس میں لڑی ہوں۔

ڈاکٹر جنید بہنوں کا اس قدر پیار دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے۔ بیوی سے شکایت تھی۔ مگر کچھ نہ کر سکتے تھے۔ ردا سارہ سے ایک سال ہی بڑی تھی۔

یونیورسٹی کے داخلے کے موقع پر رقیہ خانم نے بہت شور مچایا تھا لڑکی پہلے ہی ہاتھوں سے نکلی ہوئی ہے۔ یونیورسٹی جا کر بالکل آؤٹ ہو جائے گی۔ لیکن ڈاکٹر جنید نے ان کی ایک نہ سُنی۔ اسے یونیورسٹی میں داخل کروا دیا تھا۔

اور اب رامین کے آنے سے خاصی چہل پہل سی ہو گئی تھی۔ سارہ اسے بھیا کہہ کر بلاتی۔ لیکن ردا اس سے ڈھنگ سے بات نہ کرتی تھی۔ اور رقیہ خانم اس کی اس بات سے چڑتی تھیں رامین ردا کو بہت پسند کرنے لگا تھا۔ اور ردا کی آنکھوں میں سنہری سپنے جاگنے لگے تھے۔ وہ اسے بہت تنگ کرتا تھا لفظ جادر سے اسے چڑ تھی۔ مگر وہ اکثر جادر کہا کرتا جواب میں وہ اسے ہوائی بیرہ کہتی۔ وہ برا نہ مانتا لہٰذا اسے کہنے میں کچھ زیادہ بھی لطف نہ آتا۔

وہ کوئی دس بجے کے قریب گرم گرم کافی کا مگ لیئے اس کے کمرے میں آئی۔ تو رامین لونگ شوز کی زیپ چڑھاتے ہوئے سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگا۔

"کس نے تمہیں بلایا ہے؟" اس نے چڑایا۔

وہ منہ پھیلا کر جانے لگی۔ تو بالکل اچانک وہ اس کے سامنے آ گیا۔

"کیا مجھے بھگانا چاہتی ہو؟"

اس کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔

"تم بہت پھیلتے جا رہے ہو۔"

"ایمان سے۔" اسے بھی بڑی شرارت سوجھ رہی تھی۔ اور پھر وہ بھی مسکرا دی۔

"اترا بھی نہ جانا سمجھے۔"

"تم بہت یاد آؤ گی جب بھی ملک سے باہر جاؤں گا۔" پھر ایک دم ہی وہ جذباتی سا ہو گیا۔

"سچ۔"

"بالکل سچ۔" اس کی جھیل سی گہرائی والی خمار میں ڈوبی آنکھوں میں وہ ڈوب سا گیا۔ تو ردا نے جھٹ چار لی سینٹ اٹھا کر خود پر ڈھیر سارا اسپرے کر لیا۔ اور مسکرا کے اسے دیکھتا ہی

Waqar Azeem Pakistanipoint.Com

رہ گیا۔

"اس دفعہ ٹوکیو جا رہے ہو؟"

"ہوں" اس نے کلائی کی گھڑی میں ٹائم دیکھا۔

"سنا ہے وہاں گڑیاں بے حد ارزاں ملتی ہیں اگر موقع ملے تو ایک آدھ لے آنا۔"

"ویسے تمہیں گڑیوں سے کیا دلچسپی؟"

"سجاؤنگی اپنے کمرے میں۔" وہ معنی خیز انداز میں بولا۔

"کہاں؟" اس نے دیدے پھاڑ کے کہا۔

"یہ اتنی بڑی بولتی چالتی گڑیا نظر نہیں آتی تمہیں؟" رامین نے اس کی ناک کھینچی۔

"زیادہ فری نہ ہوا کرو۔" وہ خفا ہو گئی۔

"کیا کہنے۔" اس کی خفگی پر وہ ہنس پڑا۔ ایک دم وین کے ہارن کی آواز سنائی دی۔ "اچھا چاؤ اوکے۔" اس نے سوٹ کیس پکڑا۔

"چاؤ ہو گی تمہاری۔" وہ غصے میں جانے کیا کہنے والی تھی۔ مگر رک گئی۔

"ہاں یہ چاؤ میری تو ہے۔" اس نے شوخی سے کہا تو روا بھینپ گئی۔

اس نے اس کا ہاتھ زور سے دبایا۔ اور بازو لہراتا ہوا چلا گیا۔

روا نے خوب سارا سینٹ رامین کے تکیوں پر اسپرے کیا اور ان پر اپنا چہرہ رکھ کر بڑے سرور سے آنکھیں موند لیں۔

وہ بڑے اطمینان سے اسٹینڈ والا چھوٹا سا شیشہ آنکھوں کے نزدیک لئے بروز درست کر رہی تھی کچھ فاصلے پر سارہ کپڑے استری کرنے میں مصروف تھی۔ ساتھ ساتھ کسی نغمے کے بول زبان پر چڑھے ہوئے تھے۔ کام کرتے وقت کچھ نہ کچھ گنگنانا اس کی عادت تھی۔ اس کے مسلسل گنگنانے سے اسے بڑی کوفت ہو رہی تھی۔ مگر وہ جانتی تھی سارہ اپنی عادت سے مجبور ہے۔

"خدا کے واسطے کام کرتے وقت اپنے منہ پر ٹیپ لگا لیا کرو۔ سر ہی درد ہو گیا۔ ایک تو آواز ہی ماشاء اللہ سبحان اللہ ہے۔ اچھے بھلے گانوں کا بیڑہ غرق کر دیتی ہو۔"

"تو تمہیں کیا ہے۔ یہ میری مرضی ہے۔ تم تو چاہتی ہو کہ ہر وقت تمہارے اس ہوائی میرے کا ذکر ہوتا رہے۔" سارہ نے اسے چھیڑا۔

"یہ محبت جب چاہو تو ہوتی نہیں۔ اور جب انسان دامن بچانا چاہتا ہے تو پل میں یوں ہوتی ہے کہ پتہ نہیں چلتا۔ رامن کا تو نام ہی سنا تھا۔ کیا خبر تھی دل کا مہمان بن بیٹھے گا فوراً — ہائے اب اسے نہ دیکھوں تو دل میں پتہ نہیں کیا ہوتا ہے۔" اس نے سرد آہ بھر کر کہا۔

سارہ نے اس لاابالی لڑکی کو دیکھا جو کس شدت سے رامین کو چاہنے لگی تھی۔

خدا کرے رد اکو رامین ضرور ملے۔ وہ بھی تو بڑی شدت سے چاہنے لگا تھا اسے۔

"اے ٹوکیو پھر چلی جانا تیرا ہوائی بیرہ کل ہی تو آ رہا ہے۔" سارہ نے اسے چھیڑا۔

پھر بڑی دیر تک دونوں سہیلیاں باتیں کرتی رہیں۔

رامین کے آنے کا وقت ہو گیا تھا وہ لان میں ادھر ادھر ٹہل کر وقت گذار رہی تھی۔ کبھی گلاب کے پودوں میں آ کھڑی ہوتی۔ پھولوں کو چھیڑتی۔ کبھی سوئیٹ پی کی بیل کے قریب آ کھڑی ہوتی ڈھیروں ننھے منے پھول ہتھیلیوں میں بھرتی پھر انہیں اچھال دیتی۔ وین کی آواز پر اس کے کان کھڑے ہوئے چند لمحوں بعد رامین سوٹ کیس اور اپنی کیپ بغل میں دبائے گیٹ کے اندر تھا۔ وہ لپک کر گئی۔

"میری گڑیا لائے ہو؟" چھوٹتے ہی بولی۔

"سلام نہ دعا گڑیا کی فکر پڑ گئی ہے۔ پہلے اس گڈے کا تو حال پوچھو۔" اس نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا۔

"واہ رے گڈے اتنے خوبصورت ملک سے ہو کر آئے ہو۔ ٹوکیو شہر میں تو تم نے عیش کئے ہونگے۔"

"اس دفعہ تو فرصت ہی کم ملی تھی چاؤ رد۔" بڑی دلداری سے بولا۔

"بکواس نہ کیا کرو۔ چاؤ رد سے چاؤ رد کر دیا۔" اس کا موڈ بگڑا۔

"اے ہے ہے۔" اس نے سر پیٹ کا بھرپور جائزہ لیا۔

آج اس نے اورنج کلر کا شلوار قمیص معہ ڈوپٹے کے زیب تن کیا ہوا تھا۔ وہ کیسی نظروں میں بھی جا رہی تھی۔

"ڈبوں کو کنٹرول میں رکھو۔"

اس کی والہانہ نظروں سے جھینپ گئی۔ چہرہ گلنار ہو گیا تھا۔

"چلو جلدی سے نکالو میری گڑیا۔" رعب جھینپ پر غالب آ گیا۔

"اندر تو چلو۔"

"نہیں نہیں دو۔"

"لو بابا۔" اس نے سوٹ کیس کی چابی اسے پکڑا دی۔ اس نے جلدی جلدی سوٹ کیس کھولا۔ شیشے کے جار میں مقید کیمونو پہنے بڑی خوبصورت سی گڑیا تھی۔ گڑیا لے کر اندر بھاگ گئی۔

رامین کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔ کتنی تھکن ہو رہی تھی، مگر اس موہنی سی لڑکی نے اس کی تھکن منٹوں میں زائل کر دی تھی۔ اتنی سندر سندر سی لڑکی ہے ـــ مگر خالہ جان اسے کیوں نہیں چاہتیں۔ یہ گتھی جب بھی سلجھانے بیٹھتا سلجھتی نہ تھی۔ اب بھی اچانک یہی خیال آ گیا۔

میں بہت جلد اسے اپناؤں گا میرا اور میرے سب گھر والوں کا بے انداز پیار پاکر شاید ماں کے پیار سے تشنہ یہ لڑکی سیراب ہو جائے۔

سوٹ کیس بند کر کے کمرے میں رکھا اور رخ ان دونوں کے کمرے کی سمت کر دیا۔ وہاں سے ردا کی چہچہاتی ہوئی آواز بخوبی اس نے سنی وہ سارہ کو مارے خوشی کے بتا رہی تھی۔

"ہائے چادر و گڑیا تو دیکھ کیسی ڈبنگ ہے۔"

"کبھی تو میرا نام صحیح سے لے لیا کر۔ کبھی سارو۔ چھارو چھارے۔" سارہ بگڑی۔

"سنیئے آنسہ سارہ جنید ہماری گڑیا دیکھیے۔" وہ بڑے ادب سے بولی۔

سارہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ رامین کو بھی ہنسی آ گئی۔ ابھی وہ کمرے سے باہر ہی تھا۔

"کیسی پیاری ہے نا۔" اس کی خوشی سے آواز لرز رہی تھی۔

"اب ایسی بھی پیاری بھی نہیں۔" کمرے میں آ کر بولا۔

"السلام علیکم۔" سارہ نے خوشدلی سے سلام جھاڑا۔

"وعلیکم السلام۔" اس نے خوب کھینچ تان کر جواب دیا۔

"کیوں بھئی یہ جیتی جاگتی گڑیا زیادہ اچھی ہے یا یہ بے جان۔" اس نے ردا اور گڑیا کی سمت اشارہ کیا۔

"اوہ ہو۔ گڑیا۔" سارہ نے مذاق اڑایا۔

"بتاؤ بھی۔" وہ بضد تھا۔

"میری ردا گڑیا سے بڑھ کر تو دنیا میں کوئی شے پیاری نہیں، یہ بے جان گڑیا بھلا کس مقابلے میں۔" اس نے ردا کو اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

"میری چھارو۔" اس نے جواب میں اسے اتنی زور سے بھینچا کہ اس کی چیخ نکل گئی۔

"میری چھارے اور ڈیڈی مجھ سے اتنا پیار کرتے ہیں جس کی کوئی حد نہیں۔ پتہ نہیں امی کو مجھ پر پیار کیوں نہیں آتا۔ ہر وقت خونخوار نظروں سے گھورتی رہتی ہیں جیسے جیسے میں ان کی اولاد نہیں ہوں اللہ واسطے میری پرورش کی ہو۔ میری یادداشت جہاں تک کام کرتی ہے، میں نے کبھی امی کو نہیں دیکھا کہ انہوں نے مجھے پیار کیا ہو۔ ماں کا پیار کیا ہوتا ہے مجھے نہیں معلوم۔ اگر شاید کبھی احساس ہو جائے تو یقین کر سارے میرا دم اسی وقت نکل جائے خوشی سے۔" ہنستی کھلکھلاتی ردا ایک دم سنجیدہ ہو کر غم سے ٹوٹی آواز سے بولے چلی گئی جس میں آنسوؤں کی نمی بھی کہیں سے آ گئی تھی۔

"مریں تمہارے دشمن۔ ہم ردا کو بہت جلد اپنی نگری کی ملکہ بنائیں گے۔ پھر یہ چادر مسز رامین۔ بیگم رامین ہوائی بیرہ کہلائے گی۔"

وہ ردا کے درد پر تڑپ اٹھا۔ اس کے چہرے پر غم کی پرچھائیاں لمحے بھر کو نہ دیکھ سکا۔ اگر تھوڑی دیر یہ لڑکی یونہی بولتی رہی تو جانے کیا کر بیٹھے گا۔ شاید رقیہ خانم سے جھگڑا کرے کہ اس معصوم کو ماں کا پیار کیوں نہیں دے رہیں ـــ پھر بات جانے کہاں پہنچے۔ کہیں الٹا ہی اسے برا بھلا نہ کہہ دیں۔ ناچاقی وغیرہ ہو جائے تو معاملہ لمبا پڑ جائے۔ لہٰذا خود کو کنٹرول میں لا کر بڑی شرارت سے اس کا دھیان ہٹانے کو کہہ دیا۔

"منہ دھو کر رکھو۔" ردا نے شرما کر سارہ کے شانے پر سر رکھ دیا۔

سارہ کا ہاتھ اس کے سر پر آ گیا جو ہولے ہولے لرزنے لگا تھا۔

ہلکی ہلکی پھوار صبح سے پڑ رہی تھی۔ بادلوں سے آسمان ڈھکا ہوا تھا۔ گرد سے پاک پھوار میں نہائے ہوئے پودے بڑی سرمستی میں جھوم رہے تھے۔ کچھ دیر پہلے پھوار بند ہوئی تھی ردا نے اپنے لیے چوری بنائی دو مونگ کی دال والے پاپڑ تلے اور بڑے اہتمام سے لان میں بڑے سے کشن پر بیٹھی تھی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی بڑی مدھ بھری سی ہوائیں چل رہی تھیں۔ وہ کانٹے سے چوری منہ میں ڈالتی اس کے بعد پاپڑ بھی ٹھونس

WaqarAzeem Pakistanipoint.com

بیتی۔ اس قسم کے موسم میں چوری اور پاپڑ کھانے میں بہت مزہ آتا۔

"تو یہ ٹھاٹ ہیں چادر کے۔" رامین اسے کھڑکی میں سے دیکھ کر چلایا۔

اور

ایک سیکنڈ بعد وہ لان میں تھا۔

"کیوں کیا تھا چادر۔"

کانٹا اس زور سے اس پر مارا وہ بڑی صفائی سے ایک طرف ہو گیا۔

"چوری کھاؤ گے؟" اس نے پلیٹ اس کے سامنے بڑھائی۔

"کیوں، کیوں نہیں۔" اس نے پلیٹ کھینچی۔

"یہ چوری سے تمہارا کیا تعلق۔" رامین نے بڑا سا نوالہ پاپڑ کے ساتھ منہ میں رکھا۔ "ایسے موسم میں یا بدولت کی پسندیدہ ڈش یہی ہوتی ہے" گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹا کر ہلکے ہلکے ہلتے ہوئے بتایا۔ "تم ایسے موسم کی بات کر رہی ہو، اسے مجھے تو یہ ہر موسم ہر ٹائم کھانا پسند ہے۔"

"تم نے بتایا کیوں نہیں؟"

"اب بتا دیا۔" وہ نوالے پر نوالہ چڑھاتا جا رہا تھا۔ "بڑی مزے دار ہے۔"

"تمہارے لئے تھوڑی بنائی ہے ساری دبائے جا رہے ہو۔" ردا نے کھڑے ہو کر پلیٹ چھیننے کی کوشش کی۔

"مل کے کھاتے ہیں اتحاد و تنظیم سے۔" اس نے پلیٹ اونچی کی۔

"اب کہہ رہے ہو اتحاد و تنظیم سے کھائیں گے جبکہ ساری ہضم کر لی۔" اس نے شکایت کی۔

"میں نے کھائی تم نے کھائی بات تو ایک ہی ہوئی۔" وہ شوخی سے بولا۔

"اب میں پکوڑے کھاؤں گی سارہ بڑے شاندار بنا رہی ہے۔ اور تم منہ چلانا۔"

اس کی آواز پر قوس۔ قزح کے تمام رنگ اس کے چہرے پر بکھر گئے تھے انہیں رنگوں کے درمیان جواب شرارت سے دے ہی دیا۔

"بدلہ لے رہی ہو۔ یہ لو بابا۔" رامین نے پلیٹ اسکی طرف بڑھائی۔ ایک مناسا نوالہ اور ذرا سا پاپڑ تھا کوئی لمحہ ضائع کئے بغیر نوالہ منہ میں رکھ لیا۔ رامین نے نظر بھر کر اس معصوم سی لڑکی کو دیکھا۔ سیاہ زمین پر پھیلے پھولوں والی مردانی اسٹائل کی قمیض شلوار میں بڑی کیوٹ لگ رہی تھی۔ نرم نرم سے بال ہوا سے منتشر ہو رہے تھے، اس کے چہرے پر اسقدر بھولپن تھا کہ دیکھنے والا مسحور ہو اٹھتا۔

"کیا گھور رہے ہو۔" اس کی نگاہوں کی گرمی پا کر اس نے بوگن ویلیا کی قرمزی پھولوں سے لدی ٹہنی کو پکڑ کر ایک جھٹکے سے چھوڑا، پانی کے قطرے اس پر آ پڑے۔

"تمہیں کون گھور رہا ہے۔" رامین اس کے آتشیں چہرے پر نظریں گاڑے کھڑا تھا۔ تو ردا نے ڈالی کو پکڑ کر زور سے ہلا دیا۔ پانی کے قطروں کی زد سے رامین بھی نہ بچ سکا۔

"ہر ادا قاتل ہر ادا نرالی۔" وہ ترنگ میں آیا۔

"بہت پھیلنے لگے ہو ہوائی بیسکر۔" نازک نازک ہاتھوں کا کنول سا بنا کر جھینپی۔

"موڈرن ہیر رانجھا۔" سارہ ان دونوں کے قریب آ کر چلائی، اس کے ہاتھ میں پکوڑے کی پلیٹ اور چٹنی کا پیالہ تھا۔

"اوئے چار و تو جیئے۔" ردا نے چٹنی کا پیالہ منہ سے لگا لیا۔ دو چار گھونٹ پیئے۔ پھر تینوں نے مزے لے لے کر پکوڑے کھائے۔ سارہ اور ردا نے باقی بچی چٹنی باری باری پیالے سے منہ لگا کر پی۔

وہ رامین کی کسی بے حد شریر بات پر بے ساختہ ہنستی ہوئی ڈرائینگ روم سے نکلی۔ دروازے پر رقیہ خانم اسے مل گئیں۔ انھوں نے اس بری طرح سے گھورا کہ کھلکھلاتی ہوئی ردا کی آواز یک دم حلق میں دب گئی۔

"لڑکیوں کا اسقدر شوخ ہونا مجھے سخت ناپسند ہے سمجھیں تم، ہر وقت رامین کے ساتھ ٹھٹھے، زیادہ ہی بدتمیز ہو گئی ہو۔ ہمارے خاندان میں لڑکیوں کو اتنی ڈھیل نہیں دی جاتی جو تم نے خود بخود حاصل کر رکھی ہے۔ ہر وقت اس کے کام کرتی رہتی ہو۔"

انہوں نے اکثر رامین کی یونیفارم پر اسے استری کرتے ہوئے دیکھا تھا کبھی وہ اس کی قمیض کے بٹن ٹانک رہی ہوتی کبھی پینٹ کے ادھڑے ہوئے بیل پر تر پائی کر رہی ہوتی۔

"سارہ سے کہا کرو اس کے کام کرے، تمہیں جہاں ڈھیل ملتی ہے آپے سے باہر ہو جاتی ہو۔"

حالانکہ وہ سارہ کو کہتی تھیں رامین کے کام کرنے کو سارہ اس کے سارے کام ردا پر ڈال دیتی تھی اور اس کے

چھوٹے چھوٹے یہ کام ردا کو بہت اچھے لگتے تھے۔ غصے میں مگر وہ بی آواز سے اسے ڈانٹ رہی تھی۔

"میں نے کیا کیا ہے جو آپ میرے پیچھے پڑی رہتی ہیں مجھے کبھی تو پیار سے سمجھا دیا کریں۔" وہ رندھی آواز سے بولی۔

"اونہہ پیار سے۔" انہوں نے قہر آلود نظروں سے اسے دیکھا۔

"رامین کا کام کرنا اتنی کوئی بری بات نہیں۔ اب وہ عورتوں والے کام کرنے سے تو رہا۔"

"میں زیادہ منہ ماری پسند نہیں کرتی، ادب سے بات کیا کرو۔" وہ پھٹکار کر چلی گئیں۔

میری امی ہیں تو ان سے پیار بھری ڈانٹ بھی نہیں کھا سکتی۔ اس کی آنکھوں میں پانی سا تیر گیا۔ یہ چاہتی ہیں سارہ رامین کے کام کرے میں نہ کروں۔

اس کا دماغ جھنجھنا گیا۔ وہ رامین کو کتنا چاہتی تھیں جیسے سارہ پر صدقے واری جاتی تھیں ویسے ہی رامین پر مجھ سے بہتر ہے، میرا کیا قصور ہے۔ ماں کا پیار نہ پا کر میرے اندر کتنی حسرت سی بھری رہتی ہے۔ میں شرارتیں کر کے اپنا غم غلط کرتی ہوں ورنہ میری جیسی سنجیدہ لڑکی شاید ہی کوئی ہو۔ مگر میں کیا کروں اپنا کھوکھلا پن چھپانا چاہتی ہوں۔

وہ دھیمے دھیمے قدموں سے اپنے کمرے میں آگئی بیڈ پر پڑی دیر تک ہولے ہولے روتی رہی۔ پھر اس کا کتنے دن موڈ خراب رہا۔ رقیہ خانم جب اسے بری طرح ڈانٹتی تھیں تو اسے یکدم چپ سی لگ جاتی، کمرے سے نہ نکلتی، یونیورسٹی جانا گول کر جاتی۔ اس کے لاشعور میں خواہش تھی، کاش میرے اس طرح چپ رہنے پر امی استفسار کریں گی، پیار سے میرا منہ چوم لیں گی اور میں کھلکھلاتی ہوئی ان سے زور سے لپٹ جاؤں گی۔

مگر

اس کی یہ شدید ترین آرزو حسرت ہی بنی رہتی رقیہ خانم نے کبھی اس کے چپ رہنے پر کچھ نہ کہا، اور اب بھی یہی حال تھا وہ منتظر تھی۔

آخر دو ہی بیٹیاں ہیں مگر ایک کے ساتھ ماں کا سلوک بے حد شفیق دوسری کے ساتھ سوتیلیوں والا رویہ۔

وہ اور سارہ معہ ڈاکٹر جنید کے اسے منا منا کر تھک گئے وہ نہ مانی۔ جو ازل سے چاہتی تھی وہ نہ ہوا تو ایک خود ہی ہنستی کھلکھلاتی کمرے سے نکل آئی۔

"اوہ میرے خدا شکر ہے تیرا۔ پورے آٹھ دن بعد تمہارے چہرے پر ہنسی آئی ہے۔ کیا بے وقوفی کی تھی تم نے۔"

"مجھے دورہ پڑا تھا چپ شاہ کا۔" وہ ہنسی اور ہنستی چلی گئی۔ مگر دل خون کے آنسو رو رہا تھا کہ اچانک کسی نے ہلکے سے دھپ لگائی۔

"اے مسٹر ہوائی بیرہ کمبل ہونے ہونے کی کوشش نہ کیا کرو سمجھے۔" وہ کمر پر ہاتھ رکھ کر رعب سے بولی۔

"[illegible]" وہ بھی اسی کے انداز سے کھڑا ہو کر اسی کے لہجے میں بولا۔

ردا نے منہ چڑایا۔

"ماشاءاللہ بڑی حسین ترین لگ رہی ہو۔" اس نے مذاق اڑایا۔

"کسی سے کم بھی نہیں۔" وہ اترائی۔

"خوش فہمی ہے محترمہ کو۔ اچھا زیادہ باتیں نہ بناؤ۔"

"شیزان چل رہے ہو۔"

"ایک شرط ہے واپسی پر جوڑی معہ پارٹی کے بنا کر دو گی۔ پھر مجھے رات کی فلائٹ کے ساتھ کوپن ہیگن روانہ ہونا ہے۔"

"بنا دیں گے یاد ہی کرو گے۔" اس نے سخاوت دکھائی۔

اور یوں ردا کی بوریت دور ہو گئی تھی۔ رقیہ خانم کی نوکخواہ نظروں میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ ردا دل مسوس کر کر دن بھٹکتی رہتی۔

"کاش مجھے امی کبھی تو پیار سے پکار لیا کریں۔" حلق میں آ پھنسنے والے آنسوؤں کے پھندوں کو نگلتے ہوئے دل سے بڑبڑائی۔ بیڈ سے کود کر ماں کی آواز پر باہر گئی۔

رامین نے گہرا سانس لے کر سوچا کہ میری بھی تو دو بہنیں ہیں مگر امی ان دونوں کو یکساں چاہتی ہیں اس گھر میں الٹا سسٹم ہے، ایک بیٹی سے شدید محبت اور دوسری سے شدید نفرت۔ اس کی وجہ؟ وجہ تو بظاہر کچھ نظر نہیں آتی۔ تکیے کو مروڑنے لگا جو ردا نے اس پر دے مارا تھا۔

وہ بڑی تیزی سے سیڑھیوں کی سمت لپکی جا رہی تھی۔

"اسے" وہ اس کے سامنے آگیا۔

اس کے لفظ "اسے" میں بڑی التجا تھی۔

"فرمائیے۔" ہتھیلیاں کمر پر ٹکا کر بولی۔

شوکنگ پنک امریکن جارجٹ کے شلوار کرتے میں

Waqar Azeem
Pakistanipoint.Com

بے پناہ اچھی لگ رہی تھی۔ حسین آنکھوں میں اکلومل پنسل غضب ڈھا رہی تھی۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔

"چوڑی بنا دو نا۔"

"ارے واہ۔ مجھ سے نہیں بنتی روز روز۔ سارو سے کہو۔" اس نے صاف انکار کر دیا۔

"نہیں بناؤ گی؟" اس کے انکار پر بڑی معصومیت سے کہا۔

"ایمان سے اتنے ہاتھ جلتے ہیں تم کو کیا خبر۔" ردا کا دل اس کی معصومیت پر پسیج گیا اس نے بہانہ تراشا۔

"بنکاک جا رہا ہوں۔"

"وہ تو اکثر جاتے ہو۔" اس نے لاپرواہی سے بائیں شانے کو جنبش دی۔

"کیا خبر وہاں سے اللہ میاں نے اپنے پاس کھینچ لیا تو؟" اس نے شریر لہجے سے آنکھیں پھیلائیں۔

"اچھا بابا بنا دیتی ہوں۔" اور وہ اسے اپنے ہمراہ کچن میں لے آئی۔

وہ کام کر رہی تھی اور وہ اُسے مسلسل دیکھے جا رہا تھا۔ ردا کا چہرہ گلگوں تھا۔

"ہوں تو یہ بات ہے۔" سارہ پاؤں مارتی ہوئی کچن میں آئی اس کی شریر آواز پر دونوں چونکے۔

رامین نے تیوریاں چڑھا کر سارہ کو گھورا۔

"کیا آفت تھی یہاں آنے کی۔ سارے رومانس کا بیڑا غرق کر دیا۔ دھمک گئیں آکر۔"

"آئے بڑے کہیں کے فلمی ہیرو۔" اس نے منہ چڑایا۔

"او بے ہوشو۔ ہائے توبہ۔ تمہارے رومانس میں روٹی کا ہوگیا۔" سارہ نے سیاہ جلی ہوئی روٹی توے سے اتاری۔

"یہ تو ساری جل گئی۔" ردا ہولے سے بڑبڑائی۔

"اور گھومو تخیلات کی وادیوں میں۔ روٹی ہانڈی تو ہوگی چوپٹ۔" روز جلا ہوا کھانا کھایا کرنا دونوں۔" وہ شرارت سے بولی۔

"تمہیں دعوت پھر بھی نہیں دیں گے بے فکر رہو۔" رامین نے چھیڑا۔

"توبہ کرو جی۔ میں تو جب بھی آؤں گی تمہارے گھر کھانا پانی ساتھ لایا کروں گی۔"

"ضرورت ہی کیا ہوگی ہمارے گھر آنے کی۔" رامین کو یہ ذکر بڑا پر لطف لگا۔

"میں اپنی ردا کے گھر آیا کروں گی آپ کے نہیں۔"

"یہ تو ہونگی مابدولت کی بیگم صاحبہ انڈر اسٹینڈ۔"

"اوہو بیگم صاحبہ۔ ارے میاں نوشے بہن تو میری ہی ہوگی۔"

اور پھر یہ محفل برخاست ہوئی۔

سارہ بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے کوئی میگزین پڑھ رہی تھی۔ وقفے وقفے سے اسے بھی دیکھ لیتی اس کی کیفیت میں کوئی فرق نہ آرہا تھا۔

"مراقبے میں ہو یا بنکاک میں۔" سارہ اس کی اس پوزیشن سے اکتا کر میگزین مار کر بولی۔

ردا چونک کر مسکرائی۔ میگزین روک کر ہولے ہولے اپنی پیشانی پر مارنے لگی۔

"کدھر ہو بھئی۔ یونیورسٹی کی بھی چھٹی مار لی۔"

"موڈ نہیں تھا۔" اس نے سستی سے بازو پھیلا کر زوردار جمائی لی۔

"بات کیا ہے؟" سارہ اس کے قریب نیم دراز ہوگئی

"چھاروہیں یہ سوچ رہی تھی بلکہ بہت دنوں سے سوچ رہی ہوں۔ رامین اور میں کبھی ایک دوسرے کے نہیں ہوسکیں گے۔"

"ارے تمہارے دماغ کے اسکرو تو ڈھیلے نہیں ہوگئے۔"

"امی یہ ہرگز نہ ہونے دیں گی۔ میں جانتی ہوں انکی عادت کو۔ میری کوئی بات انھیں سرے سے پسند ہی نہیں ہے اور پھر یہ خواہش کہاں پسند کریں گی۔ پھر بھلا میرا اور رامین کا بیاہ کیسے کریں گی۔" اس نے گھٹی گھٹی سی آواز میں کہا۔

"میں کروں گی تم دونوں کی شادی۔"

"ہر کام امی کی مرضی کے بغیر کیا میں نے۔ یونیورسٹی کے وہ خلاف تھیں۔ مگر تمہاری اور ڈیڈی کی حمایت حاصل ہوگئی۔ ہر وقت میری مخالفت کرتی ہیں۔ اور اب شادی کے معاملے میں بھی مجھے تمہاری اور ڈیڈی کی حمایت حاصل ہوگی۔۔۔ امی ناخوش رہیں گی۔ کیا کبھی میری ماں کو مجھ پر پیار نہ آئے گا۔ یہ حسرت میں دل میں لئے اس دنیا سے اٹھ جاؤں گی سارو۔" وہ گلوگیر لہجے میں بولی۔

ردا کی بات پر سارہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

Waqar Azeem Pakistanipoint.Com

"میں جانتی ہوں۔ امی کی مرضی ہے تمہاری شادی رامین سے ہو۔"

"یہ ہرگز نہیں ہو سکتا خدا کی قسم رامین میں مجھے بھائی کا عکس نظر آتا ہے۔ وہ میرا بھائی ہے یہ بات تم نے سوچی کیسے" سارہ خفگی سے بولی۔

"مجھے صاف نظر آتا ہے۔"

"امی چاہتی ہیں بس رامین سے بات نہ کروں۔" وہ بیحد دکھ سے بولی۔

"رامین واپس آئے گا اس نے پروگرام بنایا ہے۔ پنڈی سے خالہ جان کو لائے گا۔ فوراً بات چیت طے ہو گی۔ دیکھ لینا چٹ منگنی پٹ بیاہ ہو جائے گا۔ میری ردا کتنی پیاری لگے گی۔ رامین بھائی بہت اچھے ہیں تمہیں کبھی کوئی دکھ نہیں ہو گا۔"

"دکھیوں کو دکھ کا کیا احساس ہوتا ہے۔ میرا دکھی من کبھی نہیں بہل سکتا جب تک یہ ماں مجھے پیار سے اپنے سینے سے نہیں لگا لیتیں مرنے کے بعد بھی میری روح بے قرار رہے گی۔ نہ دنیا میں سکھ نہ اگلے جہاں میں۔" وہ کھوئی کھوئی سی بولی۔ پھر سوگوار سی آنکھیں سارہ پر ڈالیں "جب تمہیں امی اپنے سینے سے لگا لیتی ہیں اور پیار بھری گفتگو کرتی ہیں میرا اس وقت دل چاہتا ہے کاش میں سارہ ہوتی۔"

سارہ چپ تھی اس بات کا جواب اس کے پاس نہیں تھا۔

"سارہ بیٹی۔ سارہ جی۔ جان بیٹے سنو تو۔" باہر سے رقیہ خانم کی پکار سنائی دی۔

ردا کے لبوں پر عجیب سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

"اسے امی کتنے پیار سے پکارتی ہیں۔"

سارہ اٹھ کر چلی گئی تھی۔

ردا نے کئی مکے تکیے پر مارے اور تکیوں کے گرد باہیں پھیلا کر ہولے سے سسک اٹھی۔

وہ پاپڑ آہستہ آہستہ کھاتی ہوئی گانے سن رہی تھی۔

"پنڈی چل بھی ہو۔" رامین نے کمرے میں آ کر کہا۔

"نو سر" اس نے ٹانگیں ہلاتے ہوئے کہا۔

"نہ سہی۔ امی، ثانیہ، سامیہ میرے ساتھ آئیں گی۔" اسکے ہاتھ سے پاپڑ چھین کر قریبی صوفے پر ڈھیر لگا دیا۔

"وہ لوگ تو سب آ جائیں گے پھر کیا فائدہ۔ ان کے آنے کی بھی تیاریاں کرنی ہیں۔"

"ہاں تیاریاں تو زبردست ہونی ہیں، کیا پتہ ہم بات چیت کے بعد سیدھے سیدھے دولہا بن جائیں تو کیا مضائقہ ہے۔"

"منہ دھو کے رکھو۔" وہ بے اختیار جھینپ گئی۔

"دھلا دھلایا ہے، ویسے تمہیں کوئی اعتراض تو نہ ہو گا۔" وہ اس کی سمت قدرے جھکا۔

ردا نے پلکوں کو ہلکی سی جنبش دی۔ وہ لائٹ بلو شلوار قمیض میں بے پناہ وجیہہ لگ رہا تھا قمیض کے کھلے بٹنوں سے سونے کی زنجیر معہ لاکٹ کے جھانک رہی تھی اس لاکٹ میں چھوٹا سا قرآن شریف تھا جو وہ ہر وقت پہنے رہتا تھا۔

"تم کتنے خوش قسمت ہو، خالہ جان نے کتنی محبت سے یہ قرآن شریف پہنایا ہو گا۔"

"ہاں۔" وہ سچائی سے بولا "جب سے میں فلائٹ اسٹیوارڈ بنا ہوں تب سے انہوں نے میرے گلے میں ڈالا ہے۔"

"میں کتنی بدقسمت ہوں۔ امی نے کبھی کوئی دعا مجھ پر دم نہیں کی۔ بیمار میں بھی ہوتی ہوں اور سارہ بھی۔ امی سارہ پر قرآن کی دعائیں پڑھ پڑھ کر دم کرتی رہتی ہیں۔ میں اتنی بیقرار ہوتی ہوں کہ کیا بتاؤں۔ میری دیکھ بھال ڈیڈی اور سارہ کرتے ہیں۔ امی کبھی کبھار کمرے میں آ کر جھانک جاتی ہیں۔" اس کی پلکیں بتاتے بتاتے نم ہو گئیں۔

رامین کو اس دکھی سی لڑکی پر بے اختیار بے پناہ ترس آ گیا۔

"تم میری امی کو اپنی ماں سمجھنا، انکے پیار میں کبھی کمی نہ آئے گی۔ تم اب دکھی ہونا چھوڑ دو۔" رامین نے بڑے پریم سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

"اگر خالہ جان سامیہ اور ثانیہ کو چاہتیں۔ اور تم پر ذرا توجہ نہ دیتیں اور الٹا تم پر برستی رہتیں تو تمہارا کیا ردعمل ہوتا۔"

"میں ماں کی ناراضگی کسی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتا امی سے مجھے بہت پیار ہے۔"

"اب تم خود ہی میری پوزیشن کا خیال کرو۔ میں کیسا تڑپتی ہوں بس دل چاہتا ہے اپنا خون کر لوں۔ اور دیکھ لینا شاید کسی دن ایسا بھی ہو جائے۔" مصمم ارادے سے بولی۔

"پاگل ہوئی ہو کیا۔ تم نے اگر اپنا خون کر لیا تو یہ ناچیز کیا کرے گا"

"عیش کرے گا اور کیا کرے گا" ردا نے ایک دم قہقہہ لگایا۔

وہ کھوکھلے قہقہے پر چپ سا ہو گیا۔

آج یونیورسٹی میں دیر سی ہو گئی تھی۔ چھ بجے کے قریب بے حد تھکی تھکی سی لوٹی۔ گاؤن فائل کے نیچے تہہ کیا ہوا تھا۔ وہ امی ڈیڈی کے قریب سے گذر کر اپنے کمرے کی سمت جانے لگی مگر ٹھٹک گئی۔ قدم زمین سے چپک سے گئے اندر دونوں باتیں کر رہے تھے۔ رابعہ (راہین کی امی) نے لکھا ہے ردا کو بہو بناؤں گی اس سلسلے میں آ رہی ہیں۔ انہیں خبر نہیں ہم دونوں کی اولادیں کھری سید ہیں۔ لو اپنے خون ہیں ہم غیر کا خون بھلا کیونکر شامل ہو سکتے ہیں۔ رقیہ خانم نے کہا۔

"یہ تم کیوں بھول جاتی ہو کہ ردا ہماری بڑی بیٹی اور سارہ چھوٹی" رقیہ خانم نے اطلاع دی۔ ردا نے ہونٹ بڑے زور سے دانتوں میں دبا لیے۔ کھڑکی کے پٹ کو مضبوطی سے تھام لیا، اور کان کمرے میں ہونے والی باتوں پر لگا دیئے۔

"یہ تو رحم کھا کر اس کی پرورش کر دی تھی ورنہ سمجھے تو اس لڑکی سے ہمیشہ گھن آتی ہے۔ اللہ جانے کس کا خون ہے اس کی رگوں میں دوڑنے والا خون پاک بھی ہے کہ نہیں۔ میں نے آپ کو منع کیا تھا مت۔ گود لیں"

"ردا کے خلاف میں ایک لفظ بھی نہیں سن سکتا" وہ میری سگی بیٹی ہے ساری دنیا جانتی ہے" ڈاکٹر جنید کی آواز میں غصے کی آمیزش شامل ہوئی۔

"صرف آپ نے اپنی قسم دے کر میرا منہ بند کر رکھا ہے ورنہ میں سب کو بتا دیتی یہ لڑکی ہمیں ایران کے ایک گاؤں کے زلزلے میں ملی تھی۔ بے یار و مددگار، ماں باپ تو ملبے میں دب کر مر گئے تھے۔ بلکہ پورے خاندان میں یہی بچی۔ میری قسمت میں جو لکھ گئی تھی۔ صرف ہمدردی میں گود لے لیا تھا" رقیہ خانم نے نفرت سے کہا۔

"میں نے تو آپ کو صلاح دی تھی کسی یتیم خانے میں دے دیں۔ مگر آپ پر ثواب حاصل کرنے کا بھوت سوار تھا۔ ہم اسے بیٹی بنائیں گے اور کسی کو بتائیں گے نہیں کہ لاوارث بچی ہے۔ اب دیکھ لیا نا ہماری بیٹی کے حق پر ڈاکہ ڈال دیا ہے نا اس نے۔ حالانکہ ہم بہنوں کا ہمیشہ سے وعدہ تھا اپنے بچوں کی آپس میں شادی کریں گے۔ میں تو آج خط لکھتی ہوں ردا ہماری بیٹی نہیں ہے۔ اللہ جانے کس کا خون ہے۔ اللہ واسطے اس کی پرورش کر دی ہے اس کا اور کہیں بیاہ کر دیں گے۔ جانے ذات پات کیا ہے اس کی"

"تم رابعہ بہن کو یہ نہیں بتاؤ گی کہ ردا ہماری بیٹی نہیں تم نے شک سارہ کا رشتہ راہین سے طے کر دینا۔ مگر خدارا یوں نہ کہنا۔ میری بچی یہ سن کر جانے کیا کر بیٹھے" وہ گڑگڑائے۔

"اس نامراد نے راہین کو اپنے قابو کر رکھا ہے۔ اس لڑکی کے لچھن ٹھیک نہیں۔ اب دیکھو یہ وقت ہو گیا ہے یونیورسٹی سے لوٹی نہیں"

"رقیہ تم سوتیلی ماں سے بھی بڑھ کر ظالم نکلی ہو۔ تم نے اس لڑکی کو کبھی پیار نہیں کیا۔ وہ کڑھتی ہے۔ کبھی دکھاوے کے طور پہ اس کے سر پہ شفقت بھرا ہاتھ پھیر دیا کرو"

"اوہ میرے خدا۔ تو..... تو یہ بات تھی۔ میں ایک بے سہارا لڑکی ہوں"

اس کے ذہن میں سرخ سرخ سی آندھیاں چلنے لگیں "میری رگوں میں دوڑنے والا خون پھر کس کا ہے؟ میں سارہ کا حق مار رہی ہوں۔ تو میں کون ہوں؟ مجھے جنم دینے والے کون تھے؟"

اس کی آنکھوں تلے اندھیرا سا چھانے لگا۔ جلدی جلدی فائل کے ورق پلٹائے۔ ان میں سے بلیڈ نکل آیا۔ فائل گاؤن وہیں گلے میں پھینکا۔ ہتھیلی میں زور سے بلیڈ مارا درد کی شدید لہر حلق سے نکلی۔ مگر درد کی پرواہ نہ کی بڑے جنونی انداز سے بلیڈ مارتی گئی۔ کلائیوں پر، ہتھیلیوں پر۔ پھر سارہ کے پاس آئی۔

"یہ خون" سارہ اس کے ہاتھ میں بلیڈ دیکھ کر ٹھٹکی۔ "کیوں زخمی کر رہی ہو خود کو۔ کتنا خون نکل رہا ہے"

"پتہ نہیں کس کا خون ہے بہنے دو"

"ردا تم پاگل تو نہیں ہو گئیں" سارہ نے بھاگ کر اپنا دوپٹہ اس کے ہاتھوں پہ ڈالا۔

"پھاڑو" وہ درد دبا کر بڑے پیار سے پکاری۔

"ردا" سارہ اس کے انداز پہ گھبرائی "کک... کیا ہوا؟"

"سارہ میں تیری بہن نہیں۔" اس نے موٹے موٹے آنسو بہاتے ہوئے بڑی حسرت سے کہا۔ "مجھے آج خبر ہوئی۔"

"یہ جھوٹ ہے جھوٹ ہے۔" سارہ اس سے لپٹ کر بلک اٹھی۔

"میں جانتی ہوں تمہیں پتہ تھا۔ بولو سارہ۔" ردا نے خون بھرے ہاتھوں سے اس کے شانے جھنجھوڑ دیئے

"ہاں مجھے پتہ تھا۔"

"تو تم مجھ پر ترس کھا رہی تھیں۔"

"میرے پیار کو ترس کہہ رہی ہو، تم جو مجھے جان سے بڑھ کر عزیز ہو۔"

"ہاں اس کا مجھے احساس ہے۔ جب ہی تو اپنے ہونے والے منگیتر کو بخوشی میرا دولہا بنانے کو تیار ہو گئیں تھیں۔ چھارو ردا اتنی بے حس نہیں۔ تمہارا منگیتر تمہیں مبارک۔" اس کے شانے چھوڑ کر بلیڈ سے کلائی میں لائنیں سی کھینچتی گئی۔

"بتا اے سرخ خون تو کس کا ہے۔ بول، بتاتا کیوں نہیں۔" وہ دیوانگی سے بول رہی تھی۔

"امی! ڈیڈی! سارہ چیخ چیخ کر ان کو پکارنے لگی۔

ڈاکٹر جنید، رقیہ خانم سارہ کی وحشت بھری چیخ پر جلدی سے کمرے میں آئے۔ مگر دروازے پر ٹھٹک گئے۔

"بٹو۔" ڈاکٹر جنید اس وحشت بھرے منظر کو دیکھ کر بیتاب ہو گئے۔

"مجھ پر ترس کھایا گیا تھا نا۔ آپ بے فکر رہیں آپ کی بیٹی کا حق نہیں ماروں گی۔ مجھے پہلے بتا دیتے میں اپنی حیثیت کے مطابق رہتی۔"

"یہ بلیڈ مجھے دو بیٹی۔" ڈاکٹر جنید لپکے۔ مگر ردا کئی قدم دور ہو گئی۔ کلائیوں اور ہتھیلیوں سے خون نکل نکل کر اس کے سفید کپڑے رنگ رہا تھا۔ زمین پر گر رہا تھا۔

"ردا تمہیں خدا کا واسطہ بلیڈ پھینک دو نہیں تو میں مر جاؤں گی۔" سارہ چلائی۔

"نہیں۔ تم اکلوتی اولاد ہو۔ خدا تمہیں سدا سلامت رکھے۔ میں ہی فالتو ہوں۔ اگر میں ختم ہو جاؤں تو میری ماں خوش ہو گی۔" وہ طنزیہ انداز سے ہنسی۔

بہت خون نکل رہا تھا۔ نقاہت سے تن بدن لڑکھڑا رہا تھا۔

"رقیہ اس نے ہماری باتیں سن لی ہیں۔ میری بٹو کو کچھ ہو گیا تو میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا اسے تم روک سکتی ہو؟"

رقیہ خانم نے ردا کی صورت دیکھی۔ لمحہ بہ لمحہ اسکا رنگ زرد ہو رہا تھا۔ کتنا معصوم حسن تھا اس کا۔ اچانک بالکل اچانک جانے کہاں سے مامتا پھڑک اٹھی۔

"مجھے بتا دے کوئی یہ خون کس کا ہے؟" نقاہت بھرے لہجے سے وہ بڑبڑائی۔

"ردا میری بچی۔ تو میرا خون ہے۔ میں تیری ماں ہوں۔ مجھے معاف کر دے۔ میں نے کبھی تجھے پیار نہیں کیا۔ مگر اب تو میری جان بن کر رہے گی۔ آ میری بیٹی۔" وہ کتنے پیار سے پکار رہی تھیں۔ اتنے پیار سے جس کی وہ سدا سے تمنائی تھی جس کا اسے انتظار تھا۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے بھاگ کر انکے سینے سے جا لپٹی اور بڑے آرام سے آنکھیں موند لیں۔ جسم ڈھل سا گیا۔

"ردا۔" وہ بیقراری سے پکاریں۔ ڈاکٹر جنید اور سارہ نے ردا کے گرتے جسم کو سنبھالا۔ "یہ سو گیوں گئی؟" رقیہ خانم بڑبڑائیں۔

"امی یہ ردا کو کیا ہو گیا؟"

اس کے دل کی دھڑکن خاموش ہو گئی۔ اور یکدم سارہ کے کانوں میں کبھی ردا کے کہے ہوئے جملے گونج اٹھے۔

"ماں کا پیار کیسا ہوتا ہے مجھے نہیں معلوم۔ اگر شاید کبھی احساس ہو جائے تو یقین کر سارہ میرا دم اسی وقت نکل جائے خوشی سے۔"

تو.... تو ردا کی بات سچ نکلی۔ ماں کا پیار ملتے ہی اس کا دم نکل گیا۔

"ردا۔" وہ چیخ کر اس سے لپٹ گئی۔

ڈاکٹر جنید کانپ اٹھے۔ ان کی لاڈلی بٹو بڑے آرام سے سو گئی تھی، اس کے سرہانے کھڑے مجسموں کی طرح روپڑے رقیہ خانم کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے انکا دل کوئی مٹھی میں لے کر مسل رہا ہو۔ کلیجے میں آگ بھڑک رہی ہو۔ سرہانے بیٹھی اسے مسلسل تک رہی تھیں۔ محبت، چاہت مامتا کے چشمے پھوٹ رہے تھے۔

یہ تو میری بڑی پیاری بیٹی تھی۔ ردا آنکھیں کھولو۔ دیکھو بیٹا

پریشان نہ کر۔ میرا دل بیٹھا جا رہا ہے۔"

ان کا ذہن ماؤف ہو رہا تھا۔ دل اس کی موت کو کسی طرح قبول نہ کر رہا تھا اس کی لاش سے لپٹی پاگلوں کی طرح روتی سارہ کو دیکھ رہی تھیں۔ ڈاکٹر جنید بیڈ کی پشت پکڑے بغیر آواز کے رو رہے تھے۔

"امی۔ یہ..... یہ ہمیشہ کے لئے سو گئی ہے۔ اب میری روا کبھی نہیں اٹھے گی۔ امی یہ مر گئی ہے۔" سارہ ماں کو جھنجھوڑ رہی تھی۔

پرسا دینے والوں سے گھر بھر گیا تھا کسی کو یقین نہ آ رہا تھا روا مر گئی ہے۔ مگر جس نے اپنی آنکھوں سے ابدی پرسکون نیند سوتی سفید کپڑوں اور پھولوں کے ہاروں میں ڈھکی اس شوخ سی لڑکی کو دیکھا تو یقین کرنا پڑا۔

اسے آخری آرام گاہ میں پہنچانے کے سارے انتظام ہو چکے تھے۔

رقیہ خانم کو اب یقین ہوا تھا کہ روا مر گئی ہے۔ وہ کبھی سر پیٹتیں، کبھی سینہ کوبی کرتیں، دیواروں سے سر ٹکرا رہی تھیں، آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی تھی۔ دو بار تو غش کھا گئی تھیں۔

لوگوں کا اک ہجوم دیکھ کر خوشی و مسرت سے آتا ہوا رامین ٹھٹکا۔ رابعہ نے بڑی خوشی سے روا کو بہو بنانا تسلیم کر لیا۔ بہنیں خوشی سے دیوانی ہو گئی تھیں انکی من پسند لڑکی ان کی بھابی بن رہی تھیں۔ منگنی کے سارے انتظامات مکمل کر کے انہوں نے ایک دو روز بعد آنا تھا۔ رامین کی چھٹیاں ختم ہو گئی تھیں اسے آج ڈیوٹی پر حاضر ہونا تھا۔

چھوٹے بھیا۔ روا بی بی کا ہارٹ فیل ہو گیا۔" ملازم بھاگا آیا۔

وہ دیوانوں کی مانند بھاگ کر اندر آ گیا۔

"روا۔" وہ کفن میں لپٹی اپنی چاہت کو دیکھ کر چلا اٹھا۔

"اٹھ جاؤ روا اب۔ یہ تمہارا دولہا آ گیا۔" رقیہ خانم نے روا کا بازو ہلایا۔ "یہ مر گئی ہے رامین۔ میری روا مر گئی ہے مجھ سے شکایت تھی اسے میں پیار نہیں کرتی اور جب پیار کیا تو یہ مر گئی۔ چھوڑ گئی مجھے۔" وہ تڑپ تڑپ کر رو رہی تھیں۔

"یہ کیا ہو گیا سارہ۔ بولو یہ کیوں ہوا؟ اسے تم نے کیوں مرنے دیا؟" اس نے سارہ کو جھنجھوڑ دیا۔

"میں کیا بتاؤں رامین بھائی۔ آناً فاناً مر گئی میری بہن۔ اسے معلوم ہو گیا تھا وہ میری سگی بہن نہیں۔"

"کیا۔؟" رامین چیخ اٹھا۔

"تو یہ تمہاری بہن نہیں تھی؟"

"ہاں رامین بھائی۔" مختصراً رو رو کر بے حال ہوتے ہوئے اس نے اسے تمام حالات سے آگاہ کیا۔ "میں نے اسے بہنوں کی طرح چاہا پھر بھی یہ مجھ سے روٹھ گئی۔"

رامین کا ذہن یوں لگ رہا تھا جیسے کرچی کرچی بکھر جائے گا۔ اتنی شوخ مگر اندر سے اتنی ہی دکھی لڑکی اس دنیا فانی سے کوچ کر گئی تھی۔ وہ دیوانہ ہونا چاہتا تھا۔ مگر نہ ہو سکا بس گم سم سا ہو گیا۔ اپنی متاع حیات کو سپرد خاک کرنے کے لئے ہجوم میں سب سے پیچھے سر جھکائے چلا جا رہا تھا۔


نادرہ خاتون کا نیا ناول

# شعاع

جو اکتیس مہینوں تک خواتین ڈائجسٹ میں چھپتا رہا اور جس کی ہر ہر قسط کے انتظار میں بہنیں بیقرار رہیں

اب کتابی صورت میں چھپ کر تیار ہے۔

قیمت ۲۰ روپے

خواتین ڈائجسٹ

اردو بازار۔ کراچی۔۱

# کانٹوں کی سیج

سچی کہانی

انوری بانو

میں کتنی خوش نصیب ہوں ــــ !

آہ میں کتنی بدنصیب تھی۔

بانو مجھے ماضی کی زخمی زخمی وادیوں میں لے جانا چاہتی ہے اور میں ان کانٹوں بھرے راستے پر کئے ہوئے طویل سفر کو اپنے ذہن کی پرسکون پگڈنڈیوں پر مسلّط نہیں کرنا چاہتی۔ لیکن بانو ــــ میری سہیلی ــــ میری بہن ــــ اس کے دل پر انکار کا نشتر چلانے کا حوصلہ بھی نہیں مجھ میں۔

میرا ماضی ــــ کانٹوں کی سیج کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اس میں شعلے ہی شعلے ہیں پتھر ہی پتھر ہیں ٹھوکریں ہیں، زخم ہیں، رستے ہوئے زخم ــــ وجود میں درد و اذیت پھیلاتے ہوئے زخم .... جن پر مرہم رکھنے والا کوئی نہ تھا لیکن نمک چھڑکنے کیلئے سب ہی تیار۔

میری ماں بھی بدنصیب تھی۔ وہ بھی ساری عمر کانٹوں اور تپتے صحراؤں میں چلتی رہی۔ شادی کے چند سال بعد ہی میرے والد پر فالج کا اتنا شدید حملہ ہوا کہ علاج نے گھر کا صفایا کر دیا۔ لیکن پھر بھی وہ بستر سے نہ اٹھ سکے۔ اس وقت میں صرف تین سال کی ننھی منی سی بچی تھی۔ مجبوری میری ماں کو کئی دروازوں پر لے گئی اور وہ گھر گھر کام کاج کر کے ہمارا پیٹ پالنے لگی وقت کا پھیر ان کے چہرے کی سرخیاں لوچ کر زردیاں پھیلاتا اور جسم کی نزاکتیں نگلتا ہوا گردش کرتا رہا۔ اور میں دس سال کی ہوگئی۔

ہم غریبوں کے نصیب میں لکھنا پڑھنا کہاں۔ خدا بھلا کرے بیگم سلیمان کا کہ ماں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے جب میں ان کے دروازے پر پہنچی تو اس اولاد کی پیاسی نے مجھے ماں کا پیار دیا۔ ان کے گھر کا کام کر کے فارغ ہوتی تو مجھے پڑھانے لگتیں۔ ان کی محنت اور میرے شوق نے مجھے پانچ سالوں میں لکھنے پڑھنے اور گفتگو کرنے کے سلیقے سے آشنا کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس مجسمۂ خلوص نے مجھے نیکی و شرافت کے ایسے زیور سے آراستہ کیا جو آج بھی میری زندگی کا انتہائی قیمتی سرمایہ ہے۔

میری والدہ شاید تھک گئی تھیں زندگی کے پر پیچ اور پتھریلے راستوں پر چلتے ہوئے۔ اس کی ٹڈلول جسم اور روح نے شاید مزید بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیا تھا۔ تبھی تو اس نے ایک روز بڑی خاموشی سے آنکھیں موند لیں۔ اور اپنا بوجھ بھی میرے سر پر رکھ دیا۔

میرا باپ مجھ سے بہت پیار کرتا تھا ــــ لیکن ایک روز پتہ چلا کہ وہ تو ایک بیوپاری ہے۔ جو مجھے اپنی دوکان کا قیمتی اور نفع بخش مال جان کر پسند کرتا ہے صرف پانچ ہزار روپے کے عوض اس نے مجھے بیچ دیا۔ اور میرے خریدار نے خود پر خاوند کا لیبل چسپاں کر کے پوری دنیا کو اتنا خوبصورت فریب دیا کہ میری آہ و بکا بے اثر ہو کر رہ گئی۔ اور جب میں اپنے "بابل" کے گھر سے رخصت ہو کر نئی دہلیز پر پہنچی تو میرے لاشعور میں چھپی ہوئی مشرقی عورت بیگم سلیمان کی تربیت کی مضبوط بیساکھیوں کا سہارا لے کر میرے سامنے آ کھڑی ہوئی اور میں نے اپنا سر جھکا دیا۔

لطیف ــــ میرا خاوند ــــ میرا مجازی خدا ــــ اس دنیا میں تنہا تھا۔ بالکل میری مانند۔ میں بھی تو تنہا ہی تھی۔ ماں کے بعد میرا اس دنیا میں رہ ہی کون گیا تھا ــــ کیا باپ ــــ لیکن وہ میرا باپ تو ہرگز نہیں تھا۔ وہ تو بیوپاری تھا ایک خالص بیوپاری ــــ جس نے پانچ ہزار منافع لے کر مجھے فروخت کر دیا تھا۔ لیکن خود بھی تو زیادہ دیر زندہ نہ رہ سکا۔ چار ماہ اور گیارہ دن بعد ہی اس نے بھی سفید کفن پہن لیا۔

دو کمروں پر مشتمل صاف ستھرا گھر تھا۔ پڑھنے کے لئے بیشمار کتابیں ــــ خاوند کا پیار ــــ اچھا کھانا ــــ اچھا پہننا ــــ کیا کچھ تھا

Nagar Azeem
Pakistanipoint.Com

جو مجھے میسر نہیں تھا۔ میرا خاوند دن کا زیادہ وقت گھر پر ہی گزارتا اور سرِ شام ہی گھر سے نکل جاتا ——— رات گئے واپس آتا اور تھکاوٹ کا بہانہ کر کے فوراً ہی سونے کے لئے لیٹ جاتا۔ اور صبح ہوتے ہی پچاس ساٹھ روپے میری ہتھیلی پر رکھ دیتا۔

میں نے کئی بار پوچھا آخر ایسا کون سا کام ہے جس سے وہ رات کو چند گھنٹوں میں ہی اتنے پیسے کما لیتا ہے تو اس نے ہمیشہ ایک ہی جواب دیا۔

"شہر میں میرا ایک اچھا خاصہ ہوٹل ہے۔ کئی ملازم کام کرتے ہیں۔ میں شام کو صرف چند گھنٹے وہاں بیٹھتا ہوں۔ اور حساب لے کر واپس آجاتا ہوں"

میں کہتی "تم دن کے وقت بھی ہوٹل پر بیٹھا کرو۔ کیا خبر ملازم ہیرا پھیری کرتے ہوں" مگر وہ جواب دیتا "سارے ملازم ایماندار ہیں اور میرے بارہا کے آزمائے ہوئے۔ وہ کبھی ایسا سوچ بھی نہیں سکتے" اور میں چپ ہو جاتی۔

زندگی بہار کا کوئی جانفزا جھونکا تھی۔ ہر طرف مسرتیں ہی مسرتیں تھیں۔ جتنا کچھ مجھے حاصل تھا اس سے بڑھ کر میں سوچ ہی نہیں سکتی تھی۔ لیکن ——— نہ جانے کیوں میرے ذہن میں

ہر پل ایک اضطراب سا کروٹیں لیتا رہتا کوئی انجانا سا خدشہ میرے دل پر کچوکے لگاتا رہتا۔ اور مجھے یہ سب کچھ غیر فطری سا محسوس ہوتا۔ اکثر ایسا لگتا جیسے یہ ایک طویل حسین خواب ہے۔ ابھی کوئی پل جاتا ہے، میری آنکھ کھل جائے گی اور میں ایک بے آب و گیاہ صحرا میں تنہا رہ جاؤنگی۔ جہاں کسی راستے کا نشان نہ ہوگا۔ کوئی منزل نظر نہ آ رہی ہوگی۔ میرا کوئی مونس و غمخوار نہ ہوگا۔ بھوک ہوگی، پیاس ہوگی اور —— ہر لمحے میری جانب بڑھتی ہوئی اذیتیں۔

اپنی اس انجانی ذہنی تکلیف دہ خلش کا اظہار میں نے کئی بار اپنے خاوند سے بھی کیا۔ لیکن اس نے ہر بار میرا مذاق اڑایا اور اسے میرے وہم سے تعبیر کرتے ہوئے بات ختم کر دی۔ میں بھی خاموش ہو جاتی کہ شاید یہ میرا وہم ہی ہو کیونکہ چھ ماہ کا طویل عرصہ گذرنے کے باوجود کوئی قیامت نہ ٹوٹی تھی۔

شادی سے پہلے میرے خاوند نے اس محلے میں نیا مکان لیا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اہلِ محلہ کے ساتھ میرے مراسم بڑھتے ہی جا رہے تھے اور زندگی بڑے پرسکون انداز میں ایک مخصوص ڈگر پر رواں دواں تھی۔ ایک ماہ مزید گزر گیا اور پھر ایک روز —— کہ شام ہوئے زیادہ دیر نہ گزری تھی۔ میرے ذہن کو ڈسنے والی خلش ایک بھیانک روپ دھار کر میرے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

پولیس نے میرے خاوند کو جیب تراشتے ہوئے رنگے ہاتھوں گرفتار کر لیا تھا۔ مجھے یہ خوفناک خبر پہنچانے والا محلے کا ہی ایک بچہ تھا۔ بچہ چلا گیا۔ میری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا مگر اوجھل کہاں ہوا تھا۔ میری آنکھوں میں ہی تاریکیاں اتر آئی تھیں۔ میرے کان ہی بہرے ہو گئے تھے۔ میرے اپنے ذہن میں ہی سناٹے پھیل گئے تھے۔ کوہ ہمالیہ مجھ پر گر پڑا تھا اور میرا وجود ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گیا تھا۔ روح تک کچلی گئی تھی۔

کچھ خبر نہیں کہ رات کب بیتی —— کیسے بیتی —— ؟ دن کب طلوع ہوا —— ؟ کون کون صورتحال دریافت کرنے یا اظہارِ افسوس کرنے آیا ؟ میرا ذہن تو جیسے الٹ کر رہ گیا تھا۔ انتہائی کوشش کی کہ سوچیں کسی ایک نقطہ پر مرکوز ہو جائیں۔ لیکن کرچی کرچی سوچیں میرے ذہن سے پھسل پھسل جاتی تھیں۔ اور میرا وجود اب تک اتنا سنسنا چکا تھا کہ اب بالکل سن ہو کر رہ گیا تھا۔ برف کی مانند اور بے حس۔

بہت سی عورتیں آئیں —— انہوں نے بہت کچھ کہا لیکن میری زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔ تین روز گزر گئے اور جب چوتھے روز دروازہ پر دستک ہوئی تو میرے ذہن میں بپھری ہوئی طوفانی لہریں پرسکون ہو چکی تھیں۔ میری سوچوں نے ایک سمت تلاش کر لی تھی مجھے منزل کے نشان نظر آ گئے تھے میں نے دروازہ کھولا تو میرا خاوند زرد چہرہ لئے جھکی نظروں کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ اس نے ایک بار بھی نظر اٹھا کر میری جانب نہ دیکھا تھا۔ میں بھی خاموشی سے دوسرے کمرے میں آ کر چارپائی پر گر پڑی۔ میرے ذہن میں ایک بار پھر طوفان سر اٹھانے لگا۔ زبان کچھ کہنے کے لئے مچلنے لگی۔ لیکن میں نے خود پر جبر کئے رکھا اور کمرے میں ہی دور کہیں خلاؤں میں جھانکتی رہی۔ شاید ایک گھنٹہ گزر گیا تھا۔ وہ میرے پاس آیا۔ ایک کرسی پر بیٹھ کر کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ چند منٹ بعد اس نے اپنا جھکا ہوا سر اٹھایا۔ اور آہستہ آہستہ کہنے لگا۔

"رشیدہ —— ! تم سوچ رہی ہوگی کہ میں نے تمہارے اعتماد کو دھوکا دیا ہے۔ تم یہ سوچنے میں حق بجانب ہو۔ لیکن میں بھی اپنے دل کے ہاتھوں مجبور تھا۔ حالات نے مجھے ایسی غلاظت میں لا پھینکا تھا کہ میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل ہی نہ رہا تھا۔ لیکن میرے دل میں ایک خواہش تھی۔ ایک گھر کی خواہش —— جہاں ماں باپ کی شفقت نہ سہی، لیکن بیوی کا پیار تو ہو، بچوں کی معصوم شرارتیں ہوں —— لہٰذا میں نے اپنے اس خواب کو تکمیل سے آشنا کرنے کے لئے یہ گھر بنایا تمہیں اس گھر کی زینت بنایا —— لیکن آج قدرت نے مجھے ایسے بھنور میں لا پھنسایا ہے کہ تم سے نظر ملانے کا حوصلہ نہیں مجھ میں"

اسکی باتوں نے مجھے کافی حوصلہ دیا۔ اور میں امید افزا لہجے میں بولی۔

"لیکن تم اس راستے کو ترک بھی تو کر سکتے ہو۔ ابھی تک کچھ نہیں بگڑا۔ چند ماہ بعد تم ایک بچے کے باپ بن جاؤ گے۔ ذرا سوچو تو سہی کہ کیا اسے بھی اپنے ہی نقش قدم پر چلاؤ گے ؟"

"رشیدہ —— ! میرا کردار آئینے کی مانند تمہارے سامنے ہے اگر تم یہ کہو کہ اس راستے سے واپس آ جاؤں تو کان کھول کر سن لو کہ اب میں اتنا دور نکل آیا ہوں کہ واپسی ناممکن ہے۔ مجھے کوئی راستہ ہی نظر نہیں آتا جو مجھے میری معصومیت واپس دے دے ——"

"میں تمہیں راستہ دکھاؤں گی لطیف —— ! ہم دونوں مل کر اپنی دنیا کو نئے سرے سے بنائیں گے ——"

"نہیں رشیدہ —— یہ کبھی نہیں ہو سکتا" لطیف نے فیصلہ کن انداز میں کہا اور اٹھ کھڑا ہوا —— میں نے کافی منت سماجت کی لیکن اسے کسی فیصلے سے ذرا بھی نہ ہلا سکی۔ اور پھر میں نے اپنا فیصلہ

اس کے کانوں میں انڈیل دیا۔

"تو پھر کان کھول کر سن لو لطیف ۔۔۔! آج کے بعد میرا تمہاری کمائی سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ میں اپنی ضروریات اپنی محنت سے پوری کروں گی ۔۔۔۔۔۔ اگر تم میرا ساتھ نہیں دینا چاہتے تو نہ سہی ۔۔۔۔۔۔ لیکن ہمارے راستے جدا ہوں گے"

اس نے مجھے دنیا کے نشیب و فراز سے آگاہ کر کے اپنے فیصلہ سے ہٹانے کی انتہائی کوشش کی۔ لیکن میں تو اپنی زندگی کا فیصلہ کر چکی تھی۔ جگہ جگہ بکھرے ہوئے کانٹے اور پتھر میرے عزم میں خوف کا عنصر شامل نہ کر سکے تھے۔ لہٰذا اسی دن سے میں اپنے نئے سفر پر نکل کھڑی ہوئی۔

میں نے محلے کے کئی دروازوں پر دستک دی۔ لیکن ایک جیب کترے کی بیوی کو بھلا کون اپنے گھر ملازم رکھتا ۔۔۔ ایک دن گزر گیا۔ تقریباً ہر گھر سے چلائے ہوئے نشتر میرے وجود کو چھلنی کرتے رہے۔ اور میں خاموشی سے دوسرے دروازے کی جانب چل دیتی۔ دوسرے روز میں نے شہر کے دور دراز علاقے کا انتخاب کیا اور شام تک در در کی ٹھوکریں کھانے کے بعد آخر ایک گھر میں روشنی کی کرن نظر آئی۔ اور میرے فاقہ زدہ چہرے پر زندگی مسکرانے لگی۔ چالیس سالہ مسز طاہر با اخلاق خاتون تھیں۔ میں نے انہیں ہر بات صاف صاف بتا دی تھی۔ انہوں نے میری ڈھارس بندھائی اور مجھے کھانا کھلانے کے بعد پچاس روپے ایڈوانس دے کر اگلے روز کام کے لئے آنے کا کہہ دیا۔

ایک عجیب سا سکون ملتا تھا مجھے اس گھر میں کام کرتے ہوئے۔ مسز طاہر بہت مہربان تھیں مجھ پر طاہر صاحب بھی بہت شریف انسان تھے۔ ایک ماہ سکون سے گزر گیا۔ اور پھر ایک دن مسز طاہر کسی شادی میں شرکت کے لئے کراچی چلی گئیں۔ انکی ایک بیٹی تو ان کے ساتھ ہی گئی تھی۔ جبکہ دوسری امتحانات کی وجہ سے رک گئی تھی۔ وہ بھی کالج جا چکی تھی اور میں گھر پر اکیلی ہی مختلف کاموں میں مصروف تھی کہ اچانک باہر کار رکنے کی آواز سنائی دی۔ چند لمحوں بعد ہی طاہر صاحب اندر داخل ہوئے اور اپنے کمرے کی جانب بڑھتے ہوئے مجھے چائے لانے کا حکم دیا۔ چائے لے کر پہنچی تو وہ فرشتہ سیرت انسان شیطان کے روپ میں میرے سامنے آ گیا میں کس طرح اس شیطان کے پنجے سے نکلی ۔۔۔ یہ ایک طویل داستان ہے ۔۔۔ گھر پہنچی تو خوف میرے پورے وجود میں قطرہ قطرہ ٹپک رہا تھا۔ اگلا روز گھر پر ہی گزر گیا۔ لطیف بھی گھر پر ہی تھا لیکن اس موضوع پر ہمارے درمیان کوئی گفتگو نہ ہوئی۔ دوسرے روز میں پھر گھر سے چل دی۔ لیکن میرا رخ اس شیطان کے گھر کی بجائے کسی نئے دروازے کی جانب تھا۔ شام تک میں نے ایک گھر تلاش کر ہی لیا لیکن یہاں تنخواہ بہت کم تھی مگر میرے لئے یہ سہارا ہی کافی تھا۔ دن گزرتے رہے اور وقت آہستہ آہستہ آگے ہی آگے بڑھتا گیا ۔۔۔۔۔۔

اور پھر قدرت نے ایک روز میری جھولی میں چاند سا بیٹا ڈال دیا۔

کچھ رقم میرے پاس تھی۔ میں نے یہ وقت اسی پس انداز کی ہوئی رقم سے گزارا۔ اپنے خاوند کے اصرار کے باوجود میں نے اس سے ایک پیسہ بھی نہ لیا۔ بچے کی پیدائش کے بعد جب میں دوبارہ کام پر جانے لگی تو مجھے کافی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ کمزوری نے مجھے نچوڑ کر رکھ دیا تھا اور پھر کام کے ساتھ ساتھ بچے کی نگہداشت کرنا بھی ایک جان لیوا کام تھا ۔۔۔۔۔۔ لیکن میں نے کسی سے ایک لفظ بھی نہ کہا ۔۔۔ مجھے کوئی گلہ نہیں تھا، کوئی شکوہ بھی نہیں تھا کسی سے ۔۔۔ سانس لئے بغیر مسلسل کام مجھے دن بدن کمزور بنائے جا رہا تھا۔ میرا خاوند مجھے کئی بار واپس آنے کو کہہ چکا تھا لیکن میں نے ہر بار ایک ہی جواب دیا کہ اگر تم اپنا راستہ نہیں چھوڑ سکتے تو مجھ سے بھی اسکی توقع نہ رکھو۔"

میری ہر کروٹ کانٹوں پر گزر رہی تھی لیکن اس اذیت میں بھی مجھے ایک عجیب سی راحت کا احساس ہوتا تھا۔ کچھ عرصہ بعد میرا خاوند ایک بار پھر پکڑا گیا۔ مگر چند دن بعد ہی ضمانت پر رہا ہو کر آگیا۔ میں نے اسے سمجھانے کی ایک بار پھر کوشش کی۔ پاؤں تک پکڑے لیکن میری باتیں چکنے گھڑے پر پانی کی بوندیں ثابت ہوئیں۔

چند ماہ مزید گزر گئے۔ سردی کے دن تھے۔ میری ہمسائی اللہ رکھی کا اکلوتا بیٹا شدید بیمار تھا اس کا خاوند ایک سال پہلے فوت ہو چکا تھا۔ اور وہ بھی میری طرح مختلف گھروں میں کام کاج کر کے پیٹ پال رہی تھی۔ ایک شام میں بچے کی مزاج پرسی کے لئے گئی تو دیکھا کہ اسکی حالت بہت بری ہے شدید نمونیہ تھا اسے۔ اگر مناسب دیکھ بھال یا علاج نہ ہوتا تو اس کا بچنا ناممکن ہی تھا۔ باتوں ہی باتوں میں پتہ چلا کہ کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھانے کے لئے اس کے پاس پیسے نہیں ہیں۔۔

میں پریشان سی ہو گئی۔ میرے پاس کل تین روپے کی پونجی تھی۔ میرے دل و دماغ میں عجیب سی کشمکش جاری تھی۔ اس کا بچہ مجھے سفید کفن میں لپٹا دکھائی دے رہا تھا اور ساتھ ہی میری نظروں کے سامنے میرا بیٹا آکر کھڑا ہو جاتا اور میرا وجود جیسے انگاروں پر تڑپنے لگتا۔

اس روز میرا خاوند بھی گھر پر ہی تھا۔ میری کیفیت اس سے ڈھکی چھپی نہ تھی۔ لیکن اس نے کافی وقت گزر جانے کے باوجود مجھ سے کچھ نہ پوچھا تھا۔ گھر پر ایک عجیب سا کربناک سناٹا مسلط تھا سناٹا کافی دیر سے سو رہا تھا۔

آخر لطیف نے مجھ سے اس پریشانی کا سبب پوچھ ہی لیا۔ اور جب میں نے بچے کی بیماری کا بتایا تو اس نے اسی وقت پچاس پچاس روپے والے دو نوٹ نکال کر میری ہتھیلی پر رکھ دیئے اور میں ـــ کچھ دیر کے لئے جیسے ساکت ہو کر رہ گئی۔ عجیب سی ذہنی کیفیت تھی میری سوچیں دو متضاد سمتوں میں کھنچ رہی تھیں۔ اور میرا جسم ریزہ ریزہ ہو کر بکھر رہا تھا۔ لیکن جب اس بچے کی صورت میری نگاہوں کے سامنے گھومی تو میں نے بے خودی کے عالم میں دونوں نوٹ پکڑ لئے اور اس کے پاس پہنچ گئی۔ لیکن میں نے جیسے ہی روپے اس کی جانب بڑھائے۔ اسی لمحہ اس نے پگھلا ہوا سیسہ کانوں میں انڈیل دیا۔

"میں اس حرام کی کمائی میں سے ایک پیسہ بھی اپنے بیٹے پر خرچ نہیں کروں گی۔ اس سے بہتر تو یہ ہے کہ میرا بیٹا مر جائے ـــ ـــ اور میں کوئی جواب دیئے بغیر واپس چلی آئی۔

اپنے خاوند کے ہاتھ پر دونوں نوٹ رکھتے ہوئے وہی سیسہ اس کے کانوں میں انڈیل دیا ـــ نوٹ میرے خاوند کے ہاتھ میں ہی تھے اور اس کے چہرے پر کئی رنگ مچل رہے تھے آنکھیں پتھرا سی گئیں تھیں۔ اور زبان پر گویا فالج گر گیا تھا۔

سناٹا ٹوٹ کر رونے لگا تو میں اس کے پاس چلی آئی۔ میرے ذہن میں ایک طوفان مچا ہوا تھا۔ میرے خاوند کی کیا حالت تھی۔ اس کا مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا۔ البتہ اتنا اندازہ ضرور لگا سکتی تھی کہ اس کے دل و دماغ میں بھی کشمکش ہو رہی ہوگی۔ لیکن مجھے ایسی کوئی خوش فہمی نہیں تھی کہ وہ اس کو اس راستے سے ہٹا دے گا۔

تھوڑی دیر بعد ہی ہمسائے کے گھر سے رونے کی آواز ابھری میں بے چین سی ہو کر اٹھی اور وہاں جا کر علم ہوا کہ بچہ زندگی سے ناتا توڑ کر موت کی آغوش میں جا پہنچا ہے۔ اپنے خاوند کو واپس آکر بتایا تو پھر بھی وہ خاموش رہا ـــ میں اسی وقت ہمسائے کے ہاں چلی گئی محلے کے دوسرے لوگ بھی آ گئے تھے ـــ رات کی سیاہی اور خاموشی میں ہی بچے کو لے جا کر دفنا دیا گیا۔

شب بھر میرا خاوند نہ سو سکا۔ میں دوسرے کمرے میں اسکی اضطراری کیفیت کو بخوبی محسوس کر رہی تھی۔ سگریٹ کا دھواں اس کے کمرے سے نکل کر باہر ٹھنڈی فضا میں تحلیل ہو رہا تھا اور رات آہستہ آہستہ اپنے انجام کی جانب بڑھ رہی تھی۔

صبح کا سپیدہ نمودار ہوا تو میں گھر کے کاموں میں مصروف ہو گئی۔ ناشتہ تیار کر کے اس کے سامنے رکھا اور دیکھا کہ اسکی آنکھیں انتہائی سرخ ہیں۔ پتہ نہیں یہ شب بھر نہ سونے کی وجہ سے سرخ تھیں یا رونے کی وجہ سے۔ اسکے چہرے سے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی طوفان اپنی شدتیں پھیلانے کے بعد گزر چکا ہے۔

لطیف نے خاموشی سے ناشتہ کیا اور میں برتن وغیرہ سنبھال کر بچے کو لے کر اپنے کام پر جانے کے لئے چلنے لگی اور جیسے ہی اس کے کمرے کے سامنے سے گزری اسی وقت اس نے مجھے آواز دی۔ میرے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے اور میں سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ وہ اپنے کمرے سے باہر نکلا اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے میرے سامنے پہنچ کر میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر آہستگی سے بولا۔

"رشیدہ تمہیں کام پر جانے کی ضرورت نہیں۔ تم گھر پر ہی رہو۔ آج سے میں جایا کروں گا۔ میں مزدوری کروں گا۔ اور آئندہ کبھی اپنے پرانے راستے پر نہ جاؤں گا ـــ"

یہ سنتے ہی میرے جسم میں مسرت خیز لہریں دوڑنے لگیں۔ اور ـــ اور ـــ جب شام کو میرے خاوند نے چہرے سے پسینہ پونچھتے ہوئے دس روپے میرے ہاتھ پر رکھے تو ان میں سے اٹھنے والی خوشبو میں اس کے پسینے اور محنت کی مہک شامل تھی۔

شبِ تاریک میں اچانک چمک اٹھنے والی یہ کرن آج بھی میرے ذہن میں روشن ہے۔ گو ہمارے پاس بہت زیادہ دولت نہیں۔ لیکن ایک عجیب سا سکون ضرور ہے۔ جس میں ہر طرف راحت ہی راحت ہے۔ اور میرا ماضی کانٹوں ـــ کی سیج ـــ تو آج میرے ذہن سے محو ہو چکا ہے۔

# چوکیدار

خالدہ ادیب

سچی کہانیاں

لوگ تو اسے چوکیدار کے نام سے جانتے تھے لیکن اس کے سینے کے اندر کا ناسور کوئی نہ دیکھ سکا حالانکہ اُسکی تلاش کا مرکز یہی تھا کہ معاشرے کی غنڈہ گردی اور جرائم کی گرفت سے نا صرف معاشرے کو بچاتے بلکہ اپنی حقیقی آگ کو بھی سرد کرے جو اسے کبھی نہ ختم ہونے والی اذیت میں مبتلا کر گئی ہے۔

غریبوں کی بستی میں جب رات دھیرے دھیرے اترنے لگی اور مست خرام ہوائیں سبزہ زاروں کی بھینی بھینی مہک لئے بڑی سبک روی سے چلنا شروع ہو گئیں کہ محنت کشوں کو مدھر سُروں میں لوریاں دیکر سُلا سکیں اور انہیں چند ثانیہ کے لیئے ہر فکر و تردد سے آزاد کر دیں۔

لیکن مجو اس قدرتی بہلاوے میں آنے والی ہستی نہ تھی اس کے نزدیک تو یہ احساسات چمن میں اپنی پنکھڑیوں میں سمٹ کر رہنے والی کلی کی طرح تھے بھلا کہاں بادِ صبا کے ذرا سے لمس سے چٹک جانے والی کلیاں اور کہاں فولادی چٹان مجو جس پر نہ ہواؤں کی نرمی اثر کر سکتی تھی اور نہ ہی دھوپ کی شدت سے جھلس سکتی تھی

وہ اس وقت تنگ و تاریک کٹیا میں فرش پر ملگجی سی دری کو بچھائے لیٹا تھا اور ذہنی کشمکش میں مبتلا تھا وہ اپنی زندگی کے مسائل و یکسانیت کو ایک نیا موڑ دینا چاہتا تھا۔

" قریب ہی اس کی بیوی بجو لیٹی تھی دونوں اپنی سوچوں میں مگن تھے اس کے علاوہ بجو گہری شخصیت کی مالک تھی اور ایسے لوگوں میں تھوڑا بہت اکھڑ پن آ ہی جاتا ہے کافی دیر بعد جب وہ اپنے خیالات سے اُبھری تو گہری خاموشی میں ابھرتی مجو کی کلائی پر بندھی گھڑی کی ٹک ٹک سے اُکتا کر بولی۔

"مجو تیری گھڑی کی ٹک ٹک سے مجھے نفرت ہے آخر تو اسے بیچ کیوں نہیں دیتا یہ رات کی خاموشی میں ایسا شور کیوں مچاتی ہے۔ جیسے دماغ پہ ہتھوڑے برس رہے ہوں" تو مجو نے اس کے قریب سے اپنا ہاتھ اٹھا لیا اور دیئے کی مدہم روشنی میں گھڑی کی جانب دیکھتے ہوئے بڑے پیار سے سمجھایا۔

"اری گھڑی نہ ہوگی تو ہم مجدوری پر کیسے جائیں گے یہ تو بڑے کام کی چیز ہے وقت بتاتی ہے کہ کتنا گزر گیا اور کتنا باقی ہے"

لیکن اس نے مجو کی تفصیلی گفتگو پر کوئی اہمیت نہ دی اور بڑی گہری سوچ سے ابھری تو سہم کر مجو کی کلائی اپنے ہاتھوں میں تھام لی اور گھڑی کی سوئی غور سے دیکھ کر بولی۔

"جانے کیوں گھڑی کے ان دو ہاتھوں سے خوف سا آ رہا ہے دیکھ تو رے جب سے ہماری بیٹی عاشی پیدا ہوئی ہے اُس وقت سے یہ تیرے پاس ہے اور اب عاشی جوان ہے اور ہم بوڑھے ہو چکے ہیں اتنا سارا وقت اس کی ٹک ٹک نے سمیٹ لیا ہے" مجو اس کی بات کی گہرائی تک نہ پہنچ سکا اور سادگی سے بولا۔

"اری مجھے تو تیری کوئی بات سمجھ نہیں آتی آخر تو کہنا کیا چاہتی ہے" اور وہ جھلا کر اصل مقصد پر آ گئی۔

"میں کہتی ہوں عاشی کا بیاہ کر دے ورنہ عاشی کے بیاہ کا لمحہ بھی اس ناگن نے نگل لیا تو کیا کرے گا۔"

وہ ایک دم ہی بات کی تہہ تک پہنچ گیا اس کی انا و پندار کا بت ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گیا۔ اس کا ذہن اُلجھ گیا آنکھوں میں کرچیاں سی بھر گئیں یوں محسوس ہوا گھڑی کی دو سوئیاں آنکھوں میں کھبی جا رہی ہوں اور اس کا فیتہ ناگ کی طرح کلائی میں لپٹتا جا رہا ہو مارے وحشت کے اس کی آنکھیں پھٹ گئیں کیسے کرے گا وہ عاشی کا بیاہ ۔۔۔ عاشی کا بیاہ ۔۔۔۔ عاشی کا بیاہ ۔۔۔۔ اس کی بازگشت نے اسے پاگل بنا دیا وہ اُٹھ کر جنونی حالت میں ٹہلتے ہوئے سوچنے چلا گیا۔

زندگی گزارنے کے لئے صرف پیٹ کی آگ بجھا لینا کافی نہیں ہے اس کے علاوہ تن ڈھانپنا اور کچھ فرائض ایسے ہوتے ہیں جنہیں پورے کئے بغیر کوئی چارہ نہیں ہوتا اس کے لیئے وہ پیسہ کہاں سے لاتے۔ جوان بیٹی کی ڈولی کیسے اٹھاتے ۔۔۔۔ کیا کرے زمیندار ظالم ہے سارا سارا دن کام کراتا ہے اس کے بدلے چند سوکھے ٹکڑوں کے اپنی قسمت میں کچھ بھی نہیں ہے اور اس کے ذہن میں زمیندار کے خلاف جنگ عظیم چھڑ چکی تھی ایسا سوچتے ہوئے اس نے ایک اہم فیصلہ کر لیا۔

لیکن اس فیصلے پر عملی اقدام کے لیئے بجو کی اجازت ضروری تھی اس لیئے وہ بجو کے قریب جا بیٹھا۔ دیئے کی ملگجی روشنی میں لیٹی ہوئی بجو کا چہرہ سرسوں کے پھول کی طرح زرد دکھائی دیا اس نے سوچا کتنے طوفانوں کا مقابلہ کومل سے پھول نے کیا ہے کتنے دکھ جھیلے ہیں غربت و افلاس گھر کی وحشت ناک ویرانی میلے کچیلے بھوک سے بلکتے بچے انہی غموں میں اسکا کندن سا بدن سوکھ کر کانٹا بن گیا ہے۔

ایک دن بھی خوشی نہیں ہوا اس کے باوجود بڑی ہمت والی ہے تنگی ترشی میں بھی نبھا کے جاتی ہے اور کریم یہ ننھی سی جان ہر وقت اس سے چمٹا رہتا ہے وہ بھی کیا کرے بھوکا ہو رہتا ہے۔ بھوک ۔۔۔۔۔۔ بھوک ۔۔۔۔ اور اسے ایک دم خیال آگیا کہ بھوک مٹانے کا تو وہ عزم کر چکا ہے۔

" اور اس نے اپنا فیصلہ بجو کو سنا دیا۔"

دیکھو بجو ۔۔۔ گھر کے حالات سنوارنے اور عاشی کے بیاہ کے لیئے پیسے کی سخت ضرورت ہے۔ اس کے لیئے مجھے شہر جانا ہو

گا اور وہاں کوئی دھندہ کرنا پڑے گا لیکن سجو۔ یونہی خاموش پڑی رہی، اس نے کوئی جواب نہیں دیا گویا اس کے نزدیک فیصلے کی کوئی اہمیت ہی نہ رہی ہو۔ اس نے تو اپنے آپ کو حالات کی نذر کر دیا تھا۔ کہ آنے والے دنوں میں خواہ وہ اچھے ہوں یا بُرے انہی پر صابر و شاکر تھی۔

اور اس وقت بھی وہ کھوئی ہوئی تھی مجو کی بات وہ یوں ٹال رہی تھی۔ جیسے ان نشوں کی گہرائی میں اس کی آواز ہی نہ سُن سکی ہو۔ اور یوں مجو کی گفتگو غیر یقینی انجام پہ پہنچ کر ختم ہو گئی۔ تو وہ خوشامد پر اتر آیا۔ سجو نے اندھیرے ہی میں اس کا چہرہ اپنی جانب کر لیا۔

"تو میرے شہر جانے سے خفا ہے، دیکھ اگر وہاں کوئی اچھا سا دھندا مل گیا تو سارے بگڑے کام بن جائیں گے۔ اور پھر..... تیرے لئے ایک پھولدار چھتری بھی لاؤں گا۔ سچ تو اس میں بڑی ہی پیاری لگے گی۔" مجو نے عورت کی اس کمزوری سے اپنے دُکھوں کی وسیع خلیج کو پُر کرنا چاہا۔ سجو نے فطرتاً شرماتے ہوتے اس کے ہاتھ جھٹک دیئے۔ اور مجو کو جیسے اُس کی رضامندی کا اشارہ مل گیا۔ اس کی ادھر عمر کان نے آج اسے کئی سال پرے دھکیل دیا، اور اس کی جھکی آنکھوں میں ماضی کے سمند میں بھنور تیر گئے۔

جب الھڑ معصوم سجو ان کے لیئے بھٹوں کے کھیت میں روٹی لے کر آیا کرتی تھی، بات بے بات ہرنی کی مانند چونک جایا کرتی اس کا یہ انداز اسے بے حد بھلا لگتا۔ وہ گلابی رخسار نہ تھے۔ اب تو محض ہڈیوں کا پنجرہ رہ گیا تھا۔ پیار وفا کا پیکر۔

اس نے بڑی عقیدت سے اُسے دیکھا، خوابیدہ جھکی پلکیں اور گہری سانس اس کی نیند کی غماز تھیں اس کی یہ عادت بھی کتنی پیاری تھی۔ کہ مجو کے پاس وہ یوں بے فکر ہو کر سو جایا کرتی تھی جیسے سارے فکر و تردد کا بوجھ مجو کے کاندھوں پر اتار پھینکا ہو اور خود کسی معصوم بچے کی طرح نندیا پور چندا ماموں کی نگری کی سیر کو چل دی ہو۔ اور اب تو یہ سب خواب بن کر رہ گیا تھا، عمر رفتہ نے تو انہیں بہت آگے دھکیل دیا تھا۔

الغرض رات کا ہر پل کسی ناگن کی طرح سرک گیا لیکن مجو کے ذہن کی آگ سرد نہ ہو سکی وہ دوسری جانب اپنی جوان بیٹی کو دیکھ رہا تھا جس کی دن رات کی سوچوں نے اسے نڈھال کر دیا تھا اور آج جس انداز سے سجو نے اسے احساس دلایا تھا اسکی انا کو شدید ضرب پہنچی تھی ذہن سُلگ اُٹھا وہ بے چین ہو کر بغیر کسی آہٹ کے باہر نکل گیا۔

رات کا آخری پہر تھا، ہر سو تاریکی پھیلی ہوئی تھی اس کی اپنی تقدیر کی مانند..... وہ سر جھکائے مضمحل سا چلتا رہا پھر اس نے دور افق کے کنارے اُجالوں کو اُبھرتے دیکھا۔ تو اس کے تھکے قدموں میں تیزی آگئی جیسے وہ ان اُجالوں کو چھو لینا چاہتا ہو دراصل حیات کی ان سنگدل چٹانوں کو اس کے عزم کا تیشہ ریزہ ریزہ کر ڈالنے کا مصمم اِرادہ کر چکا تھا۔

کافی دُور چلنے کے بعد اسے اپنا دوست فیضو آتا نظر آیا وہ اس سے نظر بچا کر قریبی درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور اپنی پھولی ہوئی سانسوں کو بحال کرنے لگا۔

" فیضو کی نظر جو اُس پڑی تو وہ وہیں چلا آیا"

یار مجو آج تو خلاف معمول اِدھر کہاں۔ اور آج تو کام پر نہیں گیا"

اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ فیضو کے ان سوالوں کے کیا جواب دے البتہ اس کے پپڑی زدہ ہونٹوں پر طنزیہ مُسکراہٹ کی ایک لہر اٹھی اور ڈوب گئی، وہ اسے کیسے کہتا کہ میں نے گاؤں چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اسطرح کہہ دینے سے وہ اسے کبھی بھی اجازت نہ دیتا۔ کیونکہ وہ اس کے بچپن کا ساتھی اور جگری دوست تھا اور ہمیشہ آڑے وقت کام آیا تھا۔ اسی خیال کے تحت اس نے بڑی دُور اندیشی سے بات کا رخ موڑ دیا۔

دیکھ فیضو میں تو رات ہی تیری طرف آ رہا تھا لیکن سوچا شاید تو بھی سنسار کے ان لوگوں کی طرح بُرا منا جاتے۔ جو کسی مفلس کو دیکھ کر مُنہ پھیر لیتے ہیں۔ فیضو کی پیشانی پر ناگواری کی شکنیں گہری ہو گئیں مگر اُوپر سے ٹھنڈے لہجے میں بولا۔

"مجو سونا تو کسوٹی پر پرکھ لیا جاتا ہے پر تو آج تک مجھے نہ پہچان سکا" تو وہ احساس پشیمانی سے مُسکرایا۔

"نہیں یار ایسی بات نہیں ہے۔ تیرے ساتھ تو بڑا اچھا وقت گزرا ہے اور آج بھی میں انہی حالات سے دوچار ہوں" اس نے کلائی سے اپنی گھڑی اتار کر فیضو کے ہاتھ پر رکھ دی۔

"لے تو جتنی قیمت مناسب سمجھے دیدے۔ میں اس کلمو ہی سے اپنی بیٹی عاشی کا بیاہ کرنا چاہتا ہوں تاکہ دلہن بنا کر رخصت کر سکوں اور اسی غرض سے میں جلد از جلد شہر پہنچ جانا چاہتا ہوں اچھا دھندا مل ہی جائے گا۔"

فیضو اس کے اس فیصلے پر نہ حیران ہوا نہ خفا اور اپنی پوری آنکھیں کھول کر دیکھتا رہا جیسے شہری زندگی جنت الفردوس کا نمونہ ہو تو وہاں بھوک ہو گی نہ افلاس اور نہ فکر و تردد کی سنگلاخ چٹانیں جہاں اس کا مجو آبلہ پا دوڑتے دوڑتے ہرنی کی طرح زخمی ہو چکا تھا اس

لئے وہ اسے شہر جانے سے نہ روک سکا وہ اس کی ضد کی طبیعت سے بھی واقف تھا۔

اس نے مجو سے گھڑی لے کر جیب میں ڈال لی اور کمر کے گرد لپیٹے ہوئے دھوتی کے پلو سے کچھ نوٹ نکال کر اس کے ہاتھ میں تھام دیئے۔

جنہیں اس نے گننے کی بھی زحمت گوارا نہ کی البتہ اپنے اس پرخلوص دوست کے ایثار و حسن سلوک پر تحسین کی گہری نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

"تیرا احسان تو میں زندگی بھر نہ بھولوں گا اور میرے بعد اب تجھے ہی کھیتوں کا دھیان رکھنا ہے، کچھ دل نے پانی کا انتظام ہوتے ہی بال بچوں کو بھی وہاں ہی لے جاؤں گا اس کے بعد دونوں دوست ایک دوسرے کے گلے ملے تو دونوں کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ اور فیقو جاتے ہوئے مجو کو دیر تک دیکھتا رہا۔

اس طرح اُمید کی کرن نے مجو کی تڑپی مُڑی زندگی میں نئی رُوح پھونک دی تھی۔

اور اسطرح مجو نے شہری زندگی کو بہت جلد اپنا لیا۔

وہاں ایک امیر کی کوٹھی پر چوکیدار کی حیثیت سے ملازمت کر لی پھر رفتہ رفتہ گلی محلے کی نوکری بھی سنبھال لی اور شہر سے کافی دُور چھوٹا سا کوارٹر کرائے پر لیکر بال بچوں کو بھی وہاں لے آیا۔

لیکن تقدیر کی سیاہی نے اسے یہاں بھی چین نہ لینے دیا ابھی سنبھلے ہوتے اسے تھوڑا عرصہ بھی نہ ہوا تھا کہ بدبختی نے آن گھیرا۔

اور ایک روز جبکہ مجو شہر کی گلیوں میں گشت پر نکلا ہوا تھا اپنا بھاری بھرکم ڈنڈا زمین پر مارتا ہوا ہوشیار خبردار کے نعرے لگاتا ہوا پھر رہا تھا اسی رات اس کی بیٹی اغوا کر لی گئی۔

صبح تڑکے جب وہ اپنی ڈیوٹی سے واپس آیا، تو خلاف معمول دروازہ کھلا پایا۔ اور سجو بری طرح رو رہی تھی عاشی کی چیزیں اسکے ہاتھوں میں الجھی ہوئی تھیں جو اس نے کھلے دروازے کی چوکھٹ سے اٹھائی تھیں اس کی پیشانی پر جھکا ہوا آنچل آج کسی ظالم لٹیرے نے اتار پھینکا تھا۔

مجو کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں اس چھٹی حس نے وقت کی شکستگی کا انداز اس کے روبرو لا پھینکا۔ وہ بری طرح کانپ گیا تاہم وہ اس جانکاہ حادثے کی وضاحت سجو کی زبانی سننا چاہتا تھا اسی طرح وہ گھو ہوا آگے بڑھتا گیا اور سجو کی دھندلائی آنکھوں میں اس کا صبر جواب سیلاب کی طوفانیوں میں ڈوب ڈوب گیا آخر وہ دھاڑا۔

"اور تو، کہاں تھی"۔۔۔ وہ ان اُمڈتے آنسوؤں کو جذب کرتے ہوئے بولی۔

"مجو تو چوکیدار ہوتے ہوئے ایسا سوال مجھ سے پوچھ رہا ہے وہ اپنی انا پر مزید کاری ضرب کا متوقع نہ تھا اس کی آنکھوں میں خون اُتر آیا سارا بدن آگ کے شعلوں میں جل اٹھا۔

اس لمحے زناٹے دار تھپڑ اس کے رخساروں پر جڑ دیا

وہ سہم کر پیچھے ہٹی اور خوف و بے چارگی سے اُس کی جانب دھندلائی آنکھوں سے یوں دیکھنے لگی جیسے ذبح کیا جانے والا جانور چھُری تلے لرز اٹھا ہو۔ اور مجو کو ایک دم ہی احساس ہو گیا۔

"سجو تو ٹھیک کہتی ہے" اور دونوں ہاتھ ملتے ہوئے سجو کی جانب سے رخ پھیر لیا اور رندھے ہوئے لہجے میں بولا۔

ایک چوکیدار لُٹ گیا، وہ اپنے فرض سے غافل تھا نا۔۔۔۔ اس کا اپنا دامن جل رہا تھا۔ اور وہ شہر کی آگ بجھانے نکلا تھا، خود جل گیا۔۔۔۔ خود جل گیا۔۔۔ سجو۔ اور نہ جانے وہ کیا بڑبڑاتا ہوا اُلٹے پیروں لوٹ گیا۔

سارا شہر تاریکی میں ڈوبا پڑا تھا رات کا آخری پہر تھا وہ کدھر ڈھونڈے وہ کہاں جائے چلتے چلتے سورج نکل آیا تھا لیکن اسے ہوش نہ تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے وہ۔۔۔ تو بس یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس کے من کی تپش زیادہ ہے، یا اس آگ کے دیوتا کی۔۔۔۔ لیکن جلد ہی اسے احساس ہو گیا کہ سورج کی تپش تو کچھ بھی نہیں، اس کے من کے مقابلے میں جو اسے اندر ہی اندر جھلسائے دے رہی ہے۔ آج وہ اپنے آپ کو انتہائی کمزور محسوس کر رہا تھا جیسے آج وہ اس جوشِ انتقام کی آگ میں جل کر بھسم ہو جائے گا۔

چلتے چلتے کئی پہر بیت گئے۔ شہر کا کونہ کونہ چھان مارا آخر کار اس نے گاؤں کی سمت جانے والی سڑک پر پاؤں رکھ دیئے دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

اب وہ گاؤں والوں کو کیا منہ دکھائے گا۔

پیٹ کی خاطر گاؤں سے نکلا تھا اور عزت کی دھجیاں اڑا کر آگیا۔

"کہاں ہے تیری جوان بیٹی۔۔۔؟

"تو کیا پیسے کی ہوس نے جوان بیٹی بھی داؤ پر لگا دی۔"

کئی آوازیں ایک ساتھ مل کر اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ انڈیل گئیں، عاشی اور سیسہ۔۔۔۔ شدتِ غم سے ایک فلک شگاف قہقہہ کائنات کو بھی لرزا گیا۔

"واہ رے سنسار بنانے والے یہاں تو صبح کو بھی سورج ڈھلتے دیکھا ہے عزت یوں بھی بن مول بکا کرتی ہے" اور اب تو اُسے کتنی زبانوں کا مقابلہ کرنا ہو گا۔

اور یہ تو وہ سوچ بھی نہ سکا تھا کہ عزت اور جان و مال کی حفاظت کرتے ہزاروں راتیں جاگ کر کاٹی ہیں بار باران کی طوفانی راتیں کڑکتی بجلی.... آسمان کے آتشی طمانچے کھاتے شہر کی گلی کوچے روندے ہیں یخ بستہ ہواؤں کے چابک سہتے سہتے سینہ برف کی چٹان بن گیا ہے۔ خوف ناک تاریکیوں میں آنکھوں کی قندیلوں تلے کتنی ٹھوکریں کھائی ہیں۔ ہوشیار.... خبردار کے نعرے اس کے لبوں سے بے اختیار اُبلتے رہے ہیں ہر مقام پر اس نے عہد وفا آئین وفا کا نام دیا ہے اور آج اس کی ہی عزت پر ڈاکہ پڑ گیا۔

اور وہ ایک ایسے موڑ پر کھڑا رہ گیا کہ اپنی تقدیر کو بھی نہ کوس سکا۔ جس نے اسے نت نئے انداز میں جکڑ جکڑ کر خوب زدوکوب کیا تھا۔ اس کی مٹھیاں بھینچ گئیں۔ اور ذہن تو یوں تھا گویا دنیا بھر کے کیڑے مکوڑوں کی یلغار نے اس پر حملہ کر دیا ہو اب اس میں آگے قدم بڑھانے کی قوت سلب ہو چکی تھی۔ وہ بے بسی سے اپنی پھوٹی تقدیر پر بلک بلک کر رو دیا اپنا دامن اپنی ہی آگ میں سلگتا رہا۔

ان ماہ و سال کے بدلتے موسم میں بھی وہ اپنے عزم پر قائم تھا آج کتنے ہی برس بیت گئے تھے۔ لیکن عاشی کی تلاش میں کمی نہ ہو سکی تھی یہ اس کے عزم کی پختگی کی مشعل راہ تھی جس سے اس نے تقدیر کے اس کڑے وار کو بھی ایک جھٹکے سے توڑ کر خود کو آزاد کرنے کی جدوجہد میں مصروف کر لیا تھا۔

جیسے اس کے سینے کی بھٹی میں تمام زیست کے دکھوں کی جلن سموتے سموتے کندن بن کر دمک اٹھی ہو اور اس کی کرنیں آنکھوں کے ذریعے پھوٹ پڑی ہوں اور وہ اس تیز روشنی میں اپنی عاشی کو ڈھونڈ نکالے گا شاید اسے ہی دل کا غم بانٹنا کہتے ہیں تب ہی اس کے حوصلے بلند تر ہوتے گئے

وہ گلیوں، سڑکوں، بازاروں، کھائیوں ترائیوں میں ڈھونڈتا دور دور تک نکل جاتا۔

لوگ تو اسے چوکیدار کے نام سے جانتے تھے۔ لیکن اس کے سینے کے اندر کا ناسور کوئی نہ دیکھ سکا حالانکہ اُس کی تلاش کا مرکز یہی تھا کہ معاشرے کی غنڈہ گردی اور جرائم کی گرفت سے نہ صرف معاشرے کو بچائے بلکہ اپنی حقیقی آگ کو بھی سرد کرے جو اسے کبھی نہ ختم ہونے والی اذیت میں مبتلا کر گئی ہے۔

اور یہ بات بھی کسی حد تک صحیح ہے کہ کوئی چیز جب مدتوں ایک جگہ پڑی رہے تو اسے ہٹانے کے بعد وہ اپنے نقش پا ضرور چھوڑ جاتی ہے یہی عالم بجو کی پرانی گھڑی کا تھا کہ فیضو کے ہاتھوں فروخت کرنے کے بعد بھی اکثر اس کی غائبانہ آواز اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔

اور آج جب شام گہری ہو چلی تو وہ پلنگ پر ہاتھوں کا تکیہ بنائے آنکھوں کے جھروکوں سے ماضی کو گھور رہا تھا۔

بجو کی بہت پرانی بات اسے یاد آگئی تو اس کا بھیانک قہقہہ گہری خاموشی کو چیرتا ہوا گزر گیا اس کے قریب بیٹھی بجو اچھل پڑی جو بڑے انہماک سے بیٹھی اس کے لئے چائے بنا رہی تھی۔

دیکھ تو ارے بجو تو نے تو ڈرا ہی دیا تھا اور یہ تو پاگلوں کی طرح بے بات کے کیوں ہنس پڑتا ہے۔

بجو، کبھی کبھی تو بڑے پتے کی بات کہہ جاتی ہے یہ خوف ہی تو انسان کا صحیح پتہ بتلاتے ہیں پر انسان بڑا بزدل ہے۔ ڈر جاتا ہے اور اپنے بچاؤ کی ہر ممکن کوشش کر ڈالتا ہے لیکن ہوتی ہو کر رہتی ہے اور ہم اسے دو ناموں سے جانتے ہیں وقت اور تقدیر مفہوم ایک ہی ہے پر ہم من کی شانتی کی راہ ڈھونڈتے ہوئے ایک دوسرے کو مورد الزام ٹھہرا دیتے ہیں ہونی تو حکم خداوندی ہے وہی تقدیر ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ چلتی ہے۔

" اور تجھے یاد ہو گا ایک بار تجھے گھڑی سے خوف آگیا تھا..

اور آخر وہ وقت کی ناگن ہماری عاشی کے بیاہ کا لمحہ نگل گئی۔

" انسان بڑا بے بس ہے بجو اور آج تجھے پھر مجھ سے خوف آگیا اور میں بھی اس دنیا سے چلا گیا تب تو کیا کرے گی.... کیا کرے گی بتا،،

اور وہ بدستور ان آدھ جلے کوئلوں کو گھورتی رہی جو سرد ہوتی آگ میں دھونیں کی لکیریں چھوڑ رہے تھے اور جیسے اس کے وسوسوں کا چور ایک دم ہی غائب ہو گیا۔ بڑی متانت سے بولی۔

" بجو تو کیسی باتیں کرنے لگا ہے۔ مریں تیرے دشمن..... چل اُٹھ کام پر نہیں جائے گا۔ کتنی رات ڈھل گئی ہے" اور ایکدم ہی اسے فرض کا احساس ہو گیا۔

رات بڑی بھیانک اور تاریک تھی چوکیدار حسب معمول خبردار ..... ہوشیار کے نعرے لگاتا ہوا گشت پر تھا۔

" اس کے بعد پھر وہی ماحول گہرے سکوت میں ڈوب گیا۔

تاریکی میں بجو کے پاؤں بڑی تیزی سے آگے بڑھ رہے تھے وہ اپنے جانی پہچانی راہوں پر بڑھ رہا تھا اس کا رُخ اس امیر کی کوٹھی کی جانب تھا جس کی چوکیداری اس کا فرض تھا۔ جانے کیا بات تھی بجو کو اکثر اس کوٹھی کے ارد گرد ایک جانی پہچانی فضا کا احساس ہوتا تھا جب وہ اس کوٹھی کے نزدیک پہنچتا تھا تو اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو جاتی تھیں اس نے اکثر کھڑکیوں میں ایک سایہ سا لہراتا دیکھا تھا اور کل رات تو ایک جھلک بھی دیکھی تھی مگر یونہی اچٹتی سی نظر پڑ گئی تھی اور دل اچھل کر جیسے حلق میں آگیا تھا بالکل عاشی کی طرح۔

ایک شخص پولیس میں ملازمت کا امیدوار تھا۔ پولیس سپرنٹنڈنٹ سے اس کی کچھ رشتہ داری بھی تھی اور اس سے امتحان میں کچھ رعایت بھی کی جا رہی تھی۔ ممتحن نے پوچھا "ابراہام لنکن کو کس نے قتل کیا تھا؟"

وہ کچھ سوچتا رہا پھر بولا "مجھے اس کا جواب دینے کے لئے کچھ وقت چاہیئے۔"

"ضرور۔ آپ جائیے اور کل صحیح جواب لے کر آئیے۔"

امیدوار گھر آیا تو بیوی نے پوچھا "کیا رہا؟ ملازمت مل گئی؟"

وہ بولا "معلوم تو یہی ہوتا ہے۔ انہوں نے فوراً ہی مجھے ایک قتل کا کیس دے دیا اور قاتل کی تلاش پر مامور کر دیا۔"

مرسلہ

رخشندہ عمیر، کراچی

کہیں یہی تو..... نہیں نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔ اس نے خیال کو ذہن سے نکال پھینکا تھا۔

مگر رات کی تاریکی میں وہ اپنے دل کو منع نہ کر سکا بیٹی کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے صرف امید پر کہ شاید وہی عاشی ہو وہ اپنی عاشی کو حاصل کرنے اس کوٹھی کی طرف بڑھتا چلا گیا اور پھر اس جانی پہچانی کوٹھی، میں داخل ہو گیا اس کے اندازے نے بالکل صحیح رہبری کی تھی کہ اچانک چور چور کی صدا بلند ہو کر اس کے کانوں سے ٹکرائی ہولا اور روح جیسے ایک لمے میں جسم کے پنجرے سے آزاد ہو چکی ہو۔

• وہ اندھیرے ہی میں لڑکھڑاتا ہوا جھاڑیوں میں روپوش ہو گیا

• ارے ادھر کود گیا۔

• ادھر بھاگ گیا۔

کئی آوازیں اس کے کانوں سے ٹکرائیں۔ اس نے آنکھیں موند لیں دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

مالکان ٹارچ کی روشنی ڈال کر کوٹھی کا وسیع و عریض کونہ کونہ چھان رہے تھے جو گلاب کی جھاڑیوں میں چھپا برآمدے کے ستون سے ٹیک لگائے اس کی لڑکی کو گھور رہا تھا جو گرم شال لپیٹے سہمی کھڑی تھی۔

ٹیوب لائٹوں کی تیز روشنی میں وہ اپنی عاشی کو پہچان گیا تھا ہلکے میک اپ اور زیور میں وہ کتنی مختلف لگ رہی تھی کہ اسے پہچاننا آسان نہیں تھا لیکن مجو اپنی الھڑ معصوم تیکھے نقش والی عاشی کو بخوبی پہچان گیا تھا۔

اور وہ اسی دن کھٹک گیا تھا جب کوٹھی کے ملازم نے دس دس کے تین نوٹ اس کے ہاتھ میں تھما کر کہا تھا چوکیدار ہمارا سیٹھ بولتا ہے کہ اگر تم ہماری کوٹھی کی اچھی رکھوالی کریگا تو ہم تم کو زیادہ دے گا اس دن سے وہ بے چین تھا اور آج وہ عاشی کو برآمدے میں کھڑے پاکر یہی کھوج لیتا بچتا بچاتا کوٹھی کے اندر داخل ہو گیا تھا اور ملازموں نے تاریکی میں بڑھتے سائے کو دیکھ کر چور چور کا شور بلند کر دیا تھا۔

" وہ پسینہ پسینہ ہو گیا۔

"میری ہی عزت کے لٹیروں نے مجھ پر چوری کا الزام عائد کر دیا ہے۔ واہ ری تقدیر تیرے کھیل نرالے" خوشی اور دکھ کے تاثرات میں اس کا ہنسیانی قہقہہ گلابوں کی اوٹ کو چیرتا ہوا اس کی نشاندہی کر گیا اور عقب سے کسی نے اس پر گولی چلا دی۔

وہ وہیں جھاڑیوں میں ڈھیر ہو گیا۔ لوگوں نے دیکھا وہ آہستہ آہستہ اپنے سینے کو ملتے ہوئے کہہ رہا تھا "میں چور نہیں ہوں عاشی..... عاشی میری بیٹی..... میں تو تیری تلاش میں آیا تھا" اور عاشی بھیڑ کو چیرتی ہوئی آگے بڑھی اور بیتاب ہو کر اپنے بابا سے لپٹ کر رو دی۔

لیکن اس کے بابا کی روح جسم کے پنجرے سے آزاد ہو چکی تھی کیونکہ بابا نے اپنی بیٹی کی ڈولی اٹھتے تو دیکھ لی تھی دولہا کوئی اور تھا کہار کوئی اور تھے تو کیا ہوا۔ ایسی باتیں تو روز ہوا کرتی ہیں۔

" کئی آوازیں ابھریں۔

• ارے یہ تو اپنا چوکیدار ہے۔

• ہنھ تو یہ چور بھی تھا ایسے ہی چوکیدار تو چوریاں کرواتے ہیں۔"

اور سیٹھ کی بھاری بھرکم شخصیت کے پرے کوئی نہ جھانک سکا کہ چور اور لٹیرا کون تھا۔

**ہماری** زندگی میں بعض اوقات ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں جن کی صداقتوں پر ایمان ذرا مشکل سے آتا ہے۔ اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ حقیقی زندگی میں جیتے جاگتے کرداروں کی کوئی ٹریجڈی یا کامیڈی نہیں بلکہ کوئی افسانہ ہے جسے ہم سانس روکے پڑھ رہے ہیں یا کوئی فلم ہے جسے یک ٹک حیرت سے منہ میں انگلی دبائے نم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

ہم لوگ آئے دن شادی بیاہ کی تقریبات میں شرکت کرتے ہی رہتے ہیں۔ وہی خوبصورت فضائیں وہی پرانے رسم و رواج کی دلکشیاں اور دلوں کو مسرور کر دینے والی تقریبات۔ ایسی بھی شادیاں دیکھی ہیں جو ماں باپ کے نظریات سے ٹکرا کر سول میرج میں ڈھل جاتی ہیں۔ ایسی شادیوں کے بارے میں بھی سنا ہے جو شادی کے حسین تصورات اور تاج محل کے نام پر دھوکہ دہی کی وارداتوں میں بدل جاتی ہیں مگر آج جس شادی کا قصہ میں آپ کو سنا رہی ہوں وہ والدین کی رضا و رغبت اور اولاد کی مرضی پر مشتمل تھی۔ مگر کن کن مراحل سے گذری یہ آپ دیکھیے۔

# طلوعِ سحر

## شاہدہ ارم

ہماری باجی کی دوستوں میں نسیم باجی بڑی زندہ دل اور سوشل قسم کی واقع ہوئی ہیں ایک دن بڑی جلدی میں بھاگی ہوئی آئیں کہ "دو چار جوڑے (جو کہ باجی کے جہیز کے تھے اور جب تک باجی کی شادی نہیں ہوئی تھی) کچھ دنوں کے لئے دے دو۔ یونہی واپس لادوں گی"۔

ہم نے ہنس کر کہا۔ "کن ہوائی گھوڑوں پر سوار ہیں کیا پھر کوئی ڈرامہ؟" ایکدم سنجیدہ ہو گئیں۔

"ڈرامہ ورامہ کچھ نہیں نالائقو! اس وقت میں بہت نیک کام کرنے جا رہی ہوں۔ میرے بھی پانچ چھ جوڑے شامل ہیں دو چار تمہارے ہو جائیں گے بس بری کے لئے کافی ہیں بعد میں واپس کردوں گی صرف دکھانا مقصد ہے"۔

ہم سب نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔

"نہ تو بارہ ہی بجے ہیں اور نہ دھوپ اتنی تیز ہے۔ پھر ان کے دماغ کو کیا چیز چڑھ گئی"۔ میں نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

"یہ آپ کسی کی شادی کر رہی ہیں یا مذاق"۔ شہلا نے بھی شوشہ چھوڑا۔

"خدا کے واسطے تم لوگ کبھی سنجیدہ بھی ہو جایا کرو۔ اس وقت تو میں بہت جلدی میں ہوں۔ مختصراً سن لو کہ میرے آفس کا آدمی جو عیسائی تھا اس نے حال ہی میں اسلام قبول کیا ہے اس کی شادی بہت جلد ایک ایسی لڑکی سے ہو رہی ہے جس کے باپ کا چند دن پہلے انتقال ہوا ہے۔ وہ اپنے زمانے کا مشہور ایڈووکیٹ تھا۔ کچھ جائیداد کا چکر کچھ پرانی دشمنی ان کے رشتہ داران کو ستانے پہ تلے ہوئے ہیں اور ان سے چھپ کر شادی ہو رہی ہے ان کی تین یا چار بیٹیاں اور دو لڑکے ہیں۔ سب سے بڑی بیٹی کی شادی ہے پرسوں بارات لے کر جانا ہے۔ تم سب بھی تیار رہنا۔ کیونکہ دولہا کا کوئی نہیں ہے اس لیے تھوڑی

بہت تیاری ہمیں نے اور صولت آپا نے (نسیم باجی کی کولیگ) نے کرلی ہے۔ بارات میں میری ایک پڑوسن اور ان کی تین بیٹیاں تم چاروں بہنیں دولہا اور اس کے دو دوست شامل ہوں گے۔"

نسیم باجی تو یہ شوشہ چھوڑ کر یہ جا وہ جا۔

دولہا میاں یعنی سہیل اپنے ایک دوست کے ساتھ فلیٹ میں رہتا تھا چنانچہ ہم سب ٹیکسیاں کر کے جب وہاں پہنچے تو پتہ چلا کہ سہیل اور اس کا دوست بڑی بے چینی سے نیچے کھڑے انتظار کر رہے تھے۔ حیران ہو کر نسیم باجی اور صولت آپا نے ان سے پوچھا کہ بھئی یہ کیا بات ہوئی تم دولہا بنے اور نہ کار آئی۔"

اب قسمت کی ستم ظریفی دیکھئے کہ جس دوست کے فلیٹ میں سہیل رہتے تھے جب اس کی بیوی نے سنا تو اس نے آسمان سر پر اٹھا لیا کہ تم جھوٹ بولتے ہو اور سہیل کی آڑ میں خود دوسری شادی کر رہے ہو اور اس نے اپنے سارے رشتہ داروں کو جمع کر لیا تھا اور دھمکی دی تھی کہ اگر دلہن یہاں اتری تو وہ خودکشی کر لے گی۔ لاکھ سمجھایا — اور سمجھا رہے تھے مگر اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا اور وہ اسے ملنے سے انکار کر رہی تھی —

اب جو ہم نے نظر اوپر اٹھائی تو بہت ساری عورتیں ریلنگ پر جھکی ہوئی تھیں اور وہ ہم کو جن نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ وہ ہمیں شرمندہ کرنے کے لئے کافی تھا کیونکہ وہ صحیح صورت حال سے آگاہ نہیں تھیں۔ کیونکہ ٹیکسیاں ہم چھوڑ چکے تھے اس لئے دوبارہ بیک وقت دو تین ٹیکسیاں تلاش کرنا بھی ایک مسئلہ تھا یہی طے پایا کہ لڑکی والوں تک تو پہنچا جائے — پہلے ہی دیر ہو چکی ہے۔ سہیل بے چارہ دولہا بھی نہ بنا تھا۔ شادی کا انتظام صولت آپا نے اپنے گھر کیا تھا۔ خدا خدا کر کے وہاں پہنچے تو اور بھی عجیب منظر تھا دلہن کی والدہ اور بہنیں بہت پریشان تھیں اور رو رہی تھیں جو صورت حال سامنے آئی (جس کا تھوڑا بہت علم نسیم باجی کی زبانی ہو چکا تھا) وہ یہ تھی کہ لڑکی کے والد کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے اور کچھ رشتہ داران سب کی جان کے دشمن بنے ہوئے ہیں کچھ دن پہلے ہی ان کے مکان کو توڑ پھوڑ دیا ہے اور اب آگ لگانے کی دھمکی دے رکھی ہے — اور ان سب سے چھپا کر شادی ہو رہی ہے ایک دو افراد کو گھر پر چھوڑا تھا پھر بھی گھر کی فکر ہو رہی تھی۔ اور یہ بھی کہ اگر ان لوگوں کو بھنک بھی پڑ گئی تو عین وقت پر خون خرابہ ہو جائے گا۔

سہیل بھی وہیں دولہا بنا۔ جب ہم نے دلہن دیکھی تو دیکھتے ہی رہ گئے اس قدر خوب صورت کہ قدرتی حسن و رعنائی کا شاہکار تھی اور اتنی ہی پیاری اس کی بہنیں مگر قسمت جلدی جلدی نکاح ہوا۔ کھانے پینے کا انتظام سب نے مل کر کر لیا تھا کیونکہ نہ تو لڑکی والوں کا کوئی تھا اور نہ سہیل کا کوئی یہ کچھ آفس کے لوگ تھے اور ہم سب۔

رخصتی کا منظر تو قلم بتلانے سے قاصر ہے پڑھنے والوں کو خود اندازہ ہوگا کہ اس کسمپرسی کے عالم میں دل پر کیا گذری ہوگی اتنی جلدی اور چھپ کر شادی کرنے کا مقصد ہی یہی تھا کہ ان کی ایک بیٹی تو عزت کے ساتھ رخصت ہو۔ کیونکہ ان کے رشتہ داروں سے کچھ بعید نہ تھا کہ وہ گری سے گری حرکت کے مرتکب ہو جاتے۔ فرض کی ادائیگی بہت خوشیاں مشترکہ ہوں اور آس پاس کا ماحول سازگار ہو تو اس کی مدھر تانیں کانوں میں دائمی نغموں کا رس گھول دیتی ہیں اور جہاں خاندانی چپقلش اور دشمنیاں عزت و ناموس کی دھجیاں اڑانے پر تلی ہوں وہاں فرض بھی روگ بن جاتا ہے اور ہر وہ شخص جس کو اس خاندانی چپقلش اور سنجیدہ صورت حال کا پتہ تھا اس کی آنکھیں اس شادی پر نم تھیں۔

اب مسئلہ واپسی کا تھا۔ دلہن کے گھر والوں کو بالکل معلوم نہ تھا کہ ادھر سہیل کے ساتھ کیا ٹریجڈی ہو گئی ہے۔ آخر نسیم باجی، صولت آپا اور چند دوسرے لوگوں کے مشورے سے یہ طے پایا کہ فی الحال ایک رات کے لئے ہوٹل کا کمرہ لئے لیتے ہیں پھر بعد میں دیکھا جائے گا۔ لیکن لڑکی والوں کو کچھ نہیں بتایا تھا کہ پہلے ہی بڑی قیامتوں سے دوچار تھے۔

سردیوں کا زمانہ رات کے ساڑھے دس بجے تین ٹیکسیاں آگے پیچھے روانہ ہوئیں بری کا سامان زیورات اور تین آدمی ہمارے ساتھ باقی سب لڑکیاں نسیم باجی، صولت آپا اور نسیم باجی کی پڑوسن وغیرہ۔

ایک ہوٹل دیکھا کمرہ خالی نہ تھا۔ دوسرے کی طرف بڑھے جواب نفی۔ یقین جانئے کتنے ہوٹل ہم نے چھان مارے مگر قسمت کہ کوئی کمرہ خالی نہ ملا۔ رات کے ساڑھے گیارہ بج گئے۔ دلوں میں یہ خوف کہ ٹیکسی والے کیا سمجھیں گے کہیں آپس میں ساز باز نہ کر لیں اور دوسری طرف دکھ اور رنج کے گہرے تاثرات کہ اتنی بھی کیا بدنصیبی کہ دولہا اور دلہن کے لئے ایک کمرہ بھی نصیب نہیں — دلہن کے بارے میں سوچتے کہ جب اس کا باپ زندہ ہوگا کہ تو انہوں نے کتنی شاہانہ زندگی بسر کی ہوگی۔ کیا کیا ارمان اس کے دل میں نہ ہوں گے۔ اس نے جاگتی آنکھوں سے مستقبل کے کتنے سنہرے خواب دیکھے ہوں گے۔

خدا خدا کر کے ایک ہوٹل میں کمرہ خالی ملا جس وقت دلہن کو اتار کر اس کمرے میں لے گئے تو سب عجیب احساسات کا شکار تھے۔ عجیب سی شرمندگی بھی تھی کہ ہوٹل والے کیا سمجھیں گے اور دوسری دولہا اور دلہن کا خیال کہ کیا کیا نہ ان کے حسین تصورات ہوں گے اپنی سیج کے بارے میں۔ شاید انہوں نے تصور بھی نہ کیا ہو کہ ان کی شادی ان حالات میں ہوگی۔ شادیانے بجنے، سہاگ گیتوں کی مدھر تانوں کے بجائے انجانے خوف سے دل کی دھڑکنیں بھی سانس لینا

بھول جائیں گی اور ایک محفوظ گھر تو بڑی بات ایک کمرہ بھی ان کو نہیں ملے گا۔ دوسرے دن صبح ہی صبح نسیم باجی اور صولت آپا ہوٹل پہنچیں اور ان کو لے کر ان کی امی کے گھر چلی گئیں۔ اس کے بعد وہ لوگ کن کن مراحل سے گذرے ہمیں پتہ نہیں چلا۔ مگر کچھ عرصے بعد نسیم باجی سے پتہ چلا کہ دونوں بہت خوش ہیں ایک فلیٹ کرائے پر لے لیا ہے سہیل نے دلہن کی سروس بھی چھڑا دی ہے۔ ایک سال بعد سنا کہ ان کے گھر ایک خوبصورت لڑکا ہوا ہے اور دونوں بے انتہا خوش ہیں۔ اور لڑکی کے گھر کے حالات بھی اب سازگار ہیں۔ ان لوگوں کو ان خوشیوں تک پہنچنے کے لئے کتنے نازک اور کٹھن مرحلوں سے گذرنا پڑا آج بھی سوچتی ہوں تو آنکھیں نم ہو جاتی ہیں۔

# ایک خط

شبنم سحر

مجھے امید ہے کہ تم میرا یہ خط پا کر بُری طرح چونک جاؤ گی تمہاری انگلیاں بُری طرح کپکپا جائیں گی اور جب تم اپنے ذہن میں بے شمار سوالات لئے میرا یہ خط پڑھ چکو گی تو تمہارا دل میری رُوداد پڑھ کر رو اُٹھے گا آج پانچ سال بعد میرا خط پا کر شاید تم سوچو کہ میں نے تمکو خط لکھا ہی کیوں ہے، تو شبنم! میں یہ چاہتی تھی کہ میری زندگی کی یہ دردناک داستان تم اہلِ دنیا کو اپنے قلم کی زبان سے سناؤ تاکہ مجھ جیسی بھولی بھالی نادان لڑکیاں اس حقیقت سے واقف ہو سکیں کہ ہر چمکدار چیز سونا نہیں ہوتی! تم کو یاد ہو گا کہ میں ایک سعید غریب گھرانے کی لڑکی ہوں۔

بابا دن بھر جو کچھ تھوڑا بہت کما کر لاتے تھے اسی میں امّاں بی کسی نہ کسی طرح گھر چلا لیتی تھیں میرا دم اس غریب اور گھٹے گھٹے گھر میں الجھتا تھا۔ میں جب اپنی سہیلیوں کو قیمتی لباس میں دیکھتی تو میرا دل بھی ان چیزوں کو پانے کے لیے مچل جاتا۔ اسکول میں بھی میں اپنی ساتھی لڑکیوں کے سامنے خود کو حقیر اور کمتر سمجھتی۔ اکثر ایسا ہوتا کہ میں اسکول سے آتے جاتے بازاروں میں ٹھٹھک جاتی۔

ایک دن میں اسکول سے لوٹ رہی تھی کہ ایک دُکان کے پاس خود بخود میرے قدم رک گئے، سامنے ہی شوکیس میں بہت ہی حسین و نازک چاندی کی انگوٹھی رکھی تھی نہ جانے کتنی دیر تک میں اس انگوٹھی کو دیکھتی رہی اور پھر ـــــ پھر تو میرا یہ معمول بن گیا کہ اسکول سے لوٹتے ہوئے میں اس دوکان کے آگے ضرور کھڑی ہوتی۔ وہ انگوٹھی میری کمزوری بن چکی تھی، لیکن اس کے دام اتنے زیادہ تھے کہ میں اس کو خریدنے سے قاصر تھی۔

ایک روز میں حسبِ معمول اِسی طرح کھڑی وہ انگوٹھی دیکھ رہی تھی کہ اچانک کسی نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھا میں بے ساختہ اچھل پڑی مڑ کر دیکھا نہ جانے کون تھا وہ نوجوان ـــــــ

ـــــ جو مجھے بڑی ہی عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"یہ انگوٹھی بہت ہی پسند ہے کیا۔" اس نے پوچھا
"جی.... نن.... نہیں تو.... میں تو یونہی...." میں گڑبڑا گئی۔

"دل کی خواہشوں کو پورا نہ کرنا سخت نادانی ہے۔ اور پھر یہ انگوٹھی تمہاری حسین انگلیوں میں تو اور بھی پیاری لگے گی۔" اس سے پہلے کہ میں کچھ جواب دیتی اس اجنبی نے دوکان دار سے وہ انگوٹھی خریدی اور میرے لاکھ انکار کرنے کے باوجود میرے ہاتھ میں تھما دی! اس رات مجھے بڑے سکون کی نیند آئی اس انگوٹھی کو پاکر مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے مجھے دنیا جہان کی دولت مل گئی ہے۔ میں بار بار اس انگوٹھی کو اپنی انگلی میں پہن کر دیکھتی اور پھر کسی کے دیکھ جانے کے ڈر سے دوبارہ صندوق میں چھپا دیتی۔

میں اس وقت عمر کے اس دور میں تھی جہاں کسی کو چاہنے اور چاہے جانے کی خواہش پیدا ہوتی ہے اکثر وہ نوجوان مجھے اسی دوکان کے سامنے کھڑا نظر آتا اور پھر ہم میں بات چیت ہونے لگی مجھے وہ بہت اچھا لگتا تھا اس کے دھیمے دھیمے باتیں کرنے کا انداز نیچی نگاہ اور شریفانہ گفتگو نے میرے دل میں جگہ بنالی تھی اور پھر...... میں آگے بڑھتی چلی گئی۔

ایک دن اس کے شدید اصرار پر میں اس کے ساتھ اسکول کے اوقات میں باغ میں گئی اور اس نے مجھے بتایا کہ وہ مجھ سے شدید محبت کرتا ہے اور اگر میری شادی اس سے نہیں ہوئی تو وہ زہر کھا لے گا۔

میری عمر اس وقت سولہ برس کی تھی بچپن اور جوانی گلے مل رہے تھے مجھے یقین ہو گیا کہ وہ نوجوان واقعی مجھ سے شدید محبت کرتا ہے..... اور پھر ہم اسی طرح دنیا والوں سے چھپ چھپ کر ملتے رہے۔ ہماری ملاقاتوں کو چھ ماہ کا عرصہ ہو گیا تھا کہ ایک دن وہ بہت گھبرایا ہوا آیا اور بولا۔

"سیما میرے ماں باپ میری شادی کسی امیر لڑکی سے کر رہے ہیں۔ اور میں تمہارے سوا کسی دوسری لڑکی سے شادی کا تصور ہی نہیں کر سکتا بمبئی میں میرے ماموں رہتے ہیں اگر تم مجھ کو چاہتی ہو تو میرے ساتھ بمبئی چلو وہاں میرے ماموں ہم دونوں کی شادی کروا دیں گے اور پھر ہم دہلی آکر اپنے ماں باپ سے معافی مانگ کر انہیں منا لیں گے۔" میری عقل پر جذبات کا پردہ پڑا ہوا تھا میں جانتی تھی کہ اگر میری شادی اس سے نہیں ہوئی تو میں اپنی دونوں بڑی بہنوں کی طرح جہیز نہ ہونے کی وجہ ماں باپ کی پریشانی کا باعث بنی رہوں گی اور ان کی راتوں کی نیند اڑی رہے گی۔ پھر میں عاصم کی محبت میں اتنی آگے بڑھ چکی تھی جہاں سے لوٹنا ناممکن تھا میں جانے کے لیے راضی ہو گئی تو عاصم نے کہا کہ میں آتے ہوئے گھر سے کچھ روپے بھی لے آؤں تاکہ پردیس میں کوئی پریشانی نہ ہو۔ دوسرے دن میں اسکول جانے کے بہانے سے نکلی میرے ساتھ وہ روپے بھی تھے جو اماں بی نے بڑی مشکل سے جوڑے تھے۔

بمبئی لے جاکر عاصم نے مجھے ایک اجنبی کے گھر رکھا جو بقول اس کے ماموں جان تھے دن بھر غائب رہا رات کو بھی وہ نہ آیا تو میں پریشان ہو گئی۔ عاصم کے بارے میں پوچھنے کی غرض سے میں اس کے ماموں کے کمرے میں داخل ہوئی تو میرے قدم دروازے پر ہی جم گئے عاصم کے ماموں سامنے کھڑے تھے ان کی آنکھوں میں عیاری تھی میں گھبرا گئی اس پر انہوں نے ایک قہقہہ لگایا اور مجھے بتایا۔

"عاصم نے مجھے ان کے ہاتھ دس ہزار روپے میں بیچ دیا ہے۔ اور عاصم کوئی شریف آدمی نہیں بلکہ بمبئی کا مانا ہوا بدمعاش ہے جس کا کام ہی بھولی بھالی لڑکیوں کو پھنسا کر اس کے ہاتھ فروخت کرنا ہے عاصم سارا روپیہ لے کر کسی دوسرے شہر جا چکا ہے۔ اور اب میں تم کو پندرہ ہزار روپے میں چمپا بائی کے ہاتھ بیچوں گا۔"

"نہیں ایسا مت کرو میں ساری عمر تمہاری خدمت کروں گی تم...... تم مجھے اپنے یہاں جگہ دیدو۔" میں اپنے انجام سے کانپ کر بولی۔

"تم کو..... تم جیسی لڑکیاں جو ماں باپ کو چھوڑ کر آتی ہیں صرف کوٹھوں کی زینت بنتی ہیں۔ تاکہ گھر بسانے کیلئے کیا پتہ کل تم مجھے چھوڑ کر کسی اور کے ساتھ فرار ہو جاؤ۔"

اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

میں نے وہاں سے فرار ہونا چاہا لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔

پھر اس نے مجھے بمبئی کی مشہور نائکہ چمپا بائی کے ہاتھ بیچ دیا وہاں مجھ پر اتنی مار پڑی کہ میں کئی دن تک نیم بیہوشی کی حالت میں رہی اور پھر ایک دفعہ میں نے خواب آور گولیاں کھا کر خودکشی کی بھی کوشش کی لیکن موت بھی مجھ سے خفا تھی ان لوگوں کی بروقت طبی امداد سے بچ گئی گھر واپس لوٹنے کا تو میں سوچ بھی نہ سکتی تھی رفتہ رفتہ میں ان لوگوں کے رنگ میں رنگتی گئی کافی عرصہ ہو گیا ہے نہ جانے کتنی بری بیماریاں میرے جسم میں گھر کر چکی ہیں۔ لوگ میرے نام سے بھی دور بھاگتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں میں صرف ہڈیوں کا پنجرہ بن کر رہ گئی ہوں چمپا بائی نے مجھ سے دل بھر کر دولت کمائی۔ اس نے آج سے دو ماہ پہلے میری چارپائی کوٹھے سے باہر نالے کے پاس

ڈلوادی ہے. میں رات دن پڑی کھانسا کرتی ہوں اور خون تھوکا کرتی ہوں. مجھے احساس ہوگیا ہے کہ میں اب صرف چند دنوں کی مہمان ہوں اس لیئے ایک مہربان سے اپنی یہ داستان لکھوا کر تم کو بھیج رہی ہوں۔

مجھے یاد ہے تم کو اسکول کے زمانے سے ہی افسانے لکھنے کا شوق تھا کل اتفاق سے رسالے کے ایک ورق پر تمہاری تصویر و گھر کا پتہ دیکھا تو دل کے زخم ہرے ہو گئے. شبنم اگر تم کو مجھ پر ذرا بھی رحم آئے تو تم میری یہ حقیقت ———— کسی پرچے میں شائع کروا دینا تاکہ دوسرے لوگ عبرت حاصل کر سکیں کہ گھر چھوڑ کر بھاگنے کا کیا انجام ہوتا ہے نہ جانے میرے ماں باپ میرا لگایا ہوا زخم کھانے کے بعد زندہ بھی ہیں یا......

کاش میں اُن لوگوں کے پیر پکڑ کر معافی مانگ سکتی.

اب اجازت دو

جانے کس طرح اتنا بول کر یہ خط لکھوا پائی ہوں ورنہ کھانسی کی شدت تو چین ہی نہیں لینے دے رہی کاش زندگی موت سے جلد ہی گلے مل لے تاکہ اس تکلیف سے نجات ملے۔!

ایک حرماں نصیب۔ سیما

بمبئی

# شکستِ آرزو

شبنم شاہ

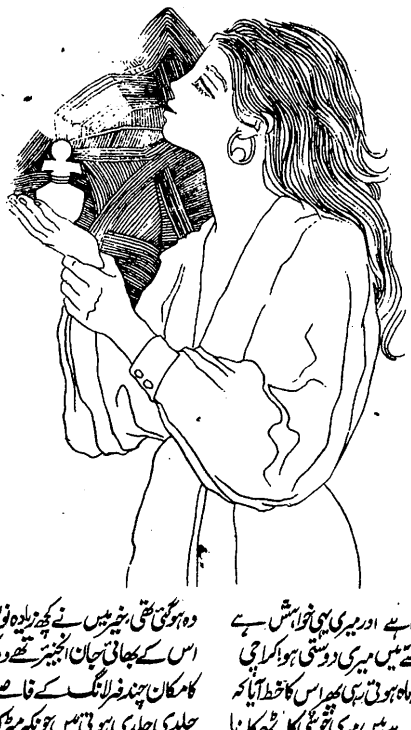



**مجھے** قلمی دوستی کا بہت شوق ہے اور میری یہی خواہش ہے کہ ملک کے ہر حصے میں میری دوستی ہو! کراچی میں ناہید سے میری قلمی دوستی چھ ماہ ہوتی رہی پھر اس کا خط آیا کہ ہم کاروبار کے سلسلے میں ملتان آ رہے ہیں میری خوشی کا ٹھکانا نہ رہا اور آخر ایک دن وہ ملتان پہنچ گئی ہماری ملاقات ہوئی ناہید بہت ہی پر خلوص تھی اور آزاد خیال، شاید کراچی جیسے شہر میں رہ کر وہ ہو گئی تھی. خیر میں نے کچھ زیادہ نوٹس نہ لیا۔ دن گزرتے رہے اس کے بھائی جان انجینئر تھے وہ کچھ دنوں بعد مظفر گڑھ آ گئے ان کا مکان چند فرلانگ کے فاصلے پر تھا۔ اب ہماری ملاقات جلدی جلدی ہوتی میں چونکہ میٹرک میں تھی اور وہ بی اے پاس کر چکی تھی وہ اکثر آتی تو مجھے انگلش سمجھاتی اور ادھر اُدھر کی باتیں کرتی اکثر کہتی آتی ہمارا گھرانا بڑا پابند ہے، میں حیران رہ جاتی اور کچھ

## دلائل

ایک وکیل نے اپنے مؤکل کی وکالت کرتے ہوئے جج سے کہا حضورِ والا میرے مؤکل کا مقدمہ بعینہٖ اس قسم کا ہے، جس قسم کے فلاں فلاں مقدمات تھے۔ ان مقدمات کے فیصلوں کی مثالیں آپ اپنے پاس رکھی ہوئی قانون کی کتاب کے صفحہ نمبر ستیس اور چونتیس پر ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ جج نے قانون کی کتاب کھولی اور صفحات نکالے، ان صفحات کے درمیان سو سو کے چار نوٹ رکھے ہوئے تھے۔ جج نے نوٹ احتیاط سے جیب میں ڈالے اور متانت سے کہا۔ اس مقدمے کے فیصلے کے لئے اس قسم کی تین مثالیں اور پیش کی جا سکتی ہیں۔

مرسلہ: ہمایوں رشید

دلچسپی لیتی ویسے وہ عمر میں بڑی سہی میری دوست تھی!

ایک دن مجھے کہنے لگی "شبنم اگر تم اجازت دو تو اپنی ڈاک میں تمہارے ایڈریس پر منگوا لوں" مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے"، میں نے کہا اور اس کی ڈاک آنے لگی جس لیٹر پر اپنا لکھا ہوتا میں اس کے حوالے کر دیتی کیونکہ میرے خیال میں کسی کا خط پڑھنا اخلاقی جرم ہے بغیر اجازت کے میں اس چیز کی پابند تھی یہ سلسلہ چلتا رہا ہماری دوستی بڑھتی رہی ایک دن ایک لیٹر پر اپنا نہیں لکھا تھا میں نے کھولا تو حیران رہ گئی وہ خط ناہید کے نام کسی مرد کا تھا میں نے بغیر پڑھے رکھ دیا۔ اور ناہید کو کہا کہ یہ خط غلطی سے کھل گیا ہے، معاف کرنا یہ مرد حضرات کون ہیں۔ وہ گویا ہوئی "میرے منہ بولے بھائی ہیں"، میں نے یقین کر لیا!

ایک دن ناہید نے مجھے کہا "شبنم ایک خط لکھ دو"، میں نے لکھ دیا بغیر وجہ دریافت کئے اور پھر کچھ دنوں سے ناہید الجھی ہوئی تھی دریافت کرنے پر کہا "شبنم میرے ایک کزن ہیں ان کو مجھ سے Love ہے لیکن ان کی امی مجھے پسند نہیں کرتیں میں اس لئے پریشان ہوں"، میں کیا کہہ سکتی تھی، سوائے ان کے حق میں دعا کرنے کے اور پھر کئی دن تک وہ میرے گھر نہ آئی میں بھی نہ جا سکی اچانک اس کی امی ہمارے گھر آئیں اور امی کو آ کر کہا کہ "بہن ناہید دن بدن بگڑتی جا رہی ہے روزانہ لاکھوں خطوط لکھتی ہے۔ اور اکیلی گھر سے باہر رہتی ہے تمہاری بیٹی کے پاس آتی ہے اسے سمجھاؤ اور اس کے خط اگر تمہارے گھر آتے ہوں تو مجھے دکھانا وہ تو چلی گئیں میرا ذہن سوچتا رہا اس خط پر جو میں نے پڑھا اور جو لکھ کر دیا تھا اور پھر اس کی ڈاک میں نے چیک کرنی شروع کر دی

اس ڈاک میں ان گنت لیٹر ہوتے لڑکوں کے ایک دن میں نے براہ راست بات کی کہ ناہید یہ کیا چکر ہے تو ہنس کر کہنے لگی "شبنم چار دن کی زندگی ہے عیش کرنا چاہیئے"، مجھے غصہ تو بہت آیا میں برداشت کر گئی اور پھر میں نے اس سے ملنا کم کر دیا اور اس کی ڈاک کے لیے بھی انکار کر دیا،

دن گزر گئے میں نے ملنا جلنا کم کر دیا گو اس کے حالات پس پردہ ہو گئے تھے۔ چند ماہ بعد اس کی بہن ملی تو پتہ چلا کہ ناہید کی شادی ایک بوڑھے سے ہو گئی ہے، میں حیران ہو گئی کہ یہ کیا چکر ہے، کہاں ناہید اور کہاں بوڑھے سے شادی وہ تو لندن کے شہزادے سے ارادہ رکھتی تھی، کہاں اتنے بڑے خیالات اور کہاں........

میں اس معمے کو نہ سمجھ سکی تو خاموش ہو گئی، ہمارے گھر میں ناہید ایک موضوع بن گئی تھی سب لوگ اپنی اپنی رائے دیتے وقت گزرتا گیا دن مہینے اور مہینے سالوں میں بدلتے رہے، میری باجی نشتر اسپتال میں داخل ہو گئیں کوئی سیریس کیس تھا ہم سب کچھ بھول کر اس کی بیماری میں لگ گئے "اسپتال میں اچانک وارڈ نمبر گیارہ پر نظر پڑی ناہید لیٹی نظر آئی میں پہلے تو حیران ہو گئی اس کی شکل دیکھ کر اور جذبہ محبت سے میں آگے بڑھی وہ چونکی اور "شبنم" کہہ کر مجھ سے لپٹ گئی اور رونے لگی میرے بھی فوراً جذبات سے آنسو نکل آئے جب وہ رو چکی تو شکوہ شکایت پر آ گئی میں اس کی حالت اور بدلا ہوا لہجہ دیکھ کر اس سے کچھ پوچھنے کے لئے بے چین تھی تو سوال کر ڈالا یہ بوڑھے سے شادی کا کیا مقصد؟ ایک لمحے کو وہ اداس ہو گئی کچھ کھوئی سی پھر گویا ہوئی۔

"مجھے میرے اعمال کی سزا مل چکی ہے جو میں کرتی تھی آج بھگت رہی ہوں اس وقت تو میں نے کسی کی نہ مانی ہر ایک سے ضد کی ماں سے، باپ سے اور تم سے جھگڑا مول لیا وہی خطوط جو میں ہٹ دھرمی میں لکھا کرتی تھی میری بربادی کا سبب بنے ہوا یوں کہ جب تم نے ڈاک کا سلسلہ ختم کیا تو میرے گھر خط آنے لگے ایک پر ابو اور بھیا کی نظر پڑی انہوں نے مجھے سختی سے منع کیا۔ اور

پھر میں نے سنجیدگی سے ان خطوں کے جوابات بند کر دیئے اسی دوران ابو کو میری شادی کی فکر ہوئی اور انہوں نے تاریخ مقرر کر دی. میں نے بہت کوشش کی کہ یہ رشتہ نہ ہو لیکن ابو نے میری ایک نہ سُنی اور منگنی کی تاریخ آ گئی جس دن وہ لوگ آئے اسی دن نامعلوم شخص نے میرے لکھے ہوئے خطوط آکر دُولہا کے باپ کو پڑھا دیئے وہ لوگ اسی وقت واپس چلے گئے اس بار پہلی دفعہ میرے دل کو چوٹ لگی، اور احساس ہوا اپنی غلطی کا" میری خاطر ماں باپ ذلیل ہوئے ابو بہت پریشان تھے۔ پھر چند ایک اور رشتے آئے لیکن انجام کو نہ پہنچ سکے ان کا بھی یہی حال ہوا اب ابو تھک ہار گئے اور امی ناکام ہو گئیں میں سارا دن کمرے میں بند رہتی میری ہر شوخی ہر ادا مٹ گئی میں جیتے جی مردہ تھی ناکام تمناؤں کا مزار بن چکی تھی دل چاہتا خود کشی کر لوں لیکن ایسا کرنا ناممکن ہے. ہر انسان کی زبان پر میری کہانی تھی ہم نے وہ محلہ چھوڑ دیا اور پھر میرا ایک کزن جسے میں خط لکھتی تھی اسے کہا کہ مجھ سے شادی کر لے اس نے انکار کر دیا کہ تم تو آوارہ ہو تم محبت کرنا کیا جانو؟ میں تڑپ کر رہ گئی کیا کر سکتی تھی ناچار زندہ تھی یہ لمبے دن اور راتیں مجھے ڈستیں اپنے آپ کو سب کا مجرم سمجھتی اور پھر میری ایک منہ بولی باجی نے کہا ایک شادی شدہ کا رشتہ ہے اگر منظور کر لو تو امی نے ہاں کر دی ہاں کرنے کی دیر تھی کہ پھر خطوط کا ریلہ چل نکلا لیکن اس بار شادی ہو گئی میں نے سکون محسوس کیا کہ چلو دنیا کی عار سے بچی لیکن یہ زندگی اس زندگی سے درد بھری ہے میرا خاوند بڑا ظالم ہے اسے مجھ پر شک ہے کہیں جانے نہیں دیتا میری سوکن سارا دن گالیاں دیتی ہے میں سارا دن کام کرتی رہتی ہوں ایک ملازم جتنی حیثیت نہیں کچھ اچھا نہیں لگتا کیا کروں کدھر جاؤں والدین کو کہوں تو وہ کیا کر سکتے ہیں. وہ طلاق دے دے گا، اُف خدایا میرا کیسا نصیب تھا چند دنوں کی نا سمجھی نے مجھے برباد کر دیا اب میں کہیں کی نہیں رہی سارا دن جانوروں کی طرح سختی ہے سوکن کے بچوں کی الگ غلام ہوں. اب تو دل چاہتا ہے موت آ جائے تاکہ سکون ہو ناہید نے روتی آنکھوں سے داستان مکمل کی اور میں سوچتی رہ گئی کہ ناہید کی آزادی نے اسے کتنا تباہ کیا ہے کاش ہمارے معاشرے کی ہر لڑکی ناہید کی کہانی سے سبق سیکھے تاکہ وہ بھٹکنے سے بچ جائے اور میری دُعا ہے خدا ناہید کو اب سکون دے دے اس کی ازدواجی زندگی مسرتوں سے بھر دے۔ آمین.

# خواتین کی بیماریاں

بحوالہ کراچی

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں یہ اسقدر صحیح کہا گیا ہے کہ جس میں کوئی شک نہیں ہے جیسے ہی گلشن میں پھول کھلتے ہیں اور اس کے مکمل حسین ہونے کا یقین ہوتا ہے اور اُس کی خوبصورتی دل کو لبھاتی ہے اسی طرح خوبصورت عورت بھی قدرت کا صناعی کا احساس دلاتی ہے مگر خوبصورتی کچھ تو فطری ہوتی ہے اور کچھ اس کو برقرار رکھنے کے لئے عقل مند خواتین اپنے طریقے اپناتی ہیں کہ اُن کی جلد ان کی صحت، بالکل ٹھیک نظر آئے۔

بعض خواتین کیا بلکہ اکثر خواتین نسوانی امراض میں مبتلا رہتی ہیں جو اُن کی نظر میں بظاہر معمولی لیکن اندرونی طور سے انہیں کھوکھلا کر دیتے ہیں۔ یہ امراض ایسے ہوتے ہیں کہ خواتین ایسے بتاتے ہوئے شرماتی ہیں۔

چنانچہ انہی امراض میں لیکوریا، ماہواری کے بے قاعدگی و زیادتی پوشیدہ اور ظاہری حصوں پہ خارش اور گھٹیاں، رحم کے امراض جن میں رحم کا ڈھلنا، ورم رحم، استرخاء رحم، رحم کی جھڑے ایسے امراض ہیں جن کو وہ ہر کسی سے نہیں کہہ سکتی چنانچہ معمولی اشکال سے بڑھتے اس قدر تجاوز کر جاتے ہیں۔ کہ بعض اوقات جان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔

چنانچہ ان عوارضات کا علاج کچھ اس طرح ممکن ہیں جس کو عرفِ عام میں مشرقی علاج کہا جاتا ہے۔

طبِ مشرق میں ان امراض پہ خصوصی تحقیق کر کے ایسی دوائیں ڈوشن، لیپ، غمار تیار کئے جاتے ہیں ان کا طریقِ کار اس قدر سہل ہے کہ وہ خواتین جو گھر بیٹھی ہیں اور جن کو خاص طور پر دوا کھانے وغیرہ جا کے دوا لگوانے میں شرم آتی ہے وہ یہ نسخہ گھر میں بھی تیار کر کے استعمال کر سکتی ہیں۔ خود یا اپنی کسی دوست یا بہن کو بتا کے اس طریقے پہ عمل کر سکتی ہیں۔ کیوں کہ طبی جڑی بوٹیاں اتنی آسانی سے مل جاتی ہیں کہ اگر ان کے بنانے کا طریقہ معلوم ہو تو خود بھی بنائی جا سکتی ہیں۔

ابھی حال ہی میں ایک طبیب نے مرطان کی گھٹلی جو برسٹ میں ہو گئی تھی اور پہلے اس کا آپریشن بھی ہو چکا تھا۔ گھٹلی دوبارہ ہو جانے کی صورت میں طبی علاج کے ذریعے اُسے گھلا دیا۔ اور وہ مریضہ صحت یاب ہو گئی۔

یہ ایک نہیں بلکہ ایسی کئی مثالیں بن سکتی ہیں اگر خواتین عقلمندی کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے ایسے طریقے علاج اپنائیں جس سے اُن کی صحت پر کسی قسم کے مضر اثرات مرتب نہ ہوں۔

اور کم خرچ بالانشیں کے مصداق طبِ مشرق ایک ایسا ذریعہ علاج ہے کہ اس سے مضر اثرات کم مرتب ہوتے ہیں انجکشن الرجی قسم کی کیفیات سے کافی حد تک محفوظ رہا جا سکتا ہے۔

کیونکہ اکثر گرم دوائیں اور انجکشن وغیرہ لگوانے سے الرجی جیسے شدید تکلیف پیدا ہو جاتی ہے اور یہ ایسی تکلیفیں ہوتی ہیں جو تمام عمر کے لئے خواتین کے ساتھ ہو جاتی ہیں۔

طبِ مشرق میں ان تمام تکلیفوں سے کافی حد تک کامیاب علاج میسر آ جاتا ہے۔

اکثر و بیشتر ایسا ہوتا ہے کہ خواتین گھٹیا رسائل اور غیر مستند لوگوں سے مشورہ کر کے ان کے بتائے ہوئے علاج کو اپنا کر اپنے لئے ایسی مصیبتیں کھڑی کرتی ہیں کہ ان کے اس علاج کے ساتھ ساتھ ان کی صحت و حسن دونوں بُری طرح متاثر ہوتے ہیں۔

جس طرح پھول کی خوبصورتی کو برقرار رکھنے کے لئے توانائی کی ضرورت ہوتی ہے۔

اور گل کی خوبصورتی کو برقرار رکھنے کے لئے مختلف تدابیر کی جاتی ہیں۔ اسی طرح خواتین کا یہ فطری حق ہے کہ وہ اپنے حسن کو برقرار رکھنے کے لئے تمام جتن و طریقے استعمال کر سکتی ہیں۔

جیسے پھولوں اور پودوں کی نشوونما اور بیماریوں کے لئے روک تھام کے لئے غلط ادویہ نقصان دہ ہوتی ہیں۔ اسی طرح خواتین کے لئے غلط راہِ علاج ان کو شدید قسم کی تکالیف میں پھنسا دیتی ہے۔

اب طبِ مشرق میں عورتوں کے علاج کے لئے تحریک ایام خاص تحلیل ادرام رحم، ڈوش، لیپ، ضمادات وغیرہ اتنے عمدہ بنائے گئے ہیں۔

ان ضمادات و مرہم سے مختلف قسم کے امراض پیدا ہونے کا خطرہ نہیں ہوتا۔

اور اسی خصوصیت کی وجہ سے طبِ مشرق کی سربلندی ہوتی ہے کہ اس میں خواتین کے امراض مخصوصہ کا بہترین علاج طبِ مشرق میں موجود ہے اور یہ خواتین کا بہترین دمعاون ساتھی علاج میں ثابت ہوا ہے۔

# کرن کرن خوشبو

ترتیب : نیلوفر رفیق

عشرت ظہور قائم خانی ——— حیدر آباد

## علم

جو شخص علم حاصل کرنے کے لئے نکلتا ہے وہ واپس آنے تک اللہ کی راہ میں ہوتا ہے۔

طالب علم اگر علم کی تلاش کرتے ہوئے مر جاتا ہے تو وہ شہادت کا درجہ پاتا ہے۔

علم نبیوں کی وراثت ہے کیونکہ نبیوں نے کوئی ملکیت نہیں چھوڑی صرف علم کی ملکیت کو چھوڑا ہے اور جس نے اس وراثت کو حاصل کیا اس نے سب کچھ حاصل کر لیا۔

علم کے لئے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

علم اک نور ہے جو دل کو جلا دیتا ہے
نقشِ باطل کی طرح جہل مٹا دیتا ہے
لذتِ عشق سے عالم کو شناسا کر کے
آدمی کو صحیح انسان بنا دیتا ہے

شازیہ تاج ——— جیکب آباد

## سودا

ایک شخص نے مٹھائی خریدی اور قیمت ادا کئے بغیر اپنے لڑکے کو دے کر چلتا کیا۔ جب لڑکا نظروں سے اوجھل ہو گیا تو اس نے حلوائی سے پوچھا "کیوں میاں! اگر میں مٹھائی کی قیمت نہ دوں تو تم کیا کرو گے۔"

آخر حلوائی نے جواب دیا "ایک زوردار طمانچہ رسید کروں گا۔"

اس شخص نے متانت سے اپنا گال آگے بڑھا دیا اور بولا۔

"بہتر ہے طمانچہ رسید کرو۔"

حلوائی نے جھلا کر ایک زوردار طمانچہ رسید کر دیا۔

اس شخص نے گال سہلا کر حلوائی سے کہا "اگر تم پسند کرو تو ان داموں میں پوری دکان کا سودا کرنے کو تیار ہوں۔"

انجم ظہور سیال ——— ملتان

## جواہر پارے

۱. میٹھی زبان بے شمار دشمنوں سے بچاتی ہے۔ (سعدیؒ)
۲. مسکراہٹ روح کا دروازہ کھول دیتی ہے۔ (البیرونی)
۳. آدمی کی قابلیت زبان میں پوشیدہ ہے۔ (حضرت علیؓ)
۴. علم سے آدمی کی وحشت اور دیوانگی کم ہوتی ہے۔ (ابراہم لنکن)
۵. دل ایک تر و تازہ پھول کی مانند ہے جو غم کی آگ سے کملا جاتا ہے۔ (حضرت عثمانؓ)
۶. آدمی اچھی باتوں سے بنتا ہے اچھی صورت سے نہیں۔ (خواجہ جنید)
۷. زبان کھولنے سے پہلے سوچ لو کہ دنیا میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو تم سے زیادہ عقلمند ہیں۔ (حضرت لقمان)
۸. اچھا مطالعہ انسان کے کردار پر اچھا اثر ڈالتا ہے۔
۹. اچھی دوستی ایک پاکیزہ جذبہ ہے۔

صوفیہ مختار ——— کراچی

دنیا بھی کتنی عجیب شے ہے اور اس میں بسنے والے تو اس سے بھی بڑھ کر عجوبہ ہیں۔ غریب آدمی کو دنیا والے ٹھوکریں ہی دیتے ہیں اور اس کے وجود کو باعثِ شرم سمجھا جاتا ہے اور جب وہی غریب چار پیسے والا ہو جاتا ہے تو اس مطلبی دنیا کے بسنے والے اسی غریب آدمی کی پوجا کرتے ہیں۔

## پارس کا پتھر

کیا خوب ہے جسے چھوئے یا جس سے پل کا ناتا رکھے اسے سونا بنا دیتا ہے۔ مگر خود . . . سدا پتھر کا پتھر ہی رہتا ہے۔

یاسمین کنول — شکارپور

## برنارڈ شا کی ظرافت

ایک شخص برنارڈ شا کے پاس اپنا افسانہ لایا اور بولا: "ایسے بہت سے افسانے میں نے الماری میں رکھے ہوئے ہیں۔"
برنارڈ شا نے افسانہ پڑھا اور لوٹاتے ہوئے کہا۔
"میرے بھائی اسے بھی الماری میں رکھ دو۔"

## اقتباسات

محض قابلیت سے مصنف بننا ناممکن ہے یہ لازمی ہے کہ مصنف پہلے انسان بنے۔

یہ دنیا ایک درخت کی مانند ہے۔ قومیں اور باشندے اس کی شاخیں اور افراد پھل پھول (پشکن)

پوشاک اور اطوار میں گہرا تعلق ہے۔

جو لوگ تقدیر سے نبرد آزما رہے۔ جنہوں نے وسیع سمندروں میں سفینے ڈال دیئے جنہوں نے فلک بوس اور دشوار گزار پہاڑیوں کو عبور کیا۔ جو بے آب و گیاہ صحراؤں میں راہ نورد رہے وہ جنہوں نے حقیقتوں کے خوف پر قابو پالیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے کامیاب زندگی بسر کی۔

زندگی آرام و راحت اور عیش و عشرت سے عبارت نہیں بلکہ مسلسل سعی، خطرات و حادثات کے مقابلے اور پیہم جدّوجہد کا نام ہے۔

ظلِ ہما ڈار — فیصل آباد

## انتخاب کلام

دیکھ اے دل اس رسیلی رت کے کتنے روپ ہیں
جھومتے جھونکے ہیں جھکتی جھاڑیوں کے جھنڈ میں
ہائے ان پھیلی ہوئی پھلواریوں کے درمیان
اک تری میٹھی ہوئی تنہائیاں اور ایک میں
کس کی دھن ہے باورے من
تیرا کون ہے بھولے دل

(مجید امجد)

فریدہ میمن — خیرپور

## اقوال زریں

۱۔ اس دنیا میں جو شخص آزاد نہیں موت اسے آزادی دیتی ہے جس کا کوئی علاج نہیں کر سکتا موت اس کی معالج بنتی ہے اور جسے کوئی تسکین نہیں دے سکتا اسے موت ہی تسکین دیتی ہے

۲۔ لوگوں سے بے رخی نہ کر۔ زمین پر اترا کر نہ چل کیونکہ اللہ کسی شیخی خورے کو پسند نہیں کرتا۔

۳۔ تلوار کا وار جسم کو زخمی کرتا ہے اور زبان کا وار روح کو گھائل کرتا ہے۔

۴۔ دعا کرنے سے پہلے اپنی غلطیوں پر نظر ڈالنے کی کوشش کرو۔

روبینہ بٹ روبی — پشاور

## انمول عطیہ

زندگی قدرت کا انمول عطیہ ہے ہم اس کے باوجود زندگی سے مطمئن نہیں ہو پاتے لیکن اگر ہم اس ذمہ داری کو قدرت پر ٹالتے رہیں گے تو اس کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہ ہوگا کہ ہم زندگی اور قدرت دونوں کے منکر ہو جائیں گے۔ اس انکار کے بعد ہمارے لئے زندگی میں کوئی دلچسپی اور دلکشی نہیں رہے گی۔ ہم بالکل اسی طرح رہیں گے جس طرح کوئی بیگار بھگت رہا ہو۔ یہ ایک ایسی صورت ہوگی۔ جس میں ہم اپنے تئیں آدمی ہونے کے باوجود حیوانوں سے کمتر سطح پر پائیں گے

شعر:
کیا بیت گئی اب کے فراز اہل چمن پر
یاران قفس مجھ کو صدا کیوں نہیں دیتے

شبنم نجمی — کراچی

## لطیفے

دو افیمی ایک کمرے میں بیٹھے تھے کہ دھوپ آنے لگی۔ ایک افیمی کہنے لگا "یار اس کمرے کو اٹھا کے دوسری جگہ رکھ دیں تاکہ دھوپ نہ آئے۔" دوسرا کہنے لگا "چلو" دونوں دیوار ہلانے لگے۔ اتنے میں شام ہو گئی دھوپ سرک گئی۔ کہنے لگے۔ "بس یہیں رکھ دو۔"

### "لوٹ مار"

ایک مولوی نابینا تھے انہوں نے ایک لڑکا معاون کے طور پر رکھا ہوا تھا جو محفلوں میں ان کے ساتھ جاتا کھانے کی

دعوتوں میں انہوں نے اپنا اشارہ کہنی مارنا رکھا تھا۔ کھانا شروع ہوتا لڑکا کہنی مار دیتا مولوی صاحب کھانا شروع کر دیتے۔ ایک محفل میں اتفاق سے دستر بچھا بیٹھتے وقت لڑکے کی کہنی لگ گئی۔ مولوی صاحب نے کھانا شروع کر دیا۔ لڑکے نے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے ایک کہنی اور مار دی۔ مولوی صاحب اور تیز کھانے لگے۔ لڑکے نے ایک اور ماری۔ مولوی صاحب اور تیزی سے کھانے لگے۔ لڑکے نے لگاتار مارنی شروع کیں۔ مولوی صاحب بولے۔" ابے کیا لوٹ مچ رہی ہے۔"

تہمینہ نگار مرزا ——— کراچی

- مسلمان کی بہترین تلوار دُعا ہے اس سے کام لینا چاہیئے ہر وقت دعا کرنی چاہیئے۔ اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنا چاہیئے۔
- مسلمان ایک ایسا پتھر ہے کہ جس پر گرتا ہے اُسے پاش پاش کرتا ہے۔ اور جو اس پر گرتا ہے پاش پاش ہوتا ہے۔
- مسلمان طالب علم جو اپنی قوم کے عمرانی، اخلاقی اور سیاسی تصورات سے نابلد ہے روحانی طور پر اک ہیجانی لاش کے ہے۔
- تاریخ اسلام اِک سبق یہ بھی ہے کہ آڑے وقتوں میں اسلام ہی نے مسلمانوں کی زندگی کو قائم رکھا۔ مسلمانوں نے اسلام کی حفاظلت نہیں کی۔
- اسلام بحثیت دین خدا کی طرف سے ظاہر ہُوا لیکن بحثیت معاشرہ یا ملت کے رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کا مرہون منت ہے۔
- لوگوں کے متعلق بد گمانی کرنے سے بچو!

انس رضا

- ظالم سلطان کے آگے عدل کا حکم کہہ دینا سب سے بڑا جہاد ہے۔

رعنا افتخار ——— سرگودھا

**کتب خانہ**

کتب خانے کی پُرسکون فضا میں جو مختصر لمحے گذرتے ہیں۔ میرے لئے وہ نپولین اور سکندرِ اعظم کی تمنائے زندگی کی صدیوں سے زیادہ بیش بہا اور قابلِ قدر ہیں۔ دائیں بائیں آگے پیچھے اردگرد مجلد خزانہ انبار در انبار چنا ہوتا ہے اس پر کتب خانے کا سکوتِ نیم شبی سناٹے کو مات کر دیتا ہے۔ اور میں بھی سمجھتا ہوں کہ میں الہ دین کے غار میں ہوں اور ہر طرف زر و جواہر کے انبار ہیں اور سب میرے ذاتی تصرف کے لئے ہیں۔

عظیم بیگ چغتائی

**دُعا**

ایک اعلےٰ و ارفع عبادت اور اسے عبادت کا درجہ اس لئے دیا گیا کہ اس میں عجز و اخلاص یکسوئی سے بندگی کا بھر پور اظہار ہوتا ہے۔ دعا سے گریز کرنے کو عبادت سے سرتابی قرار دیا ہے۔ دُعا عبادت کی رُوح ہے اور اللہ تعالےٰ کے یہاں سب سے افضل ہے ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے یہاں دُعا سے زیادہ کسی چیز کا درجہ نہیں ہے۔

رسولِ کریمؐ نے ارشاد فرمایا کہ دُعا مومن کا ہتھیار ہے دین کا ستون ہے اور اور آسمان و زمین کا نور ہے۔ جس طرح مغز کے بغیر انسان بے عقل ہے اسی طرح دعا کے بغیر عبادت بے روح ہو کر رہ جاتی ہے یہ بندے کو اللہ سے قریب تر کر دیتی ہے۔

توحید صدیقی ——— کراچی

## کچھ دیر "آسکر وائلڈ" کے ساتھ

۱۔ بعض اہم معاملات میں خلوص سے زیادہ طریقۂ کار کی اہمیت ہوتی ہے
۲۔ بیوقوفی سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں۔
۳۔ آدمی اپنے دشمن کے انتخاب میں زیادہ احتیاط نہیں برت سکتا۔
۴۔ تھوڑا خلوص خطرناک اور زیادہ جان لیوا ہوتا ہے۔
۵۔ ہر شخص اپنی غلطیوں کو تجربے کا نام دیتا ہے

ساجدہ ایف کے، لبنیٰ کنول، روبینہ شاہین

وہ رُت بھی آئی کہ میں پھول کی سہیلی ہوئی
مہک میں چمپا کلی، روپ میں چنبیلی ہوئی

---

فوزیہ جمیل، ثمینہ گوہر بٹ، شازیہ احمد

میں پھول چنتی رہی اور مجھے خبر نہ ہوئی
وہ شخص آ کے میرے شہر سے چلا بھی گیا

---

بصیرت نور، گلنار شگفتہ گل، صابرہ ایرانی

عکسِ خوشبو ہوں، بکھرنے سے نہ روکے کوئی
اور بکھر جاؤں تو مجھ کو نہ سمیٹے کوئی

---

نیلوفر افشاں عاشی، حنا یوسف امجد عندلیب ساجدہ جبیں فاروقی

ہاتھ میرے بھول بیٹھے دستکیں دینے کا فن
بند مجھ پر جب سے اُس کے گھر کا دروازہ ہوا

---

نسیم عبید، فوزیہ ناز، شمیمہ عندلیب

جگنو کو دن کے وقت پرکھنے کی ضد کریں
بچے ہمارے عہد کے چالاک ہو گئے

---

ظل ہما ڈار

میری طرح سے کوئی ہے جو زندگی اپنی
تمہاری یاد کے نام انتساب کر دیگا

---

یاسمین کنول، فہمیدہ مومی

وہ جھوٹ بولے گا اور لاجواب کر دیگا
میں سچ کہوں گی پھر بھی ہار جاؤں گی

---

رضوانہ تسنیم، تہمینہ نگار مرزا

اترے نہ میرے گھر میں وہ مہتاب تک کبھی
میری دعائے نیم شبی بے اثر گئی

---

گوہر ناز، روحی تبسم چوہدری شاہین کوثر غزنوی
مس گل نسرین

کانپ اٹھتی ہوں میں سوچ کے تنہائی میں
میرے چہرے پہ ترا نام نہ پڑھ لے کوئی

---

فیروز جہاں، مجیبہ الماس، معینہ وارثی

راکھ کے ڈھیر پہ اب رات بسر کرنی ہے
جل چکے ہیں میرے خیمے میرے خوابوں کی طرح

---

تمکین زیدی، توحید صدیقی

تو میرا کچھ نہیں لگتا مگر جانِ حیات
جانے کیوں تیرے لئے دل کو دھڑکتا دیکھوں

---

ناظمہ انور

پھر پلٹ آئیں لٹا کر ہم متاعِ زندگی
پھر نظر کو دشت و صحرا دل کو ویرانہ کریں

---

# یہ شعر پسند ہے مجھے

ترتیب: ذوالقرنین

اس ماہ کی شاعرہ پروین شاکر ہیں

ساجدہ انیس کراچی

## موسم

چڑیا پوری بھیگ چکی ہے
اور درخت بھی پتہ پتہ ٹپک رہا ہے
گھونسلا کب کا بکھر چکا ہے
چڑیا پھر بھی چہک رہی ہے
انگ انگ سے بول رہی ہے
اس موسم میں بھیگتے رہنا کتنا اچھا لگتا ہے

وہ جس سے رہا آج تک آواز کا رشتہ
بھیجے میری سوچوں کو اب الفاظ کا رشتہ

**بلقیس فردوس، زینت صادق علی، نسیم سحر، شاہین قاضی**

اس طرح خواب میرے ہو گئے ریزہ ریزہ
اس طرح سے نہ کبھی ٹوٹ کے بکھرے کوئی

---

**سعیدہ جبیں**

لڑکیوں کے دُکھ عجب ہوتے ہیں سُکھ اس سے عجیب
ہنس رہی ہیں اور کاجل بھیگتا ہے ساتھ ساتھ

---

**ریحانہ میر، مقصودہ احمد، صابرہ**

شام بھی ہو گئی دھندلا گئیں آنکھیں میری
بھولنے والے میں کب تک تیرا رستہ دیکھوں

---

**تسنیم خان، شبنم ناز، فرزانہ دمساز بلوچ**

خوشبو بھی اس کی طرزِ پذیرائی پر گئی
دھیرے سے میرے ہاتھ کو چھو کر گزر گئی

---

**جبیں صادق، صابرہ بلوچ، قیصر نگار مرزا**

آندھی کی زد میں آئے ہوئے پھولوں کی طرح
میں ٹکڑے ٹکڑے ہو کے فضا میں بکھر گئی

---

**شازیہ تاج، رضوانہ تسنیم**

اب ان دریچوں پہ گہرے دبیز پردے ہیں
وہ تاک جھانک کا معصوم سلسلہ بھی گیا

---

**نسرین چوہدری، نجمہ رفیع**

وہ چاند بن کے میرے ساتھ ساتھ چلتا رہا
میں اس کے ہجر کی راتوں میں کب اکیلی ہوئی

---

**سیما رفیع، قیصر عابدہ**

درد پھر جاگا، پرانا زخم پھر تازہ ہوا
فصلِ گل کتنے قریب آئی ہے اندازہ ہوا

---

**ممتاز کنول**

اک عمر چاہیئے ان کو سمجھنے کے لئے
دو گھڑی کی چاہت میں کھلتی نہیں یہ لڑکیاں

---

**لبنیٰ عنایت، لبنیٰ کنول، ریاض فاطمہ، رضیہ یاور، فوزیہ یمین
تہمینہ نذیر، شہناز نذیر، خالدہ تاج، عذرا ملک**

وہ تو خوشبو ہے فضاؤں میں بکھر جائے گا
مسئلہ پھول کا ہے، پھول کدھر جائے گا

---

**فرزانہ ناز بلوچ**

غیروں کی بات چھوڑیئے اپنوں سے کیا ملا
ہم کو تو اب کسی پہ بھروسہ نہیں رہا

---

**یاسمین خانخیل۔ مانسہرہ**

تو بدلتا ہے تو بے ساختہ میری آنکھیں
میرے ہاتھوں کی لکیروں سے اُلجھ جاتی ہیں

---

**چندا خانخیل۔ مانسہرہ**

میں جب بھی چاہوں اُسے چھو کر دیکھ سکتی ہوں
مگر وہ شخص کہ لگتا ہے اب بھی خواب ایسا

---

**روبینہ جبیں**

ہاتھ اُٹھا کے جب آنکھوں ہی آنکھوں میں
اس نے مجھ کو اپنے رب سے مانگا تھا

---

**نگہت جبیں**

برسا بھی تو کس دشت کے بے فیض بدن پر
اک عمر میرے کھیت تھے جس ابر کو ترسے

---

**لبنیٰ مغل، کراچی**

کہیں رہے مگر خیریت کے ساتھ رہے۔
اُٹھائے ہاتھ تو یاد ایک ہی دعا آئی۔

---

**سعیدہ رحمان فیصل آباد**

ہتھیلیوں کی دُعا پھول لے کے آئی ہو،
کبھی تو رنگ میرے ہاتھ کا حنائی ہو

---

**فرزانہ لاہور**

تری طرح، مری آنکھیں بھی معتبر نہ رہیں
سفر سے قبل ہی رستوں میں وہ سراب اُترے

---

**رخسانہ فضل کراچی**

نہیں نہیں یہ خبر دشمنوں نے دی ہوگی۔
وہ آئے آ کے چلے بھی گئے! ملے بھی نہیں

---

**سیمیں سراج ——— کراچی**

## پسِ چاہ

چاند کیا چھُپ گیا
گھنے بادلوں کے کنارے
روپہلے ہوتے جا رہے ہیں۔

**ہما عزیز لاہور**

وہ نہ آئے گا ہمیں معلوم تھا اس شام بھی
انتظار اس کا مگر کچھ سوچ کر کرتے رہے۔

---

مجھے یہ شعر پسند ہے کے تحت مارچ ۷۹ء کے شمارے کے شاعر احمد ندیم قاسمی ہیں، اِن کے اشعار بھیجنے کی آخری تاریخ ۲۰ فروری ۷۹ء ہے۔ بعد میں موصول ہونے والے اشعار شامل اشاعت نہ ہو پائیں گے۔ "ادارہ"

# نظمیں

## محمود بابر فیصل

ان راہوں پر چلتے چلتے
ٹوٹ گئے کتنے ہی سپنے
حال بھی اپنا کہہ نہیں سکتے
درد بھی ہم یہ سہہ نہیں سکتے

لب کھولیں رسوا ہو جائیں
پل میں کیا سے کیا ہو جائیں
اشک بھی اپنے بہہ نہیں سکتے
درد بھی ہم یہ سہہ نہیں سکتے

وعدے اس کے خواب کی صورت
باتیں اُس کی سراب کی صورت
پھر بھی اُس بن رہ نہیں سکتے
درد بھی ہم یہ سہہ نہیں سکتے



## سوہن راہی
(لندن)

ہونٹوں کی پنکھڑیاں سوکھیں نینوں میں برسات
میرے من میں بسے ہے چندا' باہر کالی رات
اُجیاری زخموں کی باتی' بجھا بجھا تیرا ساتھ
میں کیا جانوں کیوں آیا' مرے ہاتھ میں تیرا ہاتھ

کرنوں کی بہتی ندیا پر' چندا شبنم روئے
میری راہ میں چلتے چلتے' کس نے کانٹے بوئے
مجھ پاپی نے ہر موسم میں' آنسو ہار پروئے
رو رو کر میں راہیں کاٹوں ساری دنیا سوئے
سب کچھ میں نے کھو کر پائی' زخموں کی سوغات
میں کیا جانوں کیوں آیا' مرے ہاتھ میں تیرا ہاتھ

پیت نگر کی الہڑ جوگن' میں رستوں کی دھول
پل دو پل کی خوشیوں کا سب مانگیں ہیں مول
میں نے ماٹی چندن جانا' سول کو جانا پھول
جن نینوں نے روپ بکھیرے' اُن سے ہو گئی بھول
ایسی پریم کی بازی جیتی' جیت میں ہو گئی مات
میں کیا جانوں کیوں آیا' مرے ہاتھ میں تیرا ہاتھ

# غزلیں

سعیدہ عروج مظہر (مرحومہ)

یہ دردِ نہاں کبتک ؟ خاموشِ بیاں کبتک
ہاں منہ سے بھی کچھ کہیئے آنکھوں کی زباں کبتک
یہ جذب تپاں کب تک ؟ یہ سوزشِ جاں کبتک ؟
گھٹ جائے نہ دم ظالم آہوں کا دھواں کبتک ؟
یہ چشم تصور ہے پلتے ہیں یہاں جلوے
زرنگار حجابوں میں تصویرِ بتاں کبتک ؟
گلشن میں بکھیرے ہیں شبنم نے بہت موتی
نازک ہیں بہت کلیاں یہ بارگراں کبتک ؟
خود اپنی نگاہوں سے صد رنگ ہیں آئینے
اس عکسِ خرابی میں رقصِ دل و جاں کبتک ؟
ہے مظہرِ سوزِ جاں تصویرِ دل معنٰی
یہ رنگِ تغزّل کا اے شعلہ بیاں کبتک ؟

سعیدہ عروج مظہر (مرحومہ)

دِل کی دھڑکنیں توبہ جانِ ناتواں توبہ
وعدہ آپ ہی کا ہے آپکی زبان توبہ
درد لا دوا لے کر سوزِ بیکراں لے کر
لامکاں سے آئے ہیں فتنۂ مکاں توبہ
غیر پر سے جب اٹھی ہم سے مِل گئیں نظریں
بھیگی بھیگی پیشانی منہ دھواں دھواں توبہ
شبنمیں فضاؤں میں رچ رہی ہے موسیقی
سازِ دِل سے یادوں کی چھڑا الاماں توبہ
اِک نگہ رمیدہ سی روح جھنجھنا اٹھی
ان کے گوشۂ لب کی لرزشِ نہاں توبہ
برگِ گل پہ شبنم ہے تارِ جاں پہ نغمہ ہے
مظہر اثر توبہ مظہر فغاں توبہ

پروین شاکر

چارہ گر ہار گیا ہو جیسے
اب تو مرنا ہی دوا ہو جیسے

مجھ سے بچھڑا تھا وہ پہلے بھی مگر
اب کے یہ زخم نیا ہو جیسے

میرے ماتھے پہ ترے پیار کا ہاتھ
روح پر دستِ صبا ہو جیسے

یوں بہت ہنس کے ملا تھا لیکن
دِل ہی دِل میں وہ خفا ہو جیسے

سر چھپائیں تو بدن کھلتا ہے
زیست مفلس کی ردا ہو جیسے

# نامے میرے نام

سویٹ نادرہ آپی !

گلہائے عقیدت۔

جنوری کا کرن اپنی پہلی شان وشوکت سے کچھ زیادہ ہی جگمگاتا ہوا املا اور پڑھنے والوں کو ڈھیروں خوشیاں دے گیا۔ "چارہ گر" کا اختتام بہت اچھا تھا۔ "کنول" بھی بے حد پیارا ناول ہے۔ افسانے تمام بہت اچھے تھے۔

طاہرہ نواز ڈرایخ

---

پیاری محترمہ باجی نادرہ جی !

آداب۔

مؤدبانہ گذارش یہ ہے کہ آپ کا اور ہم سب پرستار بہنوں کا خوبصورت حسین رسالہ کھٹی میٹھی، ہنستی مسکراتی آنکھوں کو نم کرتی یادوں سے مزین ہاتھوں کے ذریعے آنکھوں کے راستے دِل میں اتر گیا۔ خدا کرے آپ لوگوں کی کاوشیں ہمیشہ اسی طرح رنگ لائیں۔ آمین ثم آمین۔

زینت حسن مگسی۔ لیاری کراچی

---

پیاری نادرہ آپی !

آداب۔

دسمبر کا شمارہ پڑھا بہت پسند آیا۔ تقریباً سب افسانے اچھے تھے ناول "کنول" بہت پسند آیا۔ میری دعا ہے کہ کرن دِن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کرے (آمین) اِس رسالے کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔

یاسمین مرزا۔ سکھر

---

میری آپی !

سلام عقیدت !

کرن ـــ اس روشنی کی جس نے دِل کے نہاں خانے کو منوّر کر رکھا ہے۔ باجی ! اِس کی چمک دمک میں فرق نہیں آنا چاہیئے۔

"بغیر عنوان کے" کا کوئی مزہ نہیں آیا۔ اِنشاء جی کی ملاقات پُرلطف رہی سلطانہ مہر کی تخلیق "کہاں گیا وہ شخص" لاجواب تھی۔ غزلوں کے لئے مصرعۂ طرح یا کوئی عنوان دینے کے سلسلے میں میں نسیمہ عندلیب کی ہمنوا ہوں۔ اِس کے لئے منتظر رہیں گے۔

شازیہ تاج جیکب آباد۔

ج :ـ کسی شاعر کے بارے میں یکجا اشعار مِل جائیں ہمارے خیال میں یہ زیادہ مناسب ہے۔

---

گلہائے عقیدت۔

نیا سال مبارک ہو اور جنوری کا شمارہ بہت پسند آیا۔ سب سے پہلے مسکراتا ہوا ٹائیٹل دِل کو بھا گیا۔ قسط وار ناول بہت پسند ہے۔ کرن میں تقریباً ہر موضوع پر لکھا جاتا ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ کشیدہ کاری کو بھی مستقل سلسلے میں شامل کرلیں۔

مقصودہ احمد ـــ

ج :ـ آپ کا مشورہ سر آنکھوں پر۔

---

محترمہ نادرہ صاحبہ !

سلام عقیدت۔

امید ہے کہ آپ بالکل خیریت سے ہوں گی۔ جنوری کا شمارہ ہاتھ میں آیا بے اختیار ہو کر کھولا تو سب سے پہلے اِنشاء جی مرحوم کی تصویر پر نظر پڑی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اِنشاء جی مرحوم کا انٹرویو بے حد پسند آیا۔ اللہ میاں ہم سب کو صبر دے۔ اَب تک یقین نہیں آتا کہ اِنشاء جی کوچ کر چکے ہیں۔ کرن اپنی تمامتر رعنائیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوا۔ تمام سلسلے بہترین ہیں۔ افسانے بھی بہت اچھے ہیں۔ دعا گو ہیں کہ کرن اپنی کرنیں یوں ہی پھیلاتا رہے۔

نزہت صادق ـ کراچی

---

پیاری بجیا !

آداب ! سلامت تا قیامت۔

بے شمار کرنوں سے مزین جنوری کا "کرن" دیکھ کر دِل باغ باغ ہو گیا۔ صفحہ پلٹتے ہی ہر دلعزیز شاعر، صحافی، ادیب اور کالم نگار ابن انشاء کا انٹرویو دیکھا ! پڑھا بہت پسند آیا اور ساتھ ہی اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے۔ مستقل سلسلے بہت اچھے تھے۔ ناول اچھے جا رہے ہیں۔ بجیا نومبر میں کرن کیلئے بڑی امیدوں کے ساتھ سچی کہانی "وفا کی دیوی" ارسال کی تھی۔ پھر ایک خط بھی ارسال کیا۔ لیکن جواب سے محروم رہی۔

رخسانہ نور ـ کراچی۔

ج :ـ بی بی۔ بے شمار افسانے ہمیں اَب تک موصول ہوئے ہیں اور انہیں پڑھنے میں کچھ وقت تو لگے گا نا۔ لہٰذا کچھ انتظار تو کیجیئے۔

---

پیاری نادرہ باجی !

آداب۔

جنوری کا شمارہ پڑھا بے حد پسند آیا۔ تقریباً تمام ہی سلسلے اچھے ہیں اور یہ تو بتائیے کہ ٹائیٹل اِتنے خوبصورت کہاں سے ڈھونڈ کراتی ہیں۔ اور اِس دفعہ کا ٹائیٹل تو بس قیامت تھا۔ مگر ایک مشورہ دوں گی بلا معاوضہ، اور وہ یہ کہ براہِ مہربانی ٹائیٹل پر دی ہوئی تصویر کا مختصر سا تعارف دیا کریں۔ اِس طرح دِلچسپی میں مزید اضافہ ہوگا۔ ناہید نذر صاحبہ کا افسانہ بہت پسند آیا۔ درد کے فاصلے بھی اچھا خاصا کامیاب جا رہا ہے۔

صوفیہ مختار۔ کراچی

---

ڈیئر نادرہ بجیا!

سلام خلوص۔ امید ہے بخیریت ہوں گی۔

ہمیشہ کی طرح اس ماہ بھی ہزاروں ہزاروں رنگ برنگ کرنیں سمیٹے جگمگاتا کرن ملا۔ بے تحاشہ تعریف دلچسپیاں سمیٹے ہوئے تھا۔ افسانے سارے کے سارے کے مستحق تھے۔ کنول پسند آرہا ہے تیسری قسط کا انتظار ہے۔ کرن نے اتنے تھوڑے عرصے میں حیرت انگیز مقبولیت حاصل کرلی ہے۔ خدا کرے اس کی مقبولیت میں اور اضافہ ہو۔

انشاء جی کی غزلیں ہمیشہ کی طرح فائل میں محفوظ کررہی ہوں نہ جانے خدا اچھی اور ہر دلعزیز ہستیوں کو اتنی جلدی کیوں بلالیتا ہے۔ آج انشاء جی کو مرحوم ہوئے پورا برس گزر گیا ہے لیکن کل ہی کی بات لگتی ہے۔ خدا انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ (آمین)

روشینہ سحر۔ خیرپور میرس

---

اچھی نادرہ باجی!

سلام شوق۔

باجی میں اور میرے گھر کے تقریباً تمام افراد کرن کے شیدائی ہیں۔ اتنا عمدہ رسالہ نکالنے پر مبارکباد قبول فرمائیں۔ باجی! اگر میں اپنی پسندیدہ غزلیں اور ڈائری کے اوراق لکھ کر بھیجوں تو کیا آپ اسے کرن میں شائع کرنا پسند فرمائیں گی۔ جواب ضرور دیں۔

کرن کی درازیٔ عمر کی دعاگو۔

مس حسن آراء۔ کراچی

ج:۔ ضرور بھیجیں۔

---

سویٹ باجی!

خلوص بیکراں!

آج پہلی مرتبہ آپ کی محفل میں شرکت کررہی ہوں۔ توقع رکھتی ہوں کہ آپ مایوس نہیں کریں گی۔ باجی! یہ رسالہ مجھے بے حد پسند ہے اور بہت ہی پیارا رسالہ ہے میں کافی عرصے سے کرن کا مطالعہ کررہی ہوں۔ لیکن خط لکھنے کا یہ پہلا موقع ہے۔ ہاں باجی میں ایک تجویز پیش کرتی ہوں آپ بُرا تو نہیں مانیں گی وہ یہ کہ کرن میں کشیدہ کاری کا سلسلہ بھی شروع کریں تاکہ کچھ بہنیں ڈیزائن بناکر بھیج سکیں اور کچھ بہنیں اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ باقی سب سلسلے خوب سے خوب تر ہیں۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ آخر میں میری پرخلوص دعائیں اپنے پسندیدہ رسالے کے لئے قبول کریں۔

فریدہ میمن۔ خیرپور۔

ج:۔ آپ کے مشورے پر عمل کریں گے۔

---

ڈیئر نادرہ باجی!

آداب۔

جنوری کا کرن اپنی آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہوا۔ سارے ہی افسانے لاجواب تھے انعام یافتہ افسانے واقعی انعام کے مستحق تھے۔ ناول کنول بہترجا رہا ہے۔ ابن انشاء صاحب کی غزلیں بہت پسند آئیں اور اپنی ڈائری میں بھی نوٹ کرلی ہیں۔

شازیہ احمد۔ کراچی

---

پیاری نادرہ باجی!

آداب۔

جنوری کا پرچہ کھولا تو بے شمار رنگین کرنوں میں سے ایک چمکیلی کرن کی روشنی سے آنکھیں چندھیا کر رہ گئیں۔ بہت اچھا رسالہ ہے خدا کرن کو دن دگنی اور رات چوگنی ترقی دے۔ (آمین)

باجی میں کرن کی فائل مکمل کرنا چاہتی ہوں۔ میرے پاس اپریل اور مئی کے رسالے نہیں ہیں۔ آپ سے منگوانا چاہتی ہوں اس کے لئے کیا طریقہ ہے براہِ مہربانی فروری کے شمارے میں جواب دیں۔ شکریہ۔

کرن کی پرستار۔

ارم زریں۔ پشاور

ج:۔ آپ سرکولیشن منیجر کو خط لکھ کر وی پی منگوالیں۔

---

پیاری نادرہ آپی!

آداب!

سب سے پہلے نئے سال کی مبارکباد قبول کیجئے۔ دسمبر کا کرن بہت پسند آیا۔ سب افسانے اور سلسلے اور سچی کہانیاں بہت اچھی لگیں۔

نبیلہ امان۔ پشاور

---

سویٹ نادرہ آپی!

مثلِ گل خنداں رہو۔

بہت دنوں کے بعد آپ کی بزم میں شریک ہورہی ہوں آپکے مہکتے ناول "کنول" کی دوسری قسط پڑھی بہت ہی شاندار رہی۔ افسانے سبھی بہت اچھے تھے اور دوسرے سلسلے بھی معیاری تھے۔

ڈیئر نادرہ باجی!

السلام علیکم۔ سال نو مبارک ہو۔

نادرہ باجی! میری دعا ہے کہ نیا سال آپ کے لئے خوشیوں کا پیغام لائے مسرت و انبساط کے گل آپ کی زندگی کے چمن میں مہکتے رہیں اور ان کی خوشبو آپ کو ہمیشہ شاداب رکھے۔ آمین۔

میں آپ کے دونوں ماہنامے "کرن" اور "خواتین ڈائجسٹ" بے حد شوق سے پڑھتی ہوں۔ یہ دونوں ماہنامے مجھے بہت عزیز ہیں۔ میری دعا ہے کہ یہ دونوں ماہنامے دنیائے ادب میں یونہی جگمگاتے رہیں اور ان کی لطیف کرنیں ہمارے دلوں کو اک احساسِ لطافت بخشتی رہیں۔ آمین۔

ابنِ انشاء صاحب کو رخصت ہوئے بھی ایک سال ہوا ہے۔ خدا انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے آمین۔ اچھا باجی خدا حافظ۔

دعاگو۔ رخشندہ نیلوفر

---

پیاری باجی!

آداب عرض۔ نیا سال مبارک ہو۔

خدا کرے یہ نیا سال آپ کے لئے خوشیوں اور مسرتوں کا پیغام لائے۔ اور ہمارے رسالے کے لئے بھی ترقی، دلچسپی اور اس کی خوبصورتی میں چار چاند لگانے کا پیغام بن کر آئے۔ آمین۔

نیناز مرد نینا۔

ڈیئر نادرہ آپی!

آداب۔

جنوری کا کرن پڑھا۔ اپنی مثال آپ تھا۔ ابنِ انشاء صاحب مرحوم کا انٹرویو بہت اچھا تھا۔ ناول "کنول" کی دوسری قسط بہت اچھی رہی مبارکباد قبول کریں۔ میری دُعا ہے کہ "کرن" یوُں ہی کامیابی کیطرف رواں رہے۔ (آمین)

مجیبہ الماس ملتان

---

ڈیئر نادرہ باجی!

آداب۔ نیا سال مبارک ہو۔

ماہنامہ کرن بہت خوبصورت ماہنامہ ہے افسانوں میں "شبِ تنہائی میں" اور "آس کی کرچیاں" بیحد پسند آئے۔ ناول کنول بھی بے حد پسند آیا۔ اِس دفعہ کی قسط نہایت اچھی رہی۔ انشاجی کا انٹرویو بہت پسند آیا۔ اور تمام کا تمام کرن ذہن پر نقش ہو کر رہ گیا ہے۔

راحیلہ بٹ رچی کراچی

---

ڈیئر نادرہ بجوّ!

گلہائے عقیدت۔

جنوری کا چمکتا دمکتا کرن ہاتھ میں تھا۔ مگر جب اپنا خط آپ کے کالم میں نہ دیکھا تو بے حد مایوسی ہوُئی خیر بجوّ! آپ سے ایک شکایت پیدا ہو گئی ہے کہ دسمبر کے شمارے میں محترمہ صائمہ کا افسانہ "ٹھنڈی آنچ" نقل شدہ تھا۔ یہ افسانہ خواتین ڈائجسٹ کے بے حد پرانے شمارے میں "خونِ دل میں ڈبو لیں انگلیاں میں نے" کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے۔ بجوّ اب کیا ہمارے رسالے میں بھی نقل شدہ چیزیں شامل ہونے لگی ہیں۔ پلیز اِس کا سختی سے نوٹس لیا جائے۔ نیز کنول کے صفحات بہت کم ہیں۔

ناظمہ انور۔ فیصل آباد

ج:- "ٹھنڈی آنچ" کے عنوان سے جو افسانہ کرن نومبر کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔ اِس کے بارے میں ہمیں بے شمار خطوط موصول ہوُئے۔ صائمہ عفت صاحبہ نے یہ افسانہ تحسین انجم انصاری کے ایک افسانے جو خواتین ڈائجسٹ میں شائع ہوا تھا۔ اس کی ہوبہو نقل کر کے بھیج دیا اور افسانہ چھپ گیا۔ ہمیں امید ہے کہ صائمہ عفت صاحبہ آئندہ ایسی حرکت نہیں فرمائیں گی۔ ہم ان بہنوں کے بھی شکر گزار ہیں جنہوں نے ہماری توجّہ اِس جانب مبذول کرائی۔

---

پیاری باجی!

آداب عرض۔

مَیں پہلی بار کرن کی محفل میں آنے کی جسارت کر رہی ہوُں۔ اُمید ہے کہ مایوس نہیں کریں گی۔ جب سے کرن کی آمد ہوئی ہے مَیں ہر ماہ بے چینی سے اس کا انتظار کرتی ہوں۔ یہ اپنے منفرد اور اچھوتے اندازِ بیان کی وجہ سے مجھے بے انتہا پسند ہے۔ خدا سے دُعا ہے کہ اِس کی ترّقی میں ہمیشہ اضافہ ہوتا رہے اور سب کی نظروں کا تارا بن کر چمکتا رہے۔ (آمین)

تمام افسانے منفرد اور ادب کا اعلیٰ شاہکار ہوتے ہیں۔ مُلک کی مایۂ ناز ادیبوں کی صلاحیتیں اور کاوشیں اِس کی جدیدیت کی جانب مائل کرتی ہیں باجی! مَیں بھی اپنے اندر کبھی لکھنے کی صلاحیت پاتی ہوُں اور مَیں نے بہت کچھ لکھا ہے۔ لیکن ابھی تک کہیں بھیجنے کی نوبت نہیں آئی۔ لیکن میرا دِل چاہتا ہے کہ مَیں کرن میں اپنی تحریر شامل کروں۔ امیدّ ہے کہ معیاری ہونے پر آپ ضرور عنایت فرمائیں گی۔ شکریہ۔

فقط

عائشہ ادیبہ۔ لاہور

ج:- آپ اپنی تخلیق ضرور بھیجیئے

---

نادرہ باجی!

السلام علیکم۔

مَیں کرن کی پرانی پڑھنے والی ہوُں۔ مگر خط پہلی مرتبہ لکھ رہی ہوُں۔ ڈرتے ڈرتے۔ باجی جی چاہتا ہے مَیں بھی آپ کی ادبی محفل میں شریک ہو جاؤں لیکن آپ کی اجازت چاہیئے۔ . . . قلم چھوڑے ہوئے ایک عرصہ ہو گیا۔ مگر کرن کا ہر شمارہ مجھے اکسار رہا ہے کہ مَیں دوبارہ اپنی دنیا میں واپس لوٹ آؤں باجی آپ کی مدد درکار ہے

کرن کا ہر افسانہ تقریباً مجھے پسند ہے آپ کی تحریر کی تو میں دلوانی ہوُں

عائشہ صدیقہ بیگم کراچی

ج:- قلم سنبھالیں اور دوبارہ لکھنا شروع کر دیں۔

---

نادرہ باجی!

آداب!

جنوری کا کرن پڑھا بے حد پسند آیا۔ ناول کنول تو بہت ہی دلچسپ ہے اتنا خوب صوُرت ناول لکھنے پر دلی مبارکباد قبول فرمائیں اور کرن کے بارے میں کیا لکھوں کرن تو اپنی مثال آپ ہے۔

شاھدہ چوہان کراچی

---

پیاری باجی!

آداب۔

نئے سال کی خوشیاں مبارک ہوں۔

پیاری باجی! میں کرن آج سے پہلے تقریباً جتنے رسالے آچکے ہیں پڑھ چکی ہوں۔ کرن کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ خدا کرے کرن دن دُوگنی رات چوگنی ترقی کرے (آمین)

منیرہ قادری۔ ٹھٹھہ۔

---

نادرہ آپی!

سلام شوق۔

نئے سال کا شمارہ "کرن" حسبِ روایت بے حد پسند آیا۔ "کرن کی تعریف کرنے کے لئے جامع الفاظ تلاش کرنے کی ضرورت ہے اور میرے پاس چند سیدھے سادھے جملے ہیں کہ "کرن اپنے نام کی طرح منفرد اور دلچسپ ہے۔"

"مقابلۂ افسانہ نگاری" کے متعلق میرا اور میری کزنز اور سہیلیوں کا یہ خیال تھا کہ یہ مقابلہ خالص ایسی نئی لکھنے والی بہنوں کے مابین ہو گا۔ جن کی کوئی تحریر کسی سالے میں نہ چھپی ہو گی۔ مگر نتائج دیکھ کر کافی مایوسی ہوئی کیوں کہ تینوں انعام ایسی افسانہ نگاروں کو دیا گیا جن کے افسانوں میں پہلے سے پختگی تھی۔ بہر حال جو نتائج ہیں وہ قبول کرنے ہوں گے۔

جبیں صادق کراچی

محترمہ نادرہ صاحبہ!

م عقیدت!

ماہ کا کرن ہاتھ میں آیا تو دل باغ باغ ہوگیا۔ ابراہیم جلیس کا لیا ہوا ابنِ انشار کا

یو پڑھا تو ان دونوں عظیم شخصیتوں کی یاد تازہ ہوگئی۔ محمود ریاض کی بات سے

" بہترین ہے۔ ناول "کنول" اور "دور کے فاصلے" اپنی مثال آپ ہیں۔

ی دعا ہے کہ کرن دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے آمین۔

عذرا ملک۔ کراچی۔

---

نادرہ باجی!

ب!

کہانیاں افسانے اور ڈرامے لکھنے کا بہت شوق ہے۔ اور میری پچاس کے

یب کہانیاں، افسانے اور نظمیں مختلف اخباروں میں چھپ چکی ہیں۔ اور عنقریب

پ۔ راولپنڈی سینٹر (P.T.V) سے میرے دو ڈرامے ٹی وی پر دیکھیں گی۔ اتنی

میابیوں کے بعد بظاہر مجھے مزید افسانہ نگاری کی طرف رجوع نہیں کرنا چاہیئے

کیونکہ میرا ارادہ صرف ڈرامہ نگاری کا ہے۔ لیکن آج پہلی بار سورج کی ایک

نہری اور خوبصورت کرن پر نظر پڑی تو جی چاہا کہ سب کچھ چھوڑ کر صرف اسی

رن کو اپنی آنکھوں میں جذب کر لوں اور یہ کرن اتنی چمکیلی ہے کہ میں داد دیئے

غیر نہیں رہ سکتی۔ لہٰذا آج پہلی بار کرن کی محفل میں شرکت کر رہی ہوں

فقط

انیس شیرازی۔ میرپور۔ آزاد کشمیر

---

ڈیئر نادرہ باجی!

ہائے عقیدت۔

جنوری کا تازہ کرن اپنی کرنیں بکھیرتا ہوا آیا تو مسرت و انبساط سے دل سرشار ہوگیا

رنگا رنگ کرن اپنے اندر تمام شوخیوں اور شرارتوں کو سمیٹے ہوئے تھا۔ نادی

آپی! آپ کا ناول "کنول" تو ایمان سے لاجواب ہے پڑھ کر دل انتہائی خوش

ہوتا ہے۔ آخر میں اس پیارے رسالے کے لئے دعا گو ہوں۔ آپ کو اور دیگر کرن

کے تمام عملے کو سلام۔ خدا حافظ۔

شیریں نذیر۔ راولپنڈی

---

## بغیر عنوان کے

اس ماہ لبنیٰ غزل کا افسانہ بغیر عنوان کے شائع کیا جا رہا ہے۔ آپ کو اس کا عنوان تجویز کرنے کی دعوت دی جاتی ہے۔ عنوانات زیادہ سے زیادہ تین ارسال کیئے جا سکتے ہیں۔ پسند آنے والے تین عنوانات پر بالترتیب ایک سال، چھ ماہ اور تین ماہ کے لئے ماہنامہ "کرن" ارسال کیا جائے گا۔ عنوانات بھیجنے کی آخری تاریخ ۲۰ فروری ہے۔

پتہ: ماہنامہ کرن اردو بازار۔ کراچی


# چندن

میں پچھلے دس سالوں سے چہرے اور جسم کی خوبصورتی کے مشورے دیتی آ رہی ہوں مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ بہنیں میرے مشورے پڑھتی ہیں اور اس پر عمل کرتی ہیں۔ اور اپنے چہرے اور جسم کی حفاظت کرتی ہیں۔

لیکن چہرے اور جسم کی خوبصورتی کے لئے ضروری ہے کہ جس طرح ظاہری جسم کی حفاظت ضروری ہے اس طرح بہنیں اندرونی جسمانی بیماری میں مبتلا نہ ہوں میں نے ایسی بہنوں کے لئے جو کسی طرح کسی وجہ سے اندرونی بیماری میں مبتلا ہیں۔ چنانچہ ایسی بہنوں کے لئے خالص جڑی بوٹیوں سے ایک دوا چندن جو خاص ان بہنوں کے لئے ہے جو اندرونی جسمانی کمزوری کے باعث کئی نسوانی امراض میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ ا۔ لیکوریا، سیلان الرحم، بچے کے بعد جسم کا کمزور ہو جانا۔ جب یہ مرض لگ جاتے ہیں تو انسان کی قدرتی خوبصورتی ماند پڑنے لگتی ہے جسم اپنی کشش کھونے لگتا ہے ہر وقت جسم تھکا تھکا طبیعت مضمحل رہنے لگتی ہے چہرہ زرد رہنے لگتا ہے ان تمام باتوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے میں نے تمام تر خالص جڑی بوٹیوں سے یہ دوا جس میں کم از کم پندرہ جڑی بوٹیوں کا سفوف شامل ہے اگر بہنیں اسے روزانہ پابندی کے ساتھ بیس روز تک صبح و شام استعمال کریں۔ تو یہ میرا دعویٰ ہے کہ وہ بیس روز کے اندر ہی اپنی تمام کھوئی ہوئی رعنائیاں اور طاقت حاصل کرنا شروع کر دیں گی۔

۲۰ دن کی دوائی کے کھانے کی قیمت ۳۰ روپے ہے

منگوانے کا پتہ: قیصری بودھی

پوسٹ بکس نمبر 775 کراچی ۱

# آپ کی میز پر

گل رعنا نصرت کمیونٹی سنٹر میں فائزہ نے خطائی بنانے کی ترکیب کا عملی مظاہرہ کیا۔

## خطائی بنانے کی ترکیب

### استعمال کی اشیاء

| | |
|---|---|
| چینی | چھ پیالی |
| گھی | چار پیالی |
| میدہ | پانچ پیالی |
| سوجی | ایک پیالی |
| انڈا | ایک عدد |
| چھوٹی الائچی | دس عدد |

### بنانے کا طریقہ

چینی کو باریک پیس لیں پھر اس میں سب چیزیں ملا دیں اور گھی میں گوندھ لیں اور چھوٹی چھوٹی ٹکیاں بنالیں ان پر انڈا لگادیں ان ٹکیوں کو ٹرے میں رکھ کر اوون میں رکھ دیں۔ آدھ گھنٹے بعد ان کو نکالیں مزیدار اور خستہ خطائیاں تیار ہو گئیں

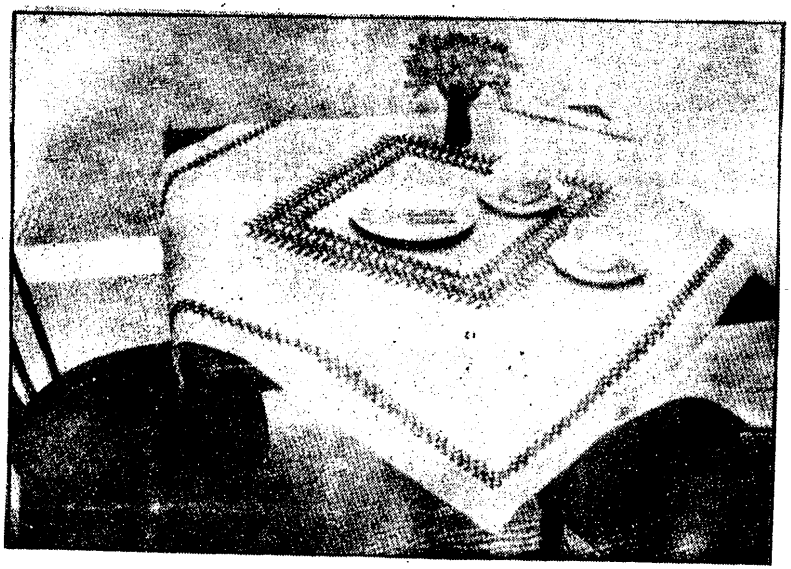

ساٹن اسٹچ

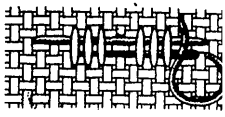



کراس اسٹچ

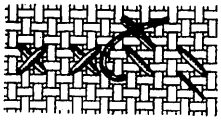



بسنڈ اسٹچ

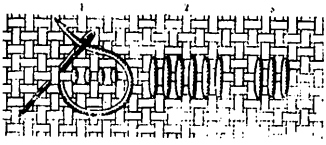

# اون سے چار سوتی پر کڑھائی کیجئے

**بُنائی** کے دن تمام ہوئے آپ کے پاس کئی رنگوں میں تھوڑی تھوڑی اون بچ گئی ہوگی۔ اُون کے ٹکڑے بیکار نہیں ہیں ان سے چار سوتی پر خوبصورت نمونے بنائے جا سکتے ہیں۔ چار سوتی سے میز پوش ٹیبل کور، تکیے اور گدی کے غلاف بنایئے اور ان کو اُون سے کاڑھیئے اوُن کی کڑھائی سادہ اور آسان ہے اس میں زیادہ تر سیدھے ٹانکے استعمال ہوں گے اُون کی ابھری ہوئی بیلیں کڑھائی میں انفرادیت پیدا کریں گی۔

موسم کی مناسبت سے پہلے ہم آپ کے لئے میز پوش کی کڑھائی کا ایک نمونہ درج کرتے ہیں۔ برآمدے یا باغیچے میں رکھی ہوئی میز پر اونی کڑھائی کا میز پوش بچھایئے کیونکہ بے تکلف مہمان یہیں بیٹھنا پسند کریں گے۔ ان دنوں میں شام کی چائے برآمدے یا باغیچے میں ہی لطف دیتی ہے۔

انگوری رنگ کے چار سوتی کے میز پوش کی کڑھائی کے لئے ہم نے گہرا سبز، سفید اور مسٹرڈ پیلا اُون استعمال کیا ہے

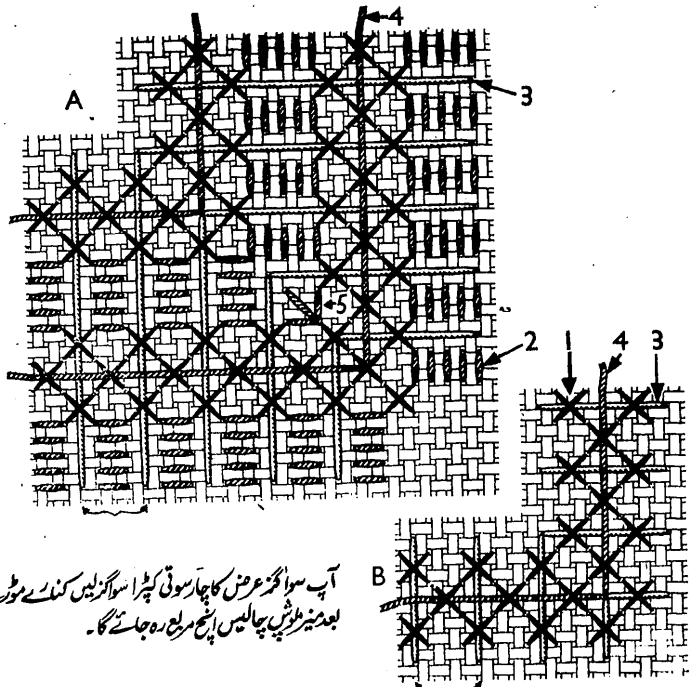

آپ سوا گز عرض کا چار سوتی کپڑا سوا گز لیں کنارے موڑنے کے بعد میز پوش چالیس انچ مربع رہ جائے گا۔

## ترکیب

کپڑے کی چار تہیں کرلیں۔ چاروں تہوں کے نشانات پر سفید دھاگے سے ٹانکے لگالیں تاکہ مرکز کا تعین ہو سکے خاکہ نمبر ۵ میں مرکزی بیل کا کونا A دیا گیا ہے B بیل کا کونا میز پوش کے کنارے پر بنے گا اور خاکے کو دیکھتے ہوئے آپ نقشے کی مدد سے رنگ اور ٹانکے لگا کر اندرونی اور بیرونی بیلیں میز پوش پر کاڑھ لیں۔

کڑھائی کی ابتدا اندرونی بیل سے کریں۔ مرکز کے تعین کے لئے جو ٹانکے لگائے تھے کڑھائی انہی ٹانکوں کے خط سے شروع کریں۔

سب سے پہلے نمبر ۲ ٹانکے لگائیے۔ پھر نمبر ۳ ٹانکے لگائیے اس کے بعد نمبر ۴ ٹانکے لگائیں۔ آخر میں نمبر ایک ٹانکے لگانے ہوں گے۔

## نقشہ

(۱)۔ سبز۔ کراس اسٹچ
(۲)۔ زرد۔ساٹن اسٹچ بلاک
(۳)۔ سفید } لیسڈ تھریڈ
(۴)۔ زرد }
(۵)۔ زرد۔ سیدھے ٹانکے

گیس پیپر
گیس پیپر
گیس پیپر
سائنس اور جنرل گروپ کے طالب علموں کیلئے سو فی صد کامیابی، میٹرک اور نویں کے طالبعلموں کیلئے خوشخبری
لورسنز پبلیکیشنز فیڈرل بی ایریا کراچی کے گیس پیپر
سول ایجنٹ: کتاب منزل سمن آباد فیڈرل بی ایریا کراچی ۳۸
اپنے قریبی بک اسٹال سے طلب فرمائیں

[redacted]

# ہماری جلد

اُمِ کاشانہ

دنیا میں پیدا ہونے والے سبھی انسان خوبصورت جلد لے کر پیدا ہوتے ہیں۔ ریشم کی طرح نرم، ملائم چکنی جلد جس پر داغ دھبے اور مہاسے وغیرہ کچھ نہیں ہوتے لیکن عمر کی پندرھویں منزل تک پہنچتے پہنچتے ہماری اس خوبصورت جلد میں کئی تبدیلیاں آچکی ہوتی ہیں۔

خشکی، کھردراپن، کیل چھائیاں، مہاسے اور جھریاں رونما ظاہر ہوجاتے ہیں اور پھر یہ سلسلہ زندگی کے آخری لمحات تک چلتا ہی رہتا ہے کوئی ایک شکایت ختم ہوتی ہے تو فوراً اس کی جگہ نئی شکایت پیدا ہوجاتی ہے خشک بے جان جلد آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے اور جھریاں وغیرہ۔

ان تمام جلدی مسائل کا حل جاننے کے لئے یہ معلومات رکھنا بھی ضروری ہیں کہ ہم جلد کی ساخت کو اچھی طرح سمجھ لیں اور یہ کہ جلد کا کام کیا ہے۔

ہماری جلد دو پرتوں (تہوں) سے مل کر بنی ہے اُوپری سطح کو ایپی ڈرمس اور نچلی سطح یا پرت کو ڈرمس کہتے ہیں اوپری سطح یعنی ایپیڈرمس پر ظاہر ہونے والی تمام تبدیلیاں ہمیں نظر آتی ہیں جیسے جلد کا پھٹنا، کٹنا پھوڑے پھنسی یا زخم کا نشان کیل اور مہاسے وغیرہ ڈرمس یعنی نچلی پرت یا سطح چونکہ ایپی ڈرمس سے نیچے ہوتی ہے اس لئے یہ اُوپری سطح پر ہونے والی تبدیلیوں کے لئے اسے تیار کرتی ہے اور اس کی پرورش بھی۔

اوپری سطح عموماً بدلتی رہتی ہے زخموں وغیرہ کے سلسلے میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ جوں جوں زخم بھرتا جاتا ہے نچلی سطح اُوپر آتی جاتی ہے اور پھر زخم پوری طرح درست ہوجانے کے بعد اُوپری جلد پر ایک اور نئی جلد آجاتی ہے۔

ایپیڈرمس کے بھی چار حصے ہوتے ہیں۔ سب سے نچلی وہ سطح ہوتی ہے جہاں اس کے سیل پیدا ہوتے ہیں اور یہ ڈرمس کے ساتھ منسلک ہوتی ہے جن میں خون کی باریک رگوں کے علاوہ اور بھی رگیں ہوتی ہیں جب اُوپر کے سیل مر کر باہر آجاتے ہیں تو نیچے کے سیل اس کی جگہ لے لیتے ہیں اور اسی طرح یہ عمل تمام زندگی جاری رہتا ہے۔

اگر جلد کی صفائی اچھی طرح نہ کی جائے تو وہ بے جان اور مسلی سی لگنے لگتی ہے اور میلی جلد بیماریوں کے جراثیم قبول کرلیتی ہے مہینہ میں ایک بار جلد کو سمندری نمک، اپٹن، بیسن یا کچے پپیتے کے ساتھ مل کر صاف کرنی چاہیئے اُوپر کی مری ہوئی سطح جب صاف ہوجائے گی تو نیچے سے صاف ستھری ملائم جلد نکل آئے گی۔ اس کے لئے اگر روزانہ صبح غسل کرتے وقت کمپلیکشن برش کا استعمال کریں۔ وہ خواتین جن کے چہروں پر مہاسے ہیں وہ البتہ اس سے گریز کریں چہرے کے علاوہ جسم کے دوسرے حصوں پر بھی برش یا جھانواں رگڑیئے جس سے مردہ جلد ختم ہوجائے غسل کرنے سے قبل اگر بیسن یا مکئی کے آٹے سے جسم کی مالش کرلیں تو نہانے کے بعد آپ کی جلد نہ صرف نکھر جائے گی بلکہ اس طرح کبھی آپ کی جلد میں روکھاپن یا خشکی پیدا نہیں ہوگی۔

ایپیڈرمس پر جو خشک جلد یا خشک پرت ہے اُسے گرنا ہی جانا چاہیئے اس کے گرنے سے ہی نچلی سطح کے سیلوں کی پرورش میں مدد ملے گی۔ جیسے جیسے ہم بڑھاپے کی منزل کی طرف بڑھتے ہیں اوپری جلد پر نئی تہیں بنتی جاتی ہیں اس طرح نئے سیلوں کی پرورش متاثر ہوتی ہے جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُوپری سطح چمڑے کی طرح سخت اور کھردری ہوجاتی ہے اور وہ اپنے میں نمی کو اچھی طرح جذب نہیں کر پاتی اس خرابی سے جسم میں چکنائی پیدا کرنے والے سیل بھی متاثر ہو جاتے ہیں اور ان کا کام رک جاتا ہے یہی سب خرابیاں مل کر خشک اور مرجھائی ہوئی سیاہ جلد پیدا کرتی ہیں۔

ڈرمس میں دو طرح کے خلیئے پائے جاتے ہیں پسینہ خارج کرنے والے خلیے چکنائی پیدا کرنے والے پسینے کو خارج کرنے والے خلیوں کا کام ہوتا ہے جسم کی حرارت کو اعتدال پر رکھنا جبکہ تیل یا چکنائی پیدا کرنے والے خلیوں کا کام جلد کی سطح کو چمکدار ملائم اور صحت مند رکھنا ہوتا ہے۔ چکنائی پیدا کرنے والے خلیئے جلد کے باریک باریک مساموں کے ذریعہ اس کی بقدر ضرورت مقدار پہنچاتے

رہتے ہیں یہ بھی ہوتا ہے کہ کبھی جلدی بیماری کی وجہ سے یہ خلیے تمام جسم میں یکساں چکنائی نہیں پہنچا سکتے اس کی مثال یوں سمجھ لیں کہ آپ اپنے چہرے کا خاص خیال رکھتی ہیں وہاں کے خلیے صحیح مناسب مقدار میں چکنائی پیدا کر کے چہرے کو تر و تازہ اور شگفتہ رکھتے ہیں اس کے برخلاف آپ ہاتھ اور پیروں کا اتنا دھیان نہیں رکھتیں نتیجہ یہ کہ ہوتا ہے کہ چہرے کے مقابلے میں ہاتھ پیروں کی جلد خشک بے معنی اور بے جان سی نظر آنے لگتی ہے۔

جسم کے مساموں کو کسی بھی حالت میں بند نہیں ہونا چاہیئے۔ اگر یہ مسام بند ہو جائیں تو جسم سے خارج ہونے والی رطوبتوں میں رکاوٹ پڑ جاتی ہے اور جلدی امراض پیدا ہونے کا خطرہ بھی بڑھ جاتا ہے۔ اسی لئے سمجھ دار اور تعلیمیافتہ خواتین رات کو سونے سے قبل اپنا میک اپ اتار دیتی ہیں۔

## پانی کی اہمیت

جلد کی تازگی اور اس کی ملائیت قائم رکھنے کے لئے پانی کو کافی اہمیت حاصل ہے۔

اس کے لئے اگر ممکن ہو تو صبح و شام غسل کرنا چاہیئے بصورت دیگر ایک بار دن میں نہانا ضروری ہے ہماری جلد میں جو خشکی پیدا ہو جاتی ہے وہ جسم میں کیراٹین کی کمی سے ہوتی ہے کیراٹین کی کمی جسم میں پانی کی کمی سے ہوتی ہے۔

سب سے پہلے خشکی اور جھریاں چہرے پر ظاہر ہوتی ہیں منہ ہاتھ دھو کر تولئے سے خشک کرنے کے بجائے چہرے کو ایسے ہی خشک ہونے دیں اور دن میں کم از کم آٹھ گلاس پانی پینے کا خیال رکھیں۔

جن کی جلد خشک اور روکھی ہے اُن کے لئے دن بھر میں آٹھ نو گلاس پانی پی لینا اور اپنے آپ کو ٹھنڈی ہوا و دھوپ سے بچا کر رکھنا ضروری ہوتا ہے کیونکہ سورج کی گرمی ہماری جلد کی نمی کو جذب کر لیتی ہے۔

جب بھی آپ باہر جائیں سورج کی کرنوں سے بچاؤ کیلئے سن اسکریننگ لوشن یا کریم ضرور لگائیں۔ کچھ خواتین سمجھتی ہیں کہ اس کا مقصد فاؤنڈیشن سے ہے اس لئے وہ اپنے چہرے پر خوب فاؤنڈیشن پوت کر گھر سے نکلتی ہیں حالانکہ یہ قطعی غلط ہے چہرے پر ہر وقت فاؤنڈیشن جمائے رکھنے سے چہرے کے مسام بند ہو جاتے ہیں اور مسام بند ہونے سے جلدی امراض کیل مہاسے وغیرہ پریشان کرنے لگتے ہیں۔ چہرے کی تازگی ختم ہو کر اس جگہ پیلاپن آجاتا ہے۔

کیل مہاسے اور چہرے کی پیلاہٹ کو چھپانے کے لئے یہ خواتین اسی عیب کو گہرے فاؤنڈیشن میں چھپا لینا چاہتی ہیں۔ اور پھر یہ حیلہ ملتا ہی رہتا ہے کسی ایسی خاتون کو کبھی میک اپ کے بغیر دیکھئے ایسا معلوم ہوگا جیسے کسی نے اس کے چہرے کا سارا خون نچوڑ لیا ہے تازگی کا نام و نشان دور دور تک اُس کے چہرے پر نہ ہوگا۔

بہت زیادہ صابن کا استعمال بھی ہماری جلد کے لئے نقصان دہ ہوتا ہے اکثر خواتین صفائی کے مالیخولیا میں مبتلا ہو کر اپنے چہرے کو دن میں کئی کئی بار صابن سے دھوتی ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چہرے پر اس سے نکھار اور تازگی آنے کے بجائے اتار و کھاپن اور خشکی آجاتی ہے۔

جلد کی صحت کے لئے چکنائی بیحد ضروری ہے اور یہ چکنائی اندرونی خلیوں کے ذریعہ مساموں سے ہوتی ہوئی جلد پر آتی ہے اس سے ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ یہ جلد کی نمی کو برقرار رکھتی ہے وہ جلد جو چکنائی اور نمی سے محروم ہو سیاہ، بدنما اور جھریوں دار ہو جاتی ہے اور یہ جھریاں کم عمر خواتین کو زیادہ عمر والا بنا کر پیش کرتی ہیں چہرے کی نمی برقرار رکھنے کے لئے فیس پیک بہت مفید ہے یا وہ لوشن اور کریمیں جن میں پانی کا استعمال ہوا ہو پچیس تیس منٹ تک فیس پیک چہرے پر رہتا ہے جس سے جلد کو اچھی خاصی نمی حاصل ہو جاتی ہے۔

چہرے پر گرم پانی کی بھاپ لینے سے بھی جلد کو نمی حاصل ہوتی ہے۔ اور بند مساموں کا میل نکال کر بھاپ انہیں کھول بھی دیتی ہے۔ ہفتہ میں ایک بار چہرے پر بھاپ کا عمل ضرور کریں۔

ان باتوں کے ساتھ ساتھ اپنے کھانے پینے کی چیزوں کا بھی جائزہ لیں موسم کے مطابق ہر قسم کی سبزی پھل وغیرہ غذا میں شامل کر لیں قدرت کی پیدا کی ہوئی تمام اشیاء میں ہماری صحت اور جلد کی بھلائی کے لئے کچھ نہ کچھ پروٹین، وٹامن ضرور ہوتے ہیں جن سے ہم اُن کو استعمال نہ کر کے محروم رہ جاتے ہیں۔

# آپ کے سوال — ذوالقرنین کے جواب

## نہلے پہ دہلا

### زینت حسن مگسی ۔ کراچی
س:۔ آنکھیں تو دروازۂ دل کہلاتی ہیں لیکن پلکیں کیا کہلاتی ہیں؟
ج:۔ دل کی کھڑکی۔
س:۔ بھلا بتائیے تو اس وقت میں کیا سوچ رہی ہوں؟
ج:۔ کہ کہیں ذوالقرنین کا دماغ تو نہیں چل گیا۔

### صوفیہ مختار — کراچی
س:۔ آج کل کے مہمان رحمت کے بجائے زحمت کیوں ہوتے ہیں۔؟
ج:۔ یہ بات آپ اس طرح سوچیں کہ اگر آپ کسی کی مہمان ہوں تو کیا باعثِ زحمت ہوں گی۔

### یاسمین کنول — شکارپور
س:۔ ذوالقرنین جی! آخر یہ زندگی میں ساری کشمکش اور ہنگامے کس لئے ہیں؟
ج:۔ زندگی کو خوب صورت، دلکش اور رنگا رنگ بنانے کے لئے۔

### شمیم مصطفےٰ — کراچی
س:۔ نین جی! السّلام علیکم۔ نیا سال مبارک
ج:۔ آپ کو بھی مبارک ہو نیا سال۔

### ممتاز کنول — کراچی
س:۔ اگر خلوص کا جواب بے رُخی اور نفرت سے ملے تو کیا ہم بھی خلوص و محبّت کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیں؟
ج:۔ توبہ کریں توبہ۔ پھر آپ میں اور دوسرے میں کیا فرق رہا۔

### شازیہ تاج — جیکب آباد
س:۔ کانٹا نکل جانے کے بعد بھی تکلیف کیوں رہتی ہے؟
ج:۔ اس لئے کہ کانٹا جو چبھ چکا ہوتا ہے۔

### صوفیہ بخاری ببلی — مُلتان
س:۔ زندگی اگر دُکھ اور خوشی کا مجموعہ نہ ہوتی تو؟
ج:۔ تو زندگی نہ ہوتی۔

### نبیلہ امان — پشاور
س:۔ سُنا ہے آپ کے منہ میں صرف چار دانت ہیں باقی سب دانت کیا ہوئے؟
ج:۔ پیدائشی ہی چار ہیں۔ باقی کا کیا ذکر۔

### گلنار شگفتہ گل — راولپنڈی
س:۔ "وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ"۔ کیا خیال ہے جناب کا
ج:۔ جس کسی نے بھی یہ کہا ٹھیک ہی کہا ہے۔
س:۔ ویسے بائی دی وے یہ تو بتائیں کہ ہمارا نام کیسا ہے کیونکہ کچھ لوگوں کو ہمارے نام پہ اعتراض ہے کہ کافی لمبا چوڑا ہے (ویسے ہمیں یقین ہے کہ فیصلہ ہمارے حق میں ہوگا کہ خیر سے آپ بھی لمبے چوڑے نام کے مالک ہیں)
ج:۔ آپ کے نام پر اعتراض کرنے والے حق بجانب ہیں اس لئے کہ آپ کے نام میں تین دفعہ "گ" آتا ہے اور میرا نام تو نہایت ہی مختصر ہے یعنی ذوالقرنین۔

### فوزیہ فرزانہ — سرگودھا
س:۔ دوستی تم سے دشمنی . . . . ؟
ج:۔ خود سے۔
س:۔ مجھے اپنے آپ سے کبھی کبھی بہت پیار ہو جاتا ہے؟
ج:۔ آپ ایک پیچیدہ نفسیاتی مرض میں مبتلا ہیں۔ اس لئے بہتر ہوگا کہ عدنا بھائی سے رجوع کریں، بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی کہ آپ کو اپنے آپ سے پیار ہو جائے۔

### لُبنیٰ کنول
س:۔ ذوالقرنین تم نے لڑکیوں سے ملتا ہوا نام کیوں رکھا؟ ویسے پیارا ہے
ج:۔ پیارا ہے تو پھر یہ اعتراض کیوں۔ ذرا لُغت کھول کر ذوالقرنین کے معنیٰ دیکھ لیں، پھر ایسا نہ کہیں گی۔

### طاہرہ نواز وڑائچ
س:۔ آپ کی بیگم آپ کی پٹائی تو خوب کرتی ہیں آپ احتجاج کیوں نہیں کر

ج: اس لئے نہیں کرتا کہ یہ دور ہے آزادیٔ نسواں کا۔ اگر احتجاج کیا تو جواب میں اور پٹائی ہو۔

## فرزانہ بلوچ — سکھر

س: مجھے اس محفل میں شریک ہونے کی اجازت ہے؟
ج: یہ بزم ہے دوستو! یہاں لوگ آتے ہیں، چلے جاتے ہیں۔
س: اگر آپ شاعر ہوتے تو شعر کا جواب شعر میں دیتے۔؟
ج: شاعر تو ہوں لیکن شعر کا جواب شعر میں دیتے ہوئے کچھ ڈر سا لگتا ہے۔

## آرزو کنول

س: جو ہم سوچتے ہیں وہ مکمل کیوں نہیں ہوتا؟
ج: پھر آپ سوچتے ہی کیوں ہیں۔
س: وقت کی قیمت؟
ج: بے حساب

## لبنیٰ عنایت — پشاور

س: کبھی آپ کو دن میں تارے نظر آتے ہیں۔؟
ج: یہ پوچھیں کب نہیں آتے۔

## شہناز سعادت غوری — کراچی

س: اور سناؤ کیا کر رہے ہو آج کل۔؟
ج: مکھیاں مار رہا ہوں آج کل تو۔
س: دیکھو میاں جوابات ذرا سوچ سمجھ کر دیا کرو، آیا سمجھ میں۔؟
ج: اے لڑکی ڈانٹا مت کرو۔ ورنہ ہم ناراض ہو جائیں گے۔

## ممتاز کنول — کراچی

س: قرنی بھیا! کسی کا خلوص حاصل کرنے کے لئے کتنی رشوت کی ضرورت ہوتی ہے؟
ج: وہ زمانہ گیا جب رشوت کی ضرورت پیش آتی تھی۔ آج کل کوئی کام بغیر رشوت کے نہیں ہوتا۔ کیسی رہی؟

## فوزیہ ناز — نارتھ کراچی

س: وہ لوگ جن پر ہم ڈھیروں اعتماد کرتے ہیں وقت آنے پر ساتھ کیوں چھوڑ دیتے ہیں؟
ج: آپ اعتماد ہی کیوں کرتی ہیں "ٹھیس" لفظ اسی لئے ایجاد ہوا تھا کہ اعتماد کو ٹھیس پہنچے۔
س: پھول مرجھا جائے تو خوشبو ختم ہو جاتی ہے۔ اگر دل ٹوٹ جائے تو؟
ج: سائنس کا کہنا ہے کہ دل نہیں ٹوٹتا۔ بلجیم کا شیشہ تو ہے نہیں کہ ٹوٹ گیا۔
س: صبر کی آخری منزل کیا ہے۔؟
ج: میٹھا پھل۔

س: عشق کیا چیز ہے۔؟
ج: دماغ کا خلل۔
س: ذوالقرنین کا مطلب سمجھا دیجئے۔ شکریہ؟
ج: دو صدیوں کا آدمی۔

## تنویر رفعت، مسرت مقصود — خیرپور میرس

س: سُرمہ دانی اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں سُرمہ ہوتا ہے، اسی طرح صابن دانی، نمک دانی، لیکن "مچھر" دانی سے کیا مراد ہے؟
ج: اس میں انسان ہوتا ہے اور دراصل مچھر انسان کو نہیں بلکہ انسان مچھر کو کاٹتا ہے۔

## نسیم سحر — سیالکوٹ

س: ذوالقرنین بھیا! میں تو اس بات پہ حیران ہوں کہ آپ یعنی کہ ذوالقرنین بھیا اور بھیا سے مراد مرد ہوتے ہیں نا! محترم یہ رسالہ خواتین کے لئے ہے۔ پھر آپ کس سلسلے میں تشریف لائے ہیں؟
ج: وہ خواتین جو مردوں کے رسالے میں تشریف لاتی ہیں ان پر آپ نے کبھی اعتراض نہیں کیا۔ ہرگز نہیں کیا ہوگا۔ پھر آپ سب میرے پیچھے ہی کیوں پڑ گئی ہیں۔
س: یہ عالم شوق کا دیکھا نہ جائے نین جی ... نین جی ... نین جی!
ج: سیدھا سیدھا ذوالقرنین جی کہہ دیتیں۔ کیوں ٹکڑے کر دیئے بیچارے ذوالقرنین کے۔

## آنسہ فرحانہ ممتاز — کراچی

س: نین جی! آپ نے ابھی تک ہماری بھابی کا تعارف ہم سے نہیں کروایا آخر کیوں؟
ج: اس لئے کہ وہ کالی ہے پر دل والی نہیں۔

## حفصہ شہناز — جہلم

س: اگر پائلٹ آپ کے گنج کو رن وے سمجھ کر وہیں جہاز اتار لے تو آپ کیا کریں گے۔
ج: جہاز تباہ ہو جائے گا۔

## فوزیہ محی الدین — راولپنڈی

س: مسٹر ذوالقرنین! کل آپ سڑک پر اپنے بال ٹھیک کر رہے تھے کیا کسی سے جوتا تو نہیں کھایا تھا۔
ج: جوئیں تلاش کر رہا تھا۔

## شمع ناز — سکھر

س: اگر انسان کی ہر خواہش پوری ہونے لگے تو؟
ج: تو پھر خداوند سے کیا خواہش کرے گا انسان۔
س: اگر میک اپ بند ہو جائے تو۔۔۔؟
ج: تو ہر چہرہ خوبصورت لگے گا۔ سادگی زیادہ بہتر ہے۔ میری ذاتی رائے

Pakistanipoint
Waqar Azeem

ہے یہ۔

## نازش گل

س: کیا نین ہمیشہ سچ بولتے ہیں؛ جھوٹ تو نہیں بولتے۔ کسی کو دھوکہ تو نہیں دیتے۔

ج: اگر بات میرے نین کی ہے تو پھر یہ نین نہ جھوٹ بولتے ہیں نہ دھوکہ دیتے ہیں، خلوص ہی خلوص ملے گا ان نینوں میں۔

س: نین ایک آئینہ ہیں اس آئینے میں کیا خلوص بھی نظر آسکتا ہے؟

ج: دیکھنے والے پر منحصر ہے۔

## آنسہ شفق رحمٰن بہاولپور

س: ارے آپ خیالی پلاؤ کھانے اور ہوائی قلعے میں رہنے کے بہت شوقین ہیں۔؟

ج: اپنا اپنا شوق ہے ویسے بائی دی وے آپ کس چیز کی شوقین ہیں۔

س: کوا چلا ہنس کی چال اپنی چال بھی بھول گیا اسکا کیا مطلب ہے؟ جدید ڈکشنری میں۔؟

ج: اصل میں یہ محاورہ لوگوں کی سمجھ میں ذرا کم آتا ہے۔ بات یہ ہے کہ کوا ہنس رہا تھا اور چل رہا تھا۔ پھر وہ ہنستا ہی رہا اور چلنا بھول گیا۔

## لبنیٰ کنول کراچی

س: اگر آپ کو قومی ٹیم کا کھلاڑی بنا دیا جائے تو؟

ج: تو پھر قومی ٹیم کا خدا ہی حافظ ہے۔

س: آپ کی محفل کا ٹکٹ کہاں سے حاصل کریں؟

ج: ٹکٹ گھر سے۔

س: آپ لیڈیز کی محفل میں بغیر دوپٹے کے کیسے آگئے۔؟

ج: یہ پوچھیے کہ آپ اس محفل میں دوپٹے میں کیسے آگئے۔

## روبینہ بٹ روبی

س: انکل مرد مجاہد آپ ہمارے سوالات کو گول کیوں کر جاتے ہیں؟

ج: اگر گول کرنے میں اتنا ہی ماہر ہوتا تو قومی ہاکی ٹیم کا بہترین کھلاڑی ہوتا۔

س: ایک بات بتانا۔ پہلے تمہاری محفل کا رنگ کچھ اور تھا مگر اب پھیکا پڑ گیا ہے۔ اکھڑے اکھڑے اکتاہٹ سے بھرپور جواب دیتے ہو۔ بھلا کیوں۔؟

ج: سوالات پر منحصر ہے۔ رنگ پھیکا اس لئے پڑ گیا ہے کہ ابھی رنگ میں بھنگ ڈالنے کی تربیت مکمل نہیں ہوئی۔

## نسرین سکندر حیدرآباد

س: ٹھوکر کھانے سے پہلے جو سنبھل جائے اسے کیا کہیں گے؟

ج: عقلمند، بے حد عقلمند۔

## کوثر شازی سرگودھا

س: اگر ایک انسان کسی دوسرے کا دل دکھائے تو کیا وہ انسان کہلانے کا حق دار ہے۔

ج: انسان ہے تو، مگر وہ بے حس کہلائے گا۔

س: امیر کی نظر میں غریب کی کیا حیثیت ہے؟

ج: آپ نے حیثیت کا تعین تو خود ہی کر دیا۔ لیکن بعض امیر غریب کو اپنے سے افضل سمجھتے ہیں۔ کیونکہ دولت سے آدمی امیر نہیں ہوتا، دل سے امیر ہوتا ہے۔

خواتین کی بیماریاں

وہ بہنیں جو کسی جسمانی بیماری کا شکار ہیں اور کسی وجہ سے کسی پر ظاہر نہیں کرنا چاہتی ہوں یا کسی ایسی جگہ مقیم ہوں جہاں علاج کی سہولتیں میسر نہ ہوں۔

ادارہ کرن نے

ایک مستند طبیبہ کی خدمات حاصل کی ہیں جن سے آپ خط لکھ کر بیماری کے علاج کے سلسلے میں مشورے کر سکتی ہیں۔

مشوروں کی کوئی فیس نہیں

یہ خدمات ادارہ کرن کی طرف سے ہے۔

یہ مشورے اور ان کے جوابات بذریعہ کرن دیئے جائیں گے اگر نام کی اشاعت منظور نہ ہو تو کسی فرضی نام سے بھی مشورے لئے جا سکتے ہیں۔

اردو بازار کراچی

# ۱۱ جنوری ۷۹ کو ابن انشاء مرحوم کی پہلی برسی پر ادارہ یادگارِ غالب کے زیر اہتمام ایک جلسہ

ادارہ یادگارِ غالب لائبریری میں ملک کے ممتاز شاعر، ادیب صحافی و کالم نگار مرحوم ابن انشاء کی پہلی برسی کے موقع پر ایک جلسہ منعقد ہوا اگرچہ خبروں میں صدارت کے لئے مشہور افسانہ نگار غلام عباس صاحب کا نام تھا اور مقررین میں شوکت صدیقی صاحب کا مگر جلسے انشاء جی کی پہلی برسی کے اس جلسے میں انہوں نے آنا کیوں نہیں پسند کیا۔ چنانچہ غالب لائبریری کے رُوحِ رواں مرزا ظفر الحسن صاحب نے انشاء جی کے دیرینہ دوست اور ساتھی جمیل الدین عالی سے صدارت کی درخواست کی۔ عالی جی اسی روز اسلام آباد سے بلکہ اسی وقت سیدھے جلسے میں تشریف لے آئے تھے۔ حالانکہ پاکستان ٹیلی وژن کے زیر اہتمام ۱۱ جنوری کو ملک گیر مشاعرہ منعقد ہو رہا تھا اور عالی جی کو بھی دعوت دی گئی تھی۔ عالی جی نے ان سے درخواست کی کہ اتنے بڑے شخص کو دنیا چھوڑے ایک سال ہو رہا ہے یہ مشاعرہ کسی اور دن پر رکھ لو۔ مگر ارباب ٹیلی وژن نے جواباً فرمایا کہ "جناب وفاقی وزیر اطلاعات و نشریات اس مشاعرے کی صدارت فرما رہے ہیں ہم نے ان سے وقت لے لیا ہے یہ اب کیسے ممکن ہے؟" تب عالی جی نے مشورہ دیا کہ اس مشاعرے کو کم از کم ابن انشاء کے نام سے موسوم کر دو۔ ٹیلی گرام بھی دیئے۔ مگر جواب ندارد۔ مرزا ظفر الحسن نے ابن انشاء مرحوم کو زبردست خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ ابن انشاء مرحوم کو تعارف و تعریف سے اپنی زندگی میں ہی بے نیاز ہو چکے تھے۔ تاہم اہل یاد کرنا ضروری ہے مشہور صحافی و شاعر شفیع عقیل نے انشاء جی سے اپنی ملاقاتوں کا ذکر بڑے شگفتہ انداز میں کیا بلکہ کسی قدر پنجابی میں کیا۔

انشاء جی کے دیرینہ دوست ڈاکٹر ابوالخیر کشفی جن کا ذکر انشاء جی نے اپنے ایک سفرنامے میں بھی کیا تھا۔ کہا کہ انشاء جی نے نیکیاں بہت چھپ کر کیں لیکن ہمارے ساتھ سب سے بڑی نیکی یہ کی کہ وہ اپنی شگفتہ تحریریں ہمارے لئے چھوڑ گئے۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے کہا کہ ابن انشاء COMMITMENT کے آدمی تھے وہ طاقتور کے مقابلے میں کمزوروں کا ساتھ دیتے تھے اور جہاں سوزی، دل سوزی اور کرب کو چھپانے کے لئے وہ مزاح کے پھول بکھیرتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے انشاء جی مرحوم کی

مشہور و معروف کتاب "اردو کی آخری کتاب" سے بے شمار اقتباسات سنائے جس پر حاضرین جلسہ اندر سے روتے اور اوپر سے ہنستے۔

انشاء جی کی وفات کے بعد عالی جی کی طبیعت بہتر نہیں اور میں سمجھتا تھا کہ عالی جی کچھ نہ کہہ پائیں گے مگر ایسا نہ ہوا۔ عالی جی نے کہا کہ انشاء دوست نواز آدمی تھے انہوں نے نثر اور شاعری کے علاوہ تحقیق کا کام بھی کیا ہے جو بہت جلد سامنے آنے والا ہے انہوں نے انکشاف کیا کہ انشاء جی نے جو رچرڈ برٹن پر تحقیقی کام کیا ہے جب وہ سامنے آئے گا تو دنیا پر یہ واضح ہو جائے گا کہ انہیں سنجیدہ تحریریں بھی بڑا مقام حاصل ہو گا۔

اب تو انشاء جی کی یاد میں جلسے ہوں یا مشاعرے ہوں جانے والے نے واپس نہ آنے کی قسم کھا رکھی ہے وہ اب ہمارے درمیان کبھی واپس نہ آئے گا۔ سچ ہے خدا نے ایک ہی کام اور بہت بڑا کام اپنے ہاتھ میں رکھ لیا۔ (زندگی دینے والا میں اور زندگی لینے والا میں) یہی ہے رضاء خداوندی۔

اس جلسے میں انشاء جی مرحوم کے دوست مشفق خواجہ، ممتاز مفتی کے علاوہ اور دیگر ممتاز شخصیتیں بھی موجود تھیں، مداحوں کا ہجوم تھا۔ اور دوران جلسہ خاور سنگرامی نے انشاء جی مرحوم پر ایک طویل نظم پڑھی جسے سن کر حاضرین آبدیدہ ہو گئے۔

گل رعنا نصرت کمیونٹی سینٹر میں پھول بنانے کا مقابلہ ہوا۔

مقابلے میں حصہ لینے والی خواتین کا گروپ فوٹو،

# پنجاب یونیورسٹی اولڈ کیمپس میں ایک تقریب

حال ہی میں پنجاب یونیورسٹی کے اولڈ کیمپس میں اسلامی ثقافت و خطاطی کی نمائش کی تقریب تقسیم انعامات کے موقع پر وفاقی وزیر چوہدری ظہور الٰہی نے کہا کہ قوم کے نوجوان تاریخ کے مدل بننے کی طاقت رکھتے ہیں دنیا کی تاریخ میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔

انہوں نے کہا کہ پاکستان میں غیر جمہوری حکومتوں کے تختے الٹنے میں ملک کے نوجوانوں نے جو حصہ لیا ہے وہ قابل تحسین ہے انہوں نے اظہار افسوس کیا ہے کہ پرانی

لنسل نے پاکستانی معاشرے کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کا وعدہ پورا نہیں کیا حالانکہ قیام پاکستان کا اولین مقصد یہی تھا۔

چوہدری ظہور الٰہی نے پیشہ ور مصوروں اور طالب علم مصوروں کو انعامات تقسیم کیئے۔

مسز عابدہ عباسی کی بنائی ہوئی تصویر سب سے اچھی اور سونے کے تمغے کی مستحق قرار پائی۔ عبدالماجد کی تصویر کو دوسرا اور غزالہ کی تصویر کو تیسرا انعام دیا گیا۔

ڈیزائن کے لئے ایم۔ ایچ جعفری کو پہلا اور رضیہ محمود کو دوسرا انعام دیا گیا۔

طلبا کے انعامات میں سے سہیل احمد کی تصویر پہلے انعام کی اور نگہت سلطانہ کی تصویر دوسرے انعام کی مستحق قرار دی گئی۔

فن خطاطی میں پہلا انعام محمد قاسم کو اور دوسرا انعام محمد علی کو ملا۔

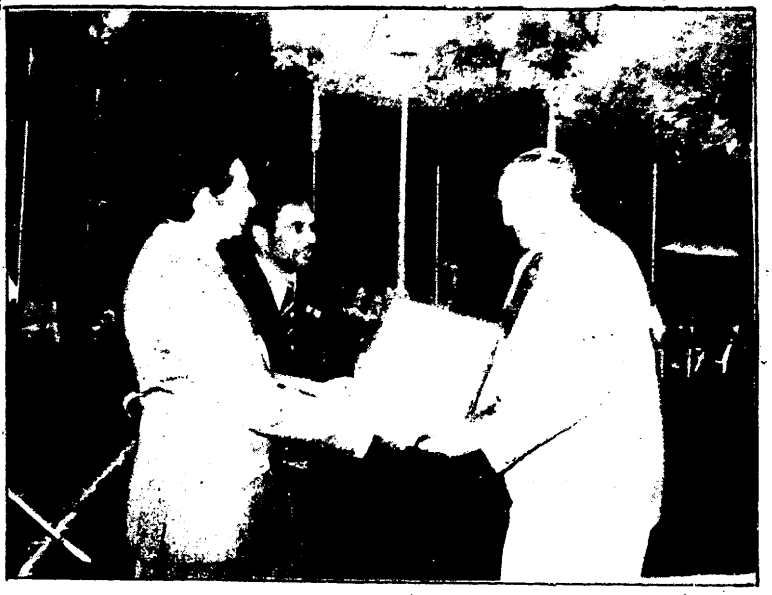

چیف سیکرٹری پنجاب جناب ریخ فرینک صدر انٹرنیشنل ہاکی فیڈریشن کو ان کے دورے کا البم پیش کر رہے ہیں۔

لاہور میں منعقد ہونے والی پہلی بین الاقوامی گائینکالوجی کانفرنس کے موقع پر ملکی اور غیر ملکی مندوبین بے بی لاک اسٹائل کا معائنہ کر رہے ہیں۔

گل سے رعنا نصرت
کمیونٹی سینٹر میں
پھولوں کا مقابلہ

لاہور ریڈرز ویمن ہاکی ٹیم جس نے تیسری پوزیشن حاصل کی۔

## این ایس ڈی کے زیر اہتمام ایک تقریب

پی آئی اے آرٹس اکیڈمی جسے اب نیا نام این ایس ڈی دیا گیا ہے۔ پچھلے دنوں این ایس ڈی کے زیر اہتمام ایک خوب صورت تقریب منعقد کی گئی جس میں علاقائی رقص پیش کئے گئے۔ علاقائی رقص پیش کرنے والوں میں کئی چہرے شناسا لگتے تھے۔ شاید اس لئے کہ وہ پہلے پی آئی اے آرٹس اکیڈمی سے منسلک تھے۔ اس صفحے پر اس تقریب کی تصویریں شائع کی جا رہی ہیں کہ قارئین باخبر رہیں کہ کراچی میں ایسی تقاریب ابھی جاری ہیں ورنہ سوشل ڈائری کا کیا بنے۔؟

# لاہور میں ابنِ انشاء مرحوم کی پہلی برسی پر نیشنل سینٹر میں جلسہ

**لاہور** انشاجی کی پہلی برسی پر منعقد ہونے والا یہ جلسہ دیر تک جاری رہا
سنا تھا کہ لاہور کے ادیبوں نے بھی انشاجی کی پہلی برسی کا پروگرام ۱۱ جنوری کو ہی رکھا تھا۔ لیکن پاکستان ٹیلی ویژن کے مشاعرے کے انعقاد کی وجہ سے لاہور کے بیشتر شعراء مشاعرے میں شرکت کرنے چلے گئے۔ اس کے بعد تاریخ ۱۰ جنوری جلسے کے لئے قرار پائی۔ لیکن ملک کے ممتاز ادیب، دوست، شاعر، صحافی، کالم نگار، مخلص ہمدم، انشاجی کی پہلی برسی کے لئے کیا ضروری ہے کہ جو تاریخ مقرر کر دی گئی ہے اسی پر جلسہ کیا جائے۔

چنانچہ ۱۷ جنوری کا پروگرام بھی ملتوی ہوا اور پھر شاید لاہور کے ادیبوں اور شاعروں کو یہ احساس ہوا کہ انشاجی پاکستان کے ہر شہر کے ہر ادیب و شاعروں کے دوست، ساتھی تھے ان سے مخلص تھے۔ ان کی تخلیقات کو سراہتے تھے انہیں پیار کرتے تھے انہیں چاہتے تھے چنانچہ ۲۰ جنوری کو پاکستان نیشنل سینٹر نے ابنِ انشاء مرحوم کی پہلی برسی پر ملک کے نامور ادیب شاعر جناب احمد ندیم قاسمی کی زیرِ صدارت ایک جلسہ منعقد کیا۔

برِّصغیر کی نامور ادیبہ قراۃ العین حیدر نے انشاجی کی پہلی برسی کے موقع پر بطورِ خاص ہندوستان سے مضمون بھیجا جسے جلسے میں کشور ناہید نے پڑھا۔ جلسے کے اسٹیج سیکریٹری کے فرائض اعزاز احمد آزر نے انجام دیئے۔

انشاجی کے دیرینہ ساتھی بچپن کے ساتھی اے حمید نے "پینڈو" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا جسے جلسہ میں حسن رضوی نے پڑھا۔

نوجوان نسل کے شاعر امجد اسلام امجد نے انشاجی پر بہت خوبصورت و طویل مضمون پڑھا۔ اس کے بعد طاہر تونسوی نے انشاجی کی شخصیت پر اپنا مضمون پڑھا۔

انشاجی کا اپنی زندگی میں اصول رہا کہ جب شہر لاہور گئے۔ لاہور کے ایک ایک ادیبوں، شاعروں، نقادوں سے ان کے حال احوال پوچھے مگر لاہور میں ادب دوستوں کے پاس اتنا وقت نہیں کہ وہ اپنے اس عظیم دوست پر کچھ لکھنے کے لئے اپنی مصروفیات میں سے تھوڑا سا وقت نکال سکیں۔ مانا کہ یہ دور مختلف ادبی گروہوں میں تقسیم ہوا ہے۔ حلقے بٹے ہوئے ہیں مگر انشاجی کا تو کسی خاص گروہ سے تعلق نہ تھا وہ تو سب کے دوست تھے۔

# انشاجی! تم کہاں گئے ہو؟

طاہر سردار۔ لاہور

انشاء جی کو ہم سے بچھڑے ایک سال ہو گیا۔ آنسوؤں کے اس دیار میں قہقہوں کے نغمے اپنے انشا کی تلاش میں اداس و پریشان چہروں کی طرف دیکھتے ہیں اور پھر خود بھی اس کی یاد میں اداس ہو جاتے ہیں۔ ۱۲ر جنوری کو نیشنل سنٹر میں




حمید اختر انشاء جی پر اپنا مضمون پڑھ رہے ہیں۔

اعزاز احمد آذر کہہ رہے تھے انشا جی اپنی ذات میں ایک ادارہ تھے۔ غزل، نظم، طنز و مزاح کا کالم، ترجمہ غرضیکہ جس طرف بھی نگاہ اٹھائیں انشا جی کا نام سرِ فہرست ہے۔ ان کی شاعری ایک مکمل دبستان کی حیثیت رکھتی ہے اس بات کے ثبوت کے طور پر طاہر تونسوی نے طویل مقالہ "ایک فقیر رہگذر" کے نام سے پڑھا اور بتایا کہ انشا جی کے ساتھ اردو شاعری کا ایک مخصوص دور اور انداز قریباً ختم ہو گیا۔

ڈاکٹر سلیم اختر نے "چاند نگر کا جوگی" کے عنوان سے نہایت خوبصورت مقالہ ابنِ انشا کی شاعری کے بارے میں پڑھا ان کے بعد امجد اسلام امجد نے ابنِ انشا کی خوبصورت اور شاہکار کتاب "اردو کی آخری کتاب" کے بارے میں بہت عمدہ مقالہ پڑھا۔ ان کی کتاب سے اقتباس سنائے اور آخر میں نصابی سوالات کے طور پر پانچ خوبصورت سوال محفل کے سامنے رکھے۔ پورے حال میں سناٹے کا عالم تھا۔ اے حمید ابنِ انشا کے پرانے دوستوں میں سے ہیں۔ انہیں ابنِ انشا کے بارے میں طویل مضمون خود پڑھنا تھا مگر خرابیٔ صحت کی بنا پر وہ خود تو نہ آئے مگر اپنا مضمون بھجوا دیا جسے حسن رضوی نے پڑھا۔ اکبر کاظمی نے ترنم سے انشا جی کی یاد میں نظم سنائی جو ان کی یادوں کا خوبصورت مرقع تھی۔

حمید اختر ابنِ انشا مرحوم کے بچپن کے دوستوں میں سے ہیں۔ انہوں نے "بینڈو" کے نام سے اتنا خوبصورت مضمون پڑھا کہ ساری محفل ابنِ انشا کی بچپن سے لے کر آخری عمر تک کی یادوں کی تصویر بن گئی۔ حمید اختر نے انشا جی کے بارے میں بتایا کہ پہلے وہ مایوس کے تخلص سے شاعری کرتے تھے بعد میں مایوس صحرائی بنے اور پھر شیر محمد قیصر بن گئے پھر ایک دن ابنِ انشا نام رکھا اور اردو ادب میں کبھی نہ ختم ہونے والی یادیں اور خوبصورت تحریریں چھوڑ کر ۱۱ جنوری ۱۹۷۸ء کو وہ ہم سے جدا ہو گئے۔

حمید اختر نے اپنا مضمون ختم کیا۔ حمید اختر حال ہی میں ہندوستان کے سفر سے لوٹے ہیں تو اپنے ساتھ وہ قرۃ العین حیدر کا طویل اور حسین مضمون لائے جسے محفل کے لئے محترمہ کشور ناہید نے پڑھا۔ ان کے بعد مجلس کے صدر جناب احمد ندیم قاسمی نے ابنِ انشا کی زندگی کی یادوں کو دہرایا اور ان کی بھرپور تصویر کشی کی۔ محفل میں جیسے ہر چہرہ اداس اور آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔ پروگرام کی خوبصورتی کے لئے شروع سے آخر تک ابنِ انشا کی آوازیں ٹیپ کی ہوئی نظمیں اور ان کی باتیں محفل میں سنائی گئیں۔ آخر میں انہیں کی آواز میں تین خوبصورت نظمیں سنانے کے بعد یہ محفل اختتام کو پہنچی۔

مہمانِ خصوصی بیگم جنرل ضیاء الحق کا انعام یافتہ ویمن ہاکی ٹیموں کے ساتھ گروپ فوٹو۔

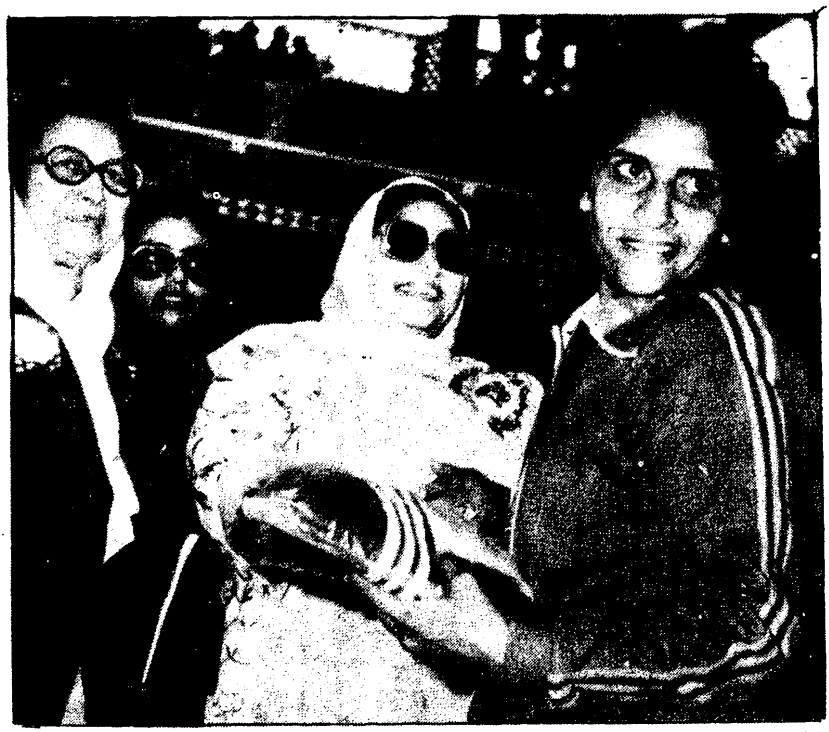

چھٹا پاکستان نیشنل ویمن ہاکی ٹورنامنٹ کے اختتام پر مہمانِ خصوصی بیگم جنرل ضیاء الحق اس سال کی بہترین چیمپئن سلطانہ یوسف کو انعام دے رہی ہیں۔

چھٹا پاکستان نیشنل ویمن ہاکی ٹورنامنٹ کی انعام یافتہ ٹیموں کی کپتان وننگ اسٹینڈ پر کھڑی ہیں۔ کراچی ریڈز (اول)، راولپنڈی ریڈز (دوئم)، لاہور ریڈز (سوئم)